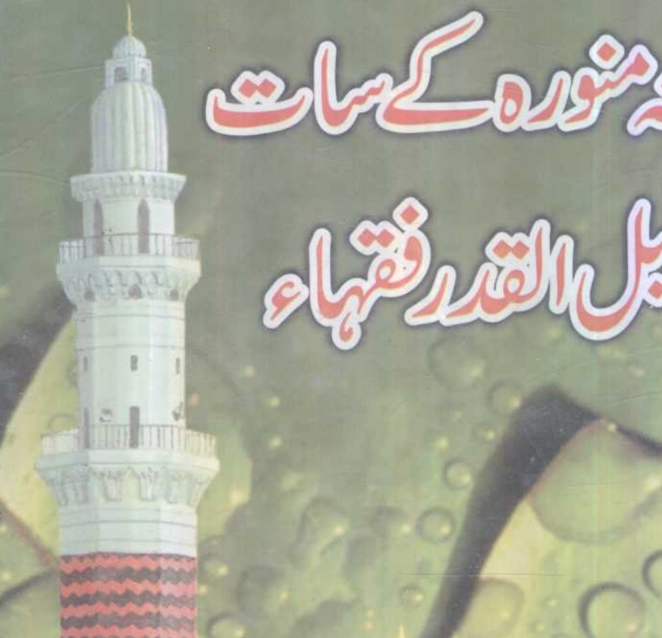
الفقهاء السبعة بالمدينة المنورہ

مدینہ منورہ کے سات جلیل القدر فقہاء



سعید ابن المسیّب

قاسم ابن محمد

عروہ ابن زبیر

عبید اللہ ابن عبد اللہ

ابو بکر ابن عبد الرحمٰن

خارجہ ابن زید

سلیمان بن یسار

مؤلف: قاری عبد الرحمٰن

"الفقهاء السبعة بالمدينة المنورة"

مدینہ منورہ کے سات جلیل القدر فقہاء

تصنیف و تالیف

قاری عبدالرحمٰن ایم۔اے

تخلیقات

علی پلازہ، 3- مزنگ روڈ لاہور، فون: 7238014
Web Site: http://www.takhleeqat.com
E-mail: takhleeqat@yahoo.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: مدینہ منورہ کے سات جلیل القدر فقہاء
''الفقہاء السبعة بالمدینة المنورہ''

تصنیف وتالیف: قاری عبدالرحمٰن

نظر ثانی: پروفیسر حافظ انعام الحق غازی
شعبہ عربی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

نگرانی و رہنمائی: الاستاذ الجلیل' شیخ التفسیر مولانا محمد علی الصدیقی کاندھلویؒ

اہتمام: لیاقت علی

ناشر: تخلیقات

کمپوزنگ: حافظ مبشر بیگ

تاریخ اشاعت: نومبر 2003ء

ٹائٹل: آغا نثار

پرنٹر: حاجی حنیف پرنٹر' لاہور

ضخامت: 288 صفحات

قیمت: 150 روپے

نذر

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے تابناک ذرّوں اور عطر بیز فضاؤں کی نذر!
جن میں فقہاء سبعہ نے علم و فضل کے انمول موتی
بکھیرے اور اپنی خدماتِ جلیلہ کی بدولت
حیاتِ جاودانی سے ہم کنار ہوئے۔

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

انتساب

بصد عجز ونیاز

والدین مرحومین

(محترم الحاج جلال الدینؒ محترمہ الحاجہ عائشہ بی بیؒ)

(نور اللہ مرقدھما)

جن کے سایہ عاطفت اور برکات سے معمور تربیت کی بدولت مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی۔

رب ارحمهما كما ربّيٰني صغيرًا

اور

مربی ومرشد، استاد گرامی قدر

شیخ التفسیر حضرت مولانا الحافظ محمد علی الصدیقی کاندھلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

جن کی مستجاب دعائیں ہر آن مجھے اپنے حصار میں لئے رکھتی ہیں۔

اللھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم الجنۃ الفردوس

سراپا ممنون احسان

قاری عبدالرحمٰن

(راجی رحمۃ المنان)

تقدیم

ڈاکٹر محمود احمد غازی

بیسویں صدی عیسوی دنیائے اسلام میں دور رس تبدیلیوں کی صدی ہے اس صدی کے نصف اول میں دنیائے اسلام کی سیاسی آزادی کی تحریکات کو کامیابیاں ملنا شروع ہوئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے آزاد مسلم ممالک دنیا کے نقشے پر ظاہر ہو گئے۔ سیاسی آزادی کے ساتھ ساتھ فکری احیاء اور تہذیبی تعمیر نو کی کاوشیں بھی شروع ہو گئیں۔ انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک اور قازقستان سے لے کر افریقہ کے وسطی علاقوں تک شاید ہی کوئی مسلم ملک ایسا رہا ہوگا جہاں مختلف دینی، فکری، تعلیمی اور ثقافتی تحریکات و محرکات نے جنم نہ لیا ہو۔

ان تمام محرکات میں اگرچہ کئی اعتبار سے فرق پایا جاتا ہے لیکن جو چیز قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے وہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ، فکری اور تہذیبی آزادی اور اقوام عالم میں نہ صرف باعزت بلکہ قائدانہ مقام کے حصول کی گہری آرزو ہے۔

اس صورتحال میں دنیائے اسلام کے دانشوروں کی ایک بڑی تعداد نے اسلامی علوم وفنون بالخصوص فقہ اسلامی کی تدوین نو کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ بیسویں صدی کا نصف دوم ایک اعتبار سے فقہ اسلامی کی تدوین نو کا دور کہا جاسکتا ہے۔ ان پچاس سالوں میں مسلم فقہاء، علماء شریعت اور ماہرین قانون کی مشترکہ کوششوں سے وجود میں آنے والا وقیع علمی ثمرہ آج ہمارے سامنے ہے۔ آج دنیائے اسلام کی تمام قابل ذکر زبانوں کے علاوہ بیشتر مغربی زبانوں میں بھی اسلامی شریعت، فقہ اور اصول فقہ پر قابل قدر علمی ذخیرہ دستیاب ہو چکا ہے۔ اس عظیم الشان علمی کام کا ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج فقہ اسلامی کے بارے میں وہ بہت سی غلط فہمیاں دم توڑ چکی ہیں جو بیسویں صدی کے اوائل میں دانستہ یا نادانستہ پھیلائی گئی تھیں۔

اس بے مثال فقہی تحقیق کا ایک اہم میدان فقہ اسلامی کے تشکیلی دور کا از سر نو مطالعہ بھی ہے۔ ماضی کے اہل علم نے مختلف اسباب کی بنا پر تشکیل مذاہب فقہ سے پہلے کے دور کو اپنی علمی کاوشوں اور تحقیقی ترک تازیوں کیلئے شاید زیادہ زرخیز اور بار آور نہیں سمجھا۔ ان کی توجہ کا مرکز مختلف فقہی مذاہب اور فقہی مذاہب کے اقوال وفتاویٰ قرار پائے تھے۔ بیسویں صدی عیسوی سے قبل بہت کم لوگوں نے دور صحابہؓ، دور تابعین اور دور تبع تابعین کی فقہ اور فقہاء کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا۔ شاید علامہ ابن القیم اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علاوہ کوئی اور قابل ذکر محقق ایسا نہیں ہے جس نے اس دور کے فقہی رجحانات اور اسالیب تحقیق پر کوئی قابل ذکر کام کیا ہو۔

اس کے برعکس بیسوی صدی عیسوی میں بہت سے اہل علم نے دور صحابہ، دور تابعین اور دور تبع تابعین کو اپنی خصوصی تحقیقات کا میدان قرار دیا۔ خود ہمارے پاکستان میں ڈاکٹر احمد حسن، ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری اور ان جیسے کئی اہل علم نے اس موضوع پر قابل قدر کام کیا ہے۔ اس پس منظر میں جناب قاری عبدالرحمٰن کی قابل قدر کتاب ''فقہائے سبعہ'' غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے دور تابعین کے ان سات نامور فقہائے اسلام کے کارناموں اور فقہی کاوشوں پر قلم اٹھایا ہے۔ جن کی فقہی تحقیقات نے نہ صرف صدر اسلام میں اجتہاد کے عمل بلکہ پوری فقہ اسلامی کو متاثر کیا ہے۔ بالخصوص فقہ مالکی تو براہ راست ان ائمہ سبعہ کی مرہون منت ہے۔ قاری صاحب کی یہ کتاب اپنے موضوع میں اردو کی پہلی تحقیقی کاوش ہے۔ انہوں نے بنیادی ماخذ کو پیش نظر رکھا ہے اور دستیاب مواد کو ایک منطقی ترتیب کے ساتھ سلیس علمی زبان میں پیش کردیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب اردو زبان کے فقہی ذخیرہ میں ایک اہم اور باوقار اضافہ شمار ہوگی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو کامیاب بنائے اور اہل علم میں مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین

یکم رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ

محمود احمد غازی

اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر امین اللہ وثیر

اہل علم نے اپنے اپنے انداز میں علم فقہ کی جو مختلف تعریفات کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ، ادلہ شرعیہ کی روشنی میں مسائل واحکام شریعت کے فہم واستنباط کا علم ہے۔ یہ احکام تمام علم دین کے اصول وفروع پر مشتمل ہیں۔ فقہ کے مسلمہ مصادر وماخذ چار ہیں۔

(۱) قرآن مجید (۲) سنت نبویؐ (۳) اجماع (۴) قیاس

علم فقہ کے لئے بڑے اعزاز وسعادت کی بات یہ ہے کہ اس علم کے بانی، معلم انسانیت، سید وسرور کائنات محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ جیسے جیسے قرآن مجید نازل ہوتا رہا اور امت کے لئے سرچشمہ ہدایت بنتا رہا، آنحضرتؐ کا طریقہ اور آپ کی سنت مطہرہ بھی لازمی طور پر اسلامی شریعت کی بنیاد بنتی چلی گئی گویا قرآن وسنت جملہ اعمال، اعتقادات اور معاملات کے لئے نص ہیں۔

آنحضرتؐ کے بعد خلفاء راشدین کے زمانے میں ہر مسئلہ کے بارے میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالی جاتی تھی۔ اگر اس میں حکم نہ ملتا تو سنت رسول اللہ ﷺ سے استناد کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فیصلوں سے بھی استناد کیا کرتے تھے۔ یہی طریقہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی اختیار کیا، لیکن جب سنت نبویؐ سے بھی کوئی مثال نہ ملتی تو پھر قیاس کرنا پڑتا۔ اسی کو رائے کہا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جب حضرت شریح کو قاضی مقرر کیا تو ان کی راہنمائی کے لئے یہی مذکورہ بالا طریقہ بتایا۔ انہوں نے کئی دوسرے مواقع پر بھی فیصلے

کے اصول بالترتیب یہی بتائے۔ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی حضرت معاذ بن جبلؓ کو بطور والی یمن روانہ کرتے وقت اسی امر کی تلقین فرمائی تھی۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجتہادات اور بعض اوقات ان میں جزوی اختلافات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ برگزیدہ حضرات خالصتاً لوجہ اللہ قرآن وسنت کی روح تک پہنچنے کیلئے بدرجہ غایت کوشاں رہتے اور اس معاملے میں حد درجہ سعی اور قوت غور وفکر کو کام میں لاتے تھے تا کہ صحیح معنوں میں قرآن وسنت کے حقیقی منشا تک پہنچ سکیں۔ لہذا اس کاوش میں باہم اختلاف بھی کرنا پڑے تو اس سے چوکتے نہ تھے۔ استنباط مسائل کا دوسرا اہم پہلو یہ تھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ جب اجتہاد کرتے تو ان کے مدنظر مندرجہ بالا اصول کے تابع یہ جستجو بھی ہوتی تھی کہ قرآن وسنت کا منشا پورا کرنے کی خاطر یہ امر پیش نظر رکھا جائے کہ فرد اور معاشرے کے تعلق میں انسانی نفسیات اور عقل و تجربہ کا جھکاؤ کس طرف ہے۔ اس کے علاوہ قلت تکلیف اور انسانی طبائع کیلئے مالا یطاق دشواری سے بھی بچتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر فاروقؓ کے اجتہادات سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں۔ خلفاء راشدین کے علاوہ دیگر فقہاء صحابہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنھم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ کے بعد ان کے قابل فخر تلامذہ حضرات تابعین نے بھی انہیں کے اسلوب و انداز کو اختیار کرتے ہوئے قانون سازی کی اس تحریک کو پروان چڑھایا اور اس سلسلہ میں مدینہ منورہ کے علمی افق پر طلوع ہونے والے ان سات درخشندہ ستاروں، فقہاء سبعہ رحمھم اللہ کی خدمات تو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو اس کتاب کا موضوع ہیں جسے برسوں کی محنت کے بعد عزیزم قاری عبدالرحمٰن صاحب نے نہایت احسن انداز میں ترتیب دیا ہے۔

عزیزم قاری عبدالرحمٰن (ایم اے عربی) جو استاذ گرامی منزلت حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی علیہ الرحمۃ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی بے پناہ تجارتی، سیاسی اور معاشرتی مصروفیات کے باوجود

اس قافلہء علم وفضل جسے فقہاء سبعہ یا فقہاء مدینہ کے مقدس نام سے یاد کیا جاتا ہے، کی جملہ مساعی اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کے ایک ایک پہلو کو گویا ایک مسلک میں پرو دیا ہے۔ اور خاص سلیقے اور سلجھاؤ سے اس تمام مواد کو اپنی تصنیف (مدینہ منورہ کے سات جلیل القدر فقہاء) کے دامن میں سمیٹ لینے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ جو مختلف متون و کتب میں بکھرا پڑا تھا۔ ہماری معلومات کے مطابق اس موضوع پر اردو زبان میں یہ دوسری اہم کتاب ہے۔ اس سے پہلے مشہور محقق و مصنف مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے ماہنامہ ''رحیق'' میں امام ذہبیؒ کی کتاب ''تذکرة الحفاظ'' کے مترجم مولانا حافظ محمد اسحاقؒ نے (فقہاء سبعہ) کے نام سے علمی و تحقیقی مقالات کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ جسے علمی و دینی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

288 صفحات پر مشتمل فقہاء مدینہ کا یہ دلچسپ اور مفید تذکرہ نہایت عمدہ مباحث کا حامل ہے۔ قاری عبدالرحمٰن صاحب نے مضامین کی اجمالی فہرست کے علاوہ تفصیلی فہرست بھی مرتب کردی ہے اور آخر میں مصادر و مراجع کا تفصیلی ذکر بھی شامل کیا ہے، جو بذات خود ایک مفید علمی اضافہ ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ رب العزت قاری صاحب کو جزاء خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے نژادنو کے سامنے ہمارے ان عظیم اسلاف کی دینی مساعی، ان کی حیات اور ان کے علمی کارہائے نمایاں کو بہترین انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے اور قارئین کرام کو استفادہ کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

بندہ عاجز

ڈاکٹر امین اللہ وثیر

اسلام آباد

کچھ اپنی زباں میں

غالباً ۱۹۸۰ء کی سردیوں کی بات ہے کہ بعد نماز عشاء، میں اپنے مربی ومحسن اور مرشد حضرت مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ، مہتمم دارالعلوم الشہابیہ، سیالکوٹ کی خدمت میں ان کے علم وفضل کے شجر سایہ دار سے خوشہ چینی کر رہا تھا، وہ مختلف مسائل پر اپنے مطالعہ کی گہرائی اور گیرائی کے گوہر نایاب بکھیر رہے تھے اور میں ان کی شخصیت کی عظمت، وسعت مطالعہ اور بے مثال حافظہ سے متاثر، ان کے ارشادات میں گم سم اور محو تھا۔ گفتگو کے دوران میں نے عرض کیا "قراء سبعہ" نے قرآن کریم کی بہت خدمت کی ہے۔ قرآن کریم ہی کی بدولت وہ تا قیامت زندہ جاوید ہوگئے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ان خادمین قرآن کریم کے بارے میں کچھ تحریر فرمائیں جو کتابی شکل میں شائع کی جائے اور اس کی اشاعت کی سعادت میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا بات تو خوب ہے لیکن "قراء سبعہ" پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ قرآن کیلئے ان کی عظیم اور بے مثال خدمات، فن تجوید وقرات پر ان کے نظریات اور مختلف طرق قرات قرآن پر بہت سی وقیع، فصیح اور بلیغ کتب موجود ہیں۔ میں تمہیں ایک ایسا موضوع اور ایسی نامور شخصیات بتاتا ہوں جن پر آج تک کچھ نہیں لکھا گیا اور مدوّن و مرتب شکل میں ان نابغہ روزگار رجال خیر پر کوئی کتاب تحریر نہیں کی گئی یہ بھی سات شخصیات ہیں اور خاک طیبہ سے پیدا ہونے والے یہ سات درخشندہ ستارے، آسمان علم و ادب اور مطلع فضل وکمال پر پوری آب و تاب سے جگمگا رہے ہیں۔ ان کی فقاہت بے مثال، ان کا فہم دین لاجواب اور ان کا طریق استدلال مثالی اور جداگانہ ہے۔ ان کے بارے میں مختلف کتب میں بکھری ہوئی معلومات کو یکجا کرنا ایک کارنامہ سے کم نہ ہوگا۔ بس اللہ کا نام لے کر آغاز کر دو" میں حیران و پریشان اور

ششدرہ رہ گیا اور گویا ہوا" میں اس قابل کہاں"؟

من آنم کہ من دانم

ارشاد ہوا کہ" یہ کام تم نے ہی کرنا ہے تمہاری سرپرستی اور رہنمائی کیلئے میں جو موجود ہوں،، بات ختم ہو گئی اور مجلس برخاست ہوئی۔ مجھے جب کبھی مجلس میں شرکت کا موقع ملتا تو دل ہی دل میں دعا کرتا کہ اس موضوع پر بات نہ ہو کیونکہ ذرّے کو آفتاب سے کیا نسبت؟ ایک فرش نشین، فلک نشین کیسے ہو سکتا ہے؟ ویسے بھی میری سماجی، سیاسی اور خصوصاً کاروباری مصروفیات سے باقاعدہ وقت نکالنا ناممکن تھا۔ ایک روز پھر فرمایا" بھائی شروع کیوں نہیں کرتے؟ کام عظیم ہے تمہارے ذریعے سے ہو تو زہے نصیب"!

شب و روز گذرتے رہے اور گاہ بہ گاہ حضرت شیخ التفسیر کاندھلویؒ میری ہمت بندھاتے رہے اور اس راہ کی مشکلات کو آسان بنا کر بیان فرماتے۔ اب" الامر فوق الادب" کے مصداق مجھے تعمیل حکم کے سوا چارہ نہ رہا۔ یوں تو ناچیز کو مسلسل دس سال شب و روز حضرت کاندھلویؒ کی صحبت میں گذارنے کی سعادت نصیب ہے یہ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء کا زمانہ ہے۔ کالج اور یونیورسٹی میں گذرے ایام بھی طلب علم کا زمانہ ہے جس کا اختتام ۱۹۶۵ء میں ہوا۔ پھر میں نے تعلیم و تدریس کی بجائے کاروباری مصروفیات اختیار کیں اور غم روزگار کا شکار اہل و عیال کی کفالت میں مگن رہا۔ اب تقریباً پندرہ سال بعد ۸۱،۱۹۸۰ء میں قلم و قرطاس سے ناتہ جوڑنا پڑا اور زانوئے ادب پھر سے طے کرنا شروع کیا۔ بس میں تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کتب خانہ اور ان کی سرپرستی و دلجوئی اور رہنمائی میرا سرمایہ۔ اللہ کا نام لیکر" فقہاء سبعہ" کے بارے میں کتب کی ورق گردانی کو معمول بنایا اور تقریباً اٹھارہ ماہ کے عرصہ میں کتاب کا مسودہ تیار ہو گیا۔ مگر نظر ثانی کی نوبت نہ آئی۔ پھر وہی کسب معاش اور تعلیم و تربیتِ اولاد کی ذمہ داری نبھانے میں ماہ و سال گزرتے رہے حضرت مرحوم کبھی اس جانب توجہ دلاتے اور پھر میرے احوال کے پیش نظر سکوت فرما لیتے۔ ۱۹۹۲ء میں میرے مرشد و محسن حضرت شیخ التفسیرؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور راہی ملک عدم ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں اپنے مربی کی سرپرستی اور رہنمائی سے محروم ہو چکا ہوں اور از خود یہ کام سرانجام دینا میرے لئے کسی طور پر بھی ممکن نہیں اب ۲۰۰۱ء کا سن ہے۔ میرے برادر بزرگوار

حاجی محمد نذیر صاحب کے ایک صاحب علم وفضل فرزند پروفیسر حافظ انعام الحق غازی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد میں تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں صاحب تحریر ہیں اور حقیقی معنوں میں ایک محقق کا مقام رکھتے ہیں انہیں بھی حضرت کاندھلویؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے انہوں نے ''فقہاء سبعہ'' کے مسودہ پر نظر ثانی کا بار اٹھانے کا ذمہ لیا۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس کتاب کے منظر عام پر آنے میں ان کی محنت و کاوش کا گہرا دخل ہے۔ میں ان کی درازی عمر، صحت و سلامتی اور علم و عمل میں برکت کے لئے قلب و جگر کی گہرائیوں سے دعا گوں ہوں۔

میری دلی تمنا ہے کہ کتاب میں حضرت الاستاذؒ کی عظیم شخصیت کا پرتو نظر آئے اور میری کوشش ہے کہ ان ہی کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ زیادہ سے زیادہ استعمال میں لاؤں۔ وہ الفاظ جو ان کی مجالس اور مواعظ کے ذریعے نہاں خانہ دل و دماغ میں گھر کر گئے ہیں اور ہر دم تقریر و تحریر میں ان کی شخصیت ممد و معاون اور آشکار نظر آتی ہے۔ یہ کیفیت بھی ان کی عظمت شان کا سحر ہے یہ دعویٰ تو نہیں البتہ کوشش ضرور ہے کہ کتاب کے الفاظ و بیان میں اس شعر کا عکس نظر آؤں۔

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں، زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں، چراغ میرا ہے رات ان کی

اس کتاب کی تکمیل میرے لئے وجہ صد افتخار اور باعث اعزاز ہے کتاب دنیا میں انسان کا بہترین ساتھی ہے اور ایک اچھی کتاب کی تصنیف و تالیف سے فانی انسان زندہ جاوید بھی ہوسکتا ہے۔ اللہ کرے یہ کتاب بہترین ساتھی ثابت ہو اور میرے لئے خلوص بھری دعاؤں کا ذریعہ بن جائے۔ اس کتاب کا وجود اور منظر عام پر آنا میرے لئے ایک سہانا خواب تھا اس خواب نے حقیقت کا روپ دھار لیا اس میں میرا کوئی کمال نہیں کیونکہ:

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم خود نہیں اٹھتے، اٹھائے جاتے ہیں

میں نے اپنی سعی ناتمام پر تقریظ کیلئے، محقق کبیر جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی وفاقی وزیر برائے مذہبی امور حکومت پاکستان سے وعدہ لے رکھا تھا ان کی تقریظ سے کتاب کے حسن و جمال اور معنوی قدر و قیمت میں یقیناً قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ کتاب

پر ان کا محققانہ اظہار وخیال میرے لئے یقیناً باعث سعادت ہے اور سرمایہ حیات بھی! ان کی اس کرم فرمائی پر میں سراپا اظہار تشکر ہوں ان کی شخصیت میرے لئے باعث تقلید ہے۔ (بارک اللہ فی علمہ وعمرہ)

پروفیسر ڈاکٹر امین اللہ وثیر راسخ فی العلم کے مقام بلند پر فائز ہیں۔ عربی ادب اور دینی علوم میں ان کی محققانہ قدر ومنزلت سے وطن عزیز کے اصحاب علم وفضل بخوبی واقف ہیں ان سے شرف تلمذ پر مجھے فخر ہے۔ ڈائریکٹر جنرل وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے عہدہ جلیلہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد، آج کل سیکرٹری اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان، کی عظیم اور اہم ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ ''فقہاء سبعہ'' پر ان کی جانب سے تبصرہ وتقریظ کتاب کی وقعت وشان کا باعث ہوگا۔ ان کی جانب سے اس ذرہ نوازی پر قلب وجگر کی پنہائیوں سے شکرگزار ہوں۔

انگریزی کا مشہور مقولہ ہے "Books Make a Book" یہ کہاوت میری اس نا تمام کاوش پر صادق آتی ہے۔ میں نے بھی ایک موضوع کو مرکز ومحور بنا کر، بہت سی کتابوں میں سے کچھ مواد کو ترتیب دیا اور یوں یہ کتاب معرض وجود میں آ گئی جس کو ''مدینہ منورہ کے سات جلیل القدر فقہاء'' (الفقہاء السبعہ باالمدینۃ المنوّرہ) کا نام دیا گیا۔ اس عمل کو نہ میں اپنا کمال سمجھتا ہوں اور نہ ہی کوئی تحقیقی کارنامہ، بلکہ یہ تو ایک ''نقل'' کی جائز شکل ہے اور شاید یہ ''نقل'' ''اصل'' کا روپ دھار لے۔ یہ ناقص جمع و تدوین اور تصنیف وتالیف، عوام الناس کیلئے شاید نافع اور مقصدیت کی حامل نہ ہو یہ خالص علمی اور تحقیقی موضوع ہے جس پر خامہ فرسائی کی کوشش کی گئی ہے۔ خواص کیلئے بھی افادیت کا دعویدار نہیں لیکن یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اس کتاب کے موضوع کی کشش اور ندرت، اصحاب علم وفضل کیلئے جاذب نظر اور خصوصی توجہ کا باعث ہوگی۔ میرے بس میں ہوتا تو اس کتاب کو عربی زبان کا جامہ پہنا دیتا اور غالباً اس طرح اس کی افادیت درجہ کمال کو پہنچ جاتی لیکن یہ کار عظیم تو کوئی رجل عظیم ہی کر سکتا ہے۔ کوئی صاحب نظر اگر اس کتاب کو اس قابل پائیں تو ان کو عربی کے قالب میں ڈھالنے کی اجازت ہے۔ میری تمنا ہے یہ کار خیر میرے برادرزادے پروفیسر حافظ انعام الحق غازی سرانجام دیں وہ اس کے اہل بھی ہیں اور بڑی صلاحیتوں کے مالک۔ کاش میری یہ تمنا ان کے ہاتھوں بر آئے۔ میں

دل کی گہرائیوں سے ان کے علم وفضل اور فضل وکمال میں اعلیٰ مقام کے لئے دعا گو ہوں۔

"مدینہ منورہ کے سات جلیل القدر فقہاء" (الفقہاء السبعہ بالمدینۃ المنورہ) آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اپنی لغزشوں پر رب کریم کے حضور معافی کا خواستگار ہوں اور اس کی بے پایاں رحمت کا امیدوار بھی!

اصحاب علم وفضل، اغلاط اور تسامحات کی نشاندہی فرمائیں۔ کوئی قابل توصیف چیز نظر آئے تو میرے عظیم المرتبت والدین مرحومین اور میرے مربی ومحسن حضرت شیخ التفسیر مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ کے درجات کی بلندی کیلئے دست دعا بلند فرمائیں اور مجھ سیاہ کار کے گناہوں کی معافی کے لئے دعا گو ہوں کہ اس کی بے کنار رحمتوں کے مقابلے میں میرے بے حد وحساب گناہوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

قاری عبدالرحمٰن (راجی رحمۃ المنّان)

۳، ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ، ۱۵ جون ۲۰۰۲ء

کچھ کتاب کے بارے میں

یہ حقیقت ہے کہ اس کتاب کا موضوع بے حد اہم ہونے کے ساتھ غیر معمولی طور پر نازک بھی ہے۔

اس کی اہمیت تو سب پر روشن اور عیاں ہے کیونکہ اس وقت عالم اسلام میں جو کمی محسوس ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے علمی ذخیرہ سے ایسا رشتہ استوار کیا جائے جو اسلامی علوم میں نئی روح پھونک سکے اور اس حقیقت کو ثابت کر سکے کہ اسلامی قانون اور فقہ نہایت وسیع اور ترقی پذیر ہونے کے ساتھ دنیا کے قوانین میں ایک مبدا اور مصدر کی حیثیت رکھتا ہے۔

علامہ اقبال مرحوم نے اسکی ضرورت واہمیت اور اس کے دوررس نتائج کے متعلق بجا طور پر لکھا ہے:

''میرا عقیدہ ہے کہ جو شخص زمانہ حال کے اصول وقوانین پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت ثابت کریگا وہی اسلام کا مجدّد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی ہوگا۔'' (اقبال نامہ ج ۱ صفحہ ۵۰)

اسلام کے فقہی ذخیرے کی وسعت اور اسکی قانونی قدر وقیمت کا اندازہ کرنے کیلئے ''تاریخ التشریع الاسلامی'' کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں کتاب کے مصنفین عبداللطیف السبکی، محمد السائس اور محمد یوسف نے ہالینڈ کے دارالحکومت میں منعقدہ ایک کانفرنس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اگست ۱۹۳۷ء میں ہالینڈ سے الازہر کے صدر کو کانفرنس میں شمولیت کی دعوت ملی کانفرنس کے ایجنڈے میں دو موضوع تھے:

(۱) اسلام کی نظر میں دیوانی وفوجداری ذمّہ داریاں۔

(۲) اسلامی قانون کا رومانی قانون سے تعلق۔

ان دو موضوعات پر اظہار خیال کے لئے مصر سے الشیخ محمود شلتوت اور الشیخ عبدالرحمان تشریف لے گئے۔ پوری بحث وتمحیص کے بعد کانفرنس نے یہ قراردادیں باتفاق آراء منظور کیں:

۱۔ اسلامی قانون کو قانون سازی میں مصدر ومبدا کی حیثیت حاصل ہے۔

۲۔ اسلامی قانون نہ صرف یہ کہ زندگی رکھتا ہے بلکہ نہائت وسیع اور ترقی پذیر ہے۔

۳۔ اسلامی قانون ذاتی حیثیت رکھتا ہے۔ (تاریخ التشریع الاسلامی صفحہ ۳۲۵)

یہ ۱۹۳۷ء کی کہانی تھی جولائی ۱۹۵۱ء میں پیرس یونیورسٹی نے اپنے لاء کالج میں فقہ اسلامی کا ہفتہ منایا۔ مشہور شامی فاضل وماہر قانون مصطفےٰ احمد الزرقاء کی زبانی اس کی داستان شنید کے قابل ہے یہ داستان موصوف نے اپنی کتاب "المدخل الفقہی العام الی الحقوق المدنیہ" کے مقدمہ میں لکھی ہے جس میں انہوں نے پیرس یونیورسٹی کے ہفتہ قانون اسلامی کے اس سیمینار میں مغربی ماہرین قانون کا فقہ اسلامی سے تاثر ونظریہ پیش کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اس کانفرنس کے نمائندوں نے بالا جماع کانفرنس کے اختتام پر ایک تجویز منظور کی کہ اس کانفرنس کے شرکاء ان مباحث کے پیش نظر جو فقہ اسلامی کے سلسلے میں پیش ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

الف۔ اسلامی فقہ کی ایک خاص قانونی ودستوری قدر و قیمت ہے۔

ب۔ اس عظیم قانونی سرمایہ میں فقہی مذاہب کا اختلاف معلومات، مدلولات اور قانونی اصولوں کا بڑا خزانہ ہے جو اعتراف وتحسین کا مستحق ہے۔

ج۔ فقہ اسلامی اس قابل ہے کہ جدید زندگی کی ضروریات کی تکمیل کر سکے۔
(المدخل الفقہی العام صفحہ ج، د ۱۹۵۳ء)

یہ میری خوش بختی ہے کہ وقت کی اس اہم ضرورت پر قلم اٹھانے کی توفیق ارزانی

ہوئی یہ اکابر جن کو تاریخ میں فقہاء سبعہ کہا گیا ہے صحابہ کرامؓ کے بعد اسلامی قانون کی خشت اول ہیں۔ انہوں نے براہ راست ان عظیم ہستیوں سے استفادہ کیا جن کو نبوت کا چہرہ دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔ یہ موضوع اپنے اندر اہمیت کے ساتھ نزاکت کا بھی حامل ہے۔ نزاکت یہ کہ:

جہاں تک میری ناقص معلومات کی دسترس ہے اس موضوع پر اردو ہی میں نہیں بلکہ عربی یا اسی قسم کی دوسری علمی زبانوں میں بھی اس موضوع پر غالباً اب تک کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی گویا یہ بالکل ایک نئی راہ ہے جس پر چلنے کی مجھ جیسے نو آموز کو سعادت حاصل ہوئی۔

موضوع کی اس نزاکت کے پیش نظر شاید میں اس راہ میں ایک قدم بھی نہ اٹھا سکتا اگر مجھے اپنے مربی و مرشد شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد علی الصدیقی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی کا شرف حاصل نہ ہوتا۔ حضرت کاندھلویؒ کی سرپرستی اور رہنمائی پر جس قدر بھی فخر کروں کم ہے۔

جن مسائل اور مباحث کو میں نے اس کتاب میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے یوں تو وہ ساری کتابوں میں موجود ہے لیکن اسلام اور اسلامیات کے سمندر سے ان موتیوں کا چننا اور چن کر اس طریقے سے مرتب کرنا کہ فقہ کی قانونی حیثیت، قیمت اور وسعت کے ساتھ فقہائے سبعہ کے سیاسی اور اجتماعی احوال سامنے آجائیں یہ بظاہر مجھ جیسے کم مایہ، علمی اور قلمی لحاظ سے بے بضاعت شخص کیلئے آسان نہ تھا میں نے اپنی بساط کے مطابق ان ماٰخذ سے استفادہ کی کوشش کی ہے جو خالص اسلام کے مایہ ناز محققین کے ترتیب دادہ ہیں بلکہ اس کا بھی التزام کیا ہے کہ ان کتابوں سے مواد لیا جائے جن کی زبان عربی ہو۔ میں مانتا ہوں کہ اس کتاب کے مواد میں کچھ مستشرقین کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے لیکن ان کی حیثیت دلائل کی نہیں بلکہ دوسرے دلائل سے ثابت شدہ نظریات کیلئے صرف تائید و استشہاد کی ہے۔

کتاب کم و بیش ۱۸۰ عناوین پر مشتمل ہے اور ان کی گود بھرنے کیلئے جن کتابوں سے سرمایہ حاصل کیا گیا ہے ان کی تعداد ۱۲۳ ہے۔

کتاب میں ماٰخذ و مراجع کی فہرست کے ساتھ دو مزید فہرستوں کا اضافہ ہے

ایک مضامین کی اجمالی اور دوسری تفصیلی فہرست۔

بہرحال میں جو کچھ، جیسا کچھ اور جتنا کچھ مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی معلومات کو سمیٹ سکا ہوں وہ ''مدینہ منورہ کے سات جلیل القدر فقہاء'' (الفقہاء السبعة بالمدينة المنوّرہ) کی صورت میں پیش خدمت ہے۔

واللہ الموفق والمعین

قاری عبدالرحمٰن

بیت القاری

صوفی پورہ، شارع مولانا محمد علی کاندھلویؒ،

سیالکوٹ (پاکستان)

فہرست مضامین

الفقهاء السبعة

الا كلّ من لا يقتدی بائمّة
فقسمته ضیزیٰ عن الحقّ خارجه

فخذهم عبیدالله عروةُ قاسمٌ
سعید أبوبکر وسلیمانُ خارجه

قاله محمد ابن یوسف

(الجواہر المضیئہ جلد ثانی صفحہ ۴۲۲)

الفقهاء السبعة

وفي الكبار الفقهاء السبعه
خارجة القاسم ثم عروه
ثم سليمان عبيدالله
سعيد والسابع ذواشتباه
إما ابوسلمة اوسالم
اوفابوبكر خلاف قائم

(الفية العراقی صفحه۱۳۱)

الفقهاء السبعة

وحبّكِ یا أم الصبیّ مدلّهی
شهیدی ابوبکر فنعم شهید
ویعرفُ وجدی قاسمُ بن محمد
وعروة ما القیٰ بکم وسعید
ویعلم ماأخفی سلیمانُ علمه
وخارجةُ یُبدی بنا ویُعید

قاله عبیدالله

(طبقات الفقہاء صفحہ ۳۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہائے سبعہ کون ہیں؟

فقہائے سبعہ پر کچھ بھی لکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ تاریخی طور پر ان کی تعیین کی جائے۔ان میں سے چھ پر علماء کا اتفاق ہے:

سعید ابن المسیّب۔ عروۃ ابن الزّبیر۔ قاسم ابن محمد۔ خارجہ ابن زید۔ عبیداللہ ابن عبداللہ۔ سلیمان ابن یسار۔

ساتویں شخصیت کی تعیین میں علماء کا قدرے اختلاف ہے۔ حافظ عبدالقادر قرشی اور علامہ نووی نے تین شخصیتوں کا ذکر کیا ہے:۔

(الف) ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن ابن عوف

(ب) سالم ابن عبداللہ۔ ان کو عبداللہ ابن المبارک فقہائے سبعہ میں شمار کرتے ہیں۔
(الجواہر المضیہ ج ۲ صفحہ ۲۱)

ج ابوبکر ابن عبدالرحمٰن۔امام ابوالزناد کی رائے میں یہ فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔
(تہذیب الاسماء ج ۲ صفحہ ۱۷۱۔ عمدۃ القاری ج ۱ صفحہ ۳۸)

امام ذہبی نے بھی ان کو ہی "احدالفقہاء السبعہ" لکھا ہے۔(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۵۹) اور حافظ ابن حجر عسقلانی بھی امام ذہبی کے ہم زبان ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۵ ۔ الجواہر المضیہ ج ۲ صفحہ ۱۴۶) اسی رائے کے مطابق محمد بن یوسف شاعر نے ان ساتوں کو ان دو شعروں میں جمع کر دیا ہے:۔ ان کا نام محمد بن یوسف ابن خضر حلبی

ہے ان کا عرف ابن ابیض ہے تاریخ ولادت ۵٦۰ ھ وفات ٦١۴ ھ ہے۔

الا کل من لا یقتدی بائمة فقسمته ضیزی عن الحق خارجه

فخلهم عبیدالله عروة قاسم سعید ابوبکر و سلیمان خارجه

(الجواہر المضیہ ج ۲ صفحہ ۴۲۲، وفیات الاعیان)

ابن العماد حنبلی نے ان کو ہی قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ (شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۱۴)

حافظ ابن حزم اندلسی نے ان ہی اکابر کو ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے ساتھ فقہائے سبعہ بتایا ہے فرماتے ہیں۔

وھولاء ھم الفقهاء السبعة المشهورون فی المدینة۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ج ۵ صفحہ ۲٦۸)

حافظ ابن القیم نے مدینہ کے مفتیوں کے تذکرے میں ان اکابر کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ھؤلاء ھم الفقهاء۔

مذکورہ اشعار کو ابن القیم نے بھی تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ پیش کیا ہے:۔

اذا قیل من فی العلم سبعة ابحر روایتهم لیست عن العلم خارجه.

فقل ھم عبید الله عروة قاسم سعید ابوبکر سلیمان خارجه

(اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۹)

عمر بن عبدالعزیز کی مشاورتی کونسل

فقہائے سبعہ کے نام پر تو شہرت کا شرف تاریخ میں ان ہی اکابر کو حاصل ہے لیکن مورخین میں سے ابوالفداء نے ان کی تعداد دس بتائی ہے۔ جرجی زیدان مورخ ابوالفداء کے حوالے سے رقمطراز ہے: وبعض المؤرخین یجعلهم عشرة. (ابوالفداء ج ۱ صفحہ ۲۰۹ بحوالہ تاریخ الفقہ العربیہ ج ۱ صفحہ ۹۰)

لیکن یہ محض اختلاط ہے اور شاید ہی اسی اختلاط والتباس کی وجہ، جیسا کہ ابوحنیفہ دینوری نے تصریح کی ہے یہ ہو کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ گورنری میں مروان نے جن حضرات پر مشتمل مشاورتی کونسل بنائی تھی اس کے ارکین کی تعداد دس تھی اور اس مشاورتی کونسل میں ان فقہاء میں چھ کو رکن بنایا گیا تھا۔ (الاخبار الطوال صفحہ ۳۳٦) حافظ ابن کثیر

نے اس مشاورتی کونسل کے ارکان کے نام یہ بتائے ہیں:

عروۃ ابن زبیر۔ عبیداللہ ابن عبداللہ۔ ابوبکر ابن عبدالرحمٰن۔ ابوبکر ابن سلیمان۔ سلیمان ابن یسار۔ قاسم ابن محمد۔ سالم ابن عبداللہ۔ عبیداللہ ابن عمر۔ عبیداللہ ابن عامر۔ خارجہ ابن زید۔ یہ ان کی مشاورتی کونسل تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۷)

ان کا کام پیش پا افتادہ معاملات میں مشورہ دینا اور شہریوں کی پیدا شدہ شکایات کو گورنر تک پہنچانا تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ان سے کہا تھا:

انی لاارید ان اقطع امرہ برئیکم الا بہ ایاکم

اس قسم کی کونسلیں تاریخ کے مختلف ادوار میں بنتی رہی ہیں۔ ہمیں ان سے بحث نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ تاریخ میں فقہاء کے نام سے جو اکابر مشہور ہوئے ہیں اور جن کو فقہائے سبعہ کہا گیا ہے وہ کون کون ہیں؟ اس موضوع پر سب سے بڑی شہادت عبیداللہ ابن عبداللہ کی ہے اور فقہائے سبعہ میں سے ہونے کی وجہ سے گھر کی شہادت کے درجے میں ہے۔ حافظ ابواسحاق شیرازی نے ان کے چند اشعار نقل کئے ہیں جن میں انہوں نے اپنے دور کے چھ فقہاء کا تذکرہ کیا ہے۔ ساتویں وہ خود ہیں.

احبک حبا لا یحبک مثله — قریب ولا فی العاشقین بعید
وحبک یا ام الصبی مد لهی — شهیدی ابوبکر فنعم شهید
ویعرف وجدی قاسم بن محمد — وعروة ما القی بکم وسعید
ویعلم ما اخفی سلیمان علمه — و خارجه یبدی بنا ویعید
متی تسالی عما اقول تبحرّی — فلله عندی طارق وتلید.

(طبقات الفقہاء صفحہ ۴۰)

ابن العماد نے یہ اشعار لکھنے کے بعد ان پر یہ نوٹ لکھا ہے کہ یہی لوگ جن کو عبیداللہ نے شاہد کے طور پر پیش کیا ہے عبیداللہ سمیت فقہائے سبعہ مدینہ ہیں۔

(شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۱۴)

نیز ابن العماد حنبلی نے ہی ان اکابر کے فقہائے سبعہ لکھنے کی یہ وجہ قلم بند کی ہے کہ:

"یہ فقہائے سبعہ ہیں کیونکہ یہ سب ایک ہی دور میں مدینہ میں ہوئے ہیں ان کے ذریعے علم وفتویٰ کی بیش از بیش نشر و اشاعت ہوئی ہے حالانکہ ان ہی کے زمانے میں دوسرے فقہائے تابعین بھی موجود تھے لیکن ان کا علم کی اشاعت میں وہ حصہ نہیں جو فقہائے سبعہ کا ہے"۔ (شذرات ج ۱ صفحہ ۱۰۴)

حافظ سخاوی نے ان ہی سات کے بارے میں عبداللہ ابن المبارک کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ جب کوئی مسئلہ آتا یہ سب ایک ساتھ مل کر اس پر غور کرتے اور جب تک وہ ان کے سامنے پیش ہو کر طے نہ ہو جاتا عدالت اس کی بابت کوئی فیصلہ صادر نہ کرتی۔ (فتح المغیث صفحہ ۳۹۹)

امام حاکم نے اگرچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے تغیر کے ساتھ ان ہی کو فقہائے سبعہ قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

اما الفقهاء السبعة من اهل المدينه فسعيد بن المسيب والقاسم بن محمد وعروة ابن الزبير وخارجه ابن زيد وابو سلمه ابن عبدالرحمن وعبيدالله بن عبدالله وسليمان بن يسار فهؤلاء الفقهاء السبعة عندالا كثر من علماء الحجاز.

(معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۴۳)

لیکن امام حاکم ہی نے امام ابوالزناد عبداللہ ابن ذکوان کے حوالے سے جو بیان نقل کیا ہے۔ اس میں ابوسلمہ کی جگہ ابوبکر ہی کی تصریح کی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

ادركت من فقهائنا الذين ينتهى الى قولهم سعيد ابن المسيب وعروة ابن الزبير والقاسم بن محمد واابابكر بن عبدالرحمن وخارجه ابن زيد وعبيدالله ابن عبدالله وسليمان بن يسار هم اهل فقه وصلاح (معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۴۳)

علامہ عبدالقاہر بغدادی نے بھی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "اصول الدین" میں ان اکابر ہی کو فقہائے سبعہ قرار دیا ہے۔ (اصول الدین صفحہ ۳۱۴)

فقہ کیا ہے؟

فقہائے سبعہ کا موثر اور کامل چہرہ اور فنی کمالات پر تبصرہ ادھورا رہے گا اگر ہم یہاں تاریخ کی روشنی میں فقہ کی اہمیت ، فقہ کی تاریخ، اسلام میں فقہ کا مقام اور فقہ کے مدارس نہ بتائیں ۔

فقہ کے لغوی معنے

لفظ فقہ لغت میں علم وفہم کا مترادف بتایا جاتا ہے لیکن امام راغب اصفہانی نے فقہ کو علم کے مقابلے میں خاص قرار دیا ہے ان کی رائے میں فقہ "التوسل الی علم غائب بعلم شاہد" کا نام ہے اور یہ بھی ان کا فیصلہ ہے "فھو اخص من العلم" (المفردات فی غریب القرآن صفحہ ۳۹۱)

زمخشری نے فقہ کے معنی پھاڑنے اور کھولنے کے بتائے ہیں اور فقیہہ کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے۔

"الفقیہ العالم الذی یشق الاحکام ویفتش عن حقائقھا ویفتح ما استغلق منھا"

کتاب الفائق ج ۲ صفحہ ۸۲) علامہ محمد علاء الدین نے فقہ کے معنے "علم بالشئی" (درمختار ج ۱ صفحہ ۸) اور ابن نجیم نے اسے فہم کا ہم معنی بتایا ہے۔ (البحرالرائق ج ۱ صفحہ ۲۷) علامہ سعید شرتونی نے دونوں کو یک جا کر کے فقہ کے لغوی معنے میں یہ ندرت پیدا کردی ہے:

"الفقہ العلم بالشئی و الفھم لہ و الفطنۃ و الحذق" (اقرب الموارد ج ۲ صفحہ ۸۶)

اسی لئے لفظ فقہ عربی زبان میں وہی مفہوم رکھتا ہے جو ہم اردو میں جاننا، سمجھنا، تاڑنا اور تہہ کو پہنچ جانا سے مراد لیتے ہیں۔ مجد الدین فیروز آبادی اور طاہر الفتنی کا میلان بھی قریب قریب اسی طرف ہے۔ (قاموس ج ۲ صفحہ ۸۱، مجمع البحار صفحہ ۵۳)

فقہ کے اصطلاحی معنے

اصطلاحی زبان میں شہری زندگی سے متعلق شہریوں کی روز مرہ پیش پا افتادہ آئینی ذمہ داریوں کو فقہ کہتے ہیں۔ غزالی نے اسے اس طرح تعبیر کیا ہے:

"الفقہ بعلم الاحکام الشرعیۃ الثابتۃ لافعال المکلفین" (المستصفیٰ صفحہ ۳)

لیکن غزالی ہی نے اپنی دوسری تصنیف میں یہ کہہ کر "الفقہ ھو معرفۃ القانون" (احیاء العلوم ج ۳ صفحہ ۱۹۶) فقہ اور قانون کے درمیان ایک عقلی رابطہ قائم کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ فقہ کا تعلق معاملات میں حدود الٰہی اور امور سیاسی دونوں سے ہے۔ مشہور فاضل ملا

احمد عبدالنبی احمد نگری نے یہ کہہ کر کہ:

"ان احکام کا علم جن کا سرچشمہ نقلی دلائل ہیں اور جن کا تعلق روزمرہ کی زندگی سے ہو۔"

فقہ کے اصطلاحی معنے میں ایک خوبی پیدا کردی ہے۔ (دستور العلماء ج ۳ صفحہ ۳۹)

ابن عابدین شامی نے بھی یہی نظریہ پیش کیا ہے۔ ابن نجیم کی تصریح ہے:

"فقہ قوانین و احکام کے اس ادراک کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دلائل ہوں۔"

(البحرالرائق ج ا صفحہ ۳)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ فقہ کے جو اصطلاحی معنے بتائے گئے ہیں یہ فقہائے سبعہ کے زمانے کے بعد کی پیداوار ہے۔ ان کے زمانے میں فقہ بڑے وسیع معنے میں استعمال ہوتا تھا۔ صرف عبادات، معاملات اور زندگی کے شخصی احوال جاننے کا نام ان کے زمانے میں فقہ نہ تھا بلکہ فقہ کا دائرہ اسلام سے متعلق سب کوائف پر مشتمل تھا۔ یہ سیرت و تاریخ ہو یا عقائد و نظریات ہوں، اخلاق و مواعظ ہوں یا روزمرہ کی زندگی سے متعلق احکام و معاملات ہوں سب کو فقہ بولتے تھے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ:۔

"فقہ نام ہے طریق آخرت جاننے، دقائق نفوس، مفسدات اعمال سے باخبر ہونے، نگاہوں میں دنیا کی حقارت جچ جانے اور آخرت کی طرف سراپا متوجہ ہوجانے کا" (احیاء العلوم ج ا صفحہ ۳۱)

اس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ اس دور میں کسی کو فقیہہ کہنے کا مقصد صرف یہ بتانا نہیں ہوتا تھا کہ یہ شخص عبادات و معاملات کی حد تک احکام شرعیہ سے واقف ہے بلکہ یہ بھی بتانا مقصود ہوتا تھا کہ فقیہہ مجتہد ہونے کے ساتھ اعلیٰ مفسر قرآن، اول درجہ کا محدث، بہترین متکلم، کامل ترین صوفی اور ایک ماہر مورخ بھی ہے۔ عبادات و معاملات میں خصوصی دراست کے ساتھ اسرار نفوس سے بھی واقف ہے۔

دراصل یہ مسئلہ اختلاف عصر و زمان کا مسئلہ ہے اسی لئے مختلف علماء نے ہر دور میں اپنے اپنے مذاق کے مطابق فقہ کی تعریف کی ہے۔

حارث ابن یعقوب کہتے ہیں:

" ان الفقیه کل الفقیه من فقه فی القرآن وعرف مکیدۃ الشیطٰن"
(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ج ۲ صفحہ ۴۷)

قتادہ ابن دعامہ فرماتے ہیں:

" من لم یعرف الاختلاف لم یشم بانفه الفقه " (ایضاً)

ہشام ابن عبداللہ الرازی کا بیان ہے:

" من لم یعرف اختلاف الفقهاء فلیس بفقیه " (ایضاً)

حضور اقدس ﷺ کے صحابی حضرت ابوالدرداءؓ کا ارشادی گرامی ہے:

" لن تفقه کل الفقه حتی تری للقرآن وجوها کثیرۃ (ایضاً)

امام غزالی نے حسن بصری سے فقیہہ پر یہ تبصرہ نقل کیا ہے:۔

" انماالفقیه الزاهد فی الدنیا الراغب فی الاخرۃ البصیر بدینه المداوم علیٰ عبادۃ ربه الورع الکاف نفسه من اغراض المسلمین العفیف عن اموالهم الناصح لجماعتهم"
(احیاء العلوم ج ۱ صفحہ ۲۹)

اس کے بعد امام غزالی نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان تصریحات کا یہ مدعا نہیں ہے کہ لفظ فقہ صدر اول میں علم احکام کے معنے میں نہ بولا جاتا تھا بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ:

" کان بطریق العموم والشمول او بطریق الاستتباع" شاید فقہ کی اسی ہمہ رسی کے پیش نظر امام اعظم ابوحنیفہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

" معرفة النفس مالها وما علیها"

الشیخ محمد اعلیٰ التھانوی نے اس تعریف کی جامعیت پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے فرماتے ہیں:۔"اعتقادیات سے متعلق مالھا و ما علیھا کی معرفت کا نام علم کلام ہے۔ وجدانیات سے متعلق مالھا و ماعلیھا کا نام علم تصوف و اخلاق ہے اور عملیات کے مالھا و ما علیھا کا نام اصطلاحی فقہ ہے"۔(کشاف اصطلاحات الفنون صفحہ ۲۸)

"مالھا و ماعلیھا" کا شاید مقصود یہ ہے کہ جو چیزیں انسان کے لئے آخرت میں نفع بخش اور نقصان دہ ہیں انسان کو ان کی خبر ہونی چاہئے عربی زبان میں "لام" انتفاع اور "علی" نقصان کے معنے دیتا ہے۔ آخرت کی قید کا اضافہ اس لئے ہے کہ دنیا میں لذتوں اور تکلیفوں سے

متعلق باتوں کی معرفت کا نام فقہ نہیں ہے اور اسی قید کے ذریعے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم الفقہ علوم دینیہ سے تعلق رکھتا ہے ضروری فائدے اور نقصان سے مراد اگر ثواب وعقاب ہے تو پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ ہر شہری جو کچھ کرتا ہے وہ چھ صورتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ واجب، مندوب، مباح' مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور حرام۔ ان میں سے ہر ایک کی دو طرف ہیں فعلی اور ترکی۔ اسطرح کل بارہ قسمیں ہوتی ہیں۔ واجب کے کرنے پر ثواب اور حرام کے ارتکاب پر عقاب ہوتا ہے۔

اگر مالھا و ما علیھا سے مقصود یہ ہے کہ انسان کے لئے کن کاموں کا کرنا جائز ہے اور کن کا واجب۔ اس صورت میں حرام اور مکروہ تحریمی کے ماسوا کا کرنا اور واجب کے سوا کا چھوڑنا جائز اور واجب کی ادائیگی اور ترک حرام ومکروہ واجب ہوگا۔

اگر مالھا و ما علیھا سے مراد ما یجوزلھا و ما یحرم علیھا ہو تو یہ دو لفظ تمام اقسام کو محیط ہوں گے۔

فقہی سرمایہ

فقہ خود قانون کا نام ہے اور جن بنیادوں پر اس قانون کی تشکیل ہوتی ہے ان میں اساسی حیثیت صرف قرآن کو حاصل ہے سنت کا مقام قرآن کے بعد ہے۔ شاطبی لکھتے ہیں:

"رتبة السنة التاخر عن الكتاب في الاعتبار" (الموافقات ج۴ صفحہ ۷)

ہم یہاں اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ اسلام میں فقہ کے قوانین کے منابع و مصادر کیا ہیں بلکہ بتانا یہ چاہتے ہیں کہ جن دو چیزوں کو فقہ کی اساس تسلیم کیا گیا ہے ان میں فقہی سرمایہ کس قدر ہے۔

قرآن میں فقہی سرمایہ

قرآن کریم دوسری کتابوں کی طرح صرف عقائد کی مقدس کتاب نہیں ہے بلکہ اس میں عقیدہ کے ساتھ شہری زندگی کے ضوابط ہیں یعنی قرآن کریم جیسے خدا شناسی اور آداب عبدیت پر حاوی ہے ایسے ہی جہانبانی کے ایک ایک نکتے اور شوشے کیلئے مکمل آئین ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصریح ہے:۔

" قرآن پاک میں صرف حلال وحرام کے مسائل نہیں بلکہ معاملات، معاشیات
و سیاسیات وتمدن کے احکام بھی ہیں جن کا مقصد تمام انسانوں قوموں اور طبقوں کو متمدن
بنانا ہے اور جن کا تعلق پوری نسل انسانی سے ہے" (الفوز الکبیر صفحہ۴)

لیکن اس کے ساتھ قرآن حکیم اپنے اندر ایک شان جامعیت رکھتا ہے اس کی
جامعیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اصول کی تشریح، اس کی دفعات کی تفصیل اور اس کے
اشارات کی تفہیم کی جائے۔ شاطبی رقمطراز ہیں:۔

"القرآن علی اختصارہ جامع ولا یکون جامعا الا والمجموع فیہ امور کلیات"
(الموافقات ج ۳ صفحہ ۲٦۷)

قرآن کی اسی جامعیت کی وجہ سے حافظ ابن حزم اندلسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ:

"کل ابواب الفقہ لیس منہا الا ولہ اصل فی القرآن" (الموافقات ج ۳ صفحہ ۳۷۱)

قرآن کے اگر تمام ابواب فقہ کا استیعاب کیا جائے تو بقول پروفیسر عبدالوہاب
خلاف اس کو اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے:۔

"فی العبادات بانواعھا نحو مائۃ واربعین ایۃ وفی الاحوال الشخصیۃ من زواج
وطلاق وارث ووصیۃ وحجر وغیر ذالک نحو سبعین ایۃ وفی المجموعۃ
المدنیۃ من بیع واجارۃ وشرکۃ وتجارۃ ومداینۃ وغیرھا نحو سبعین ایۃ وفی
المجموعۃ الجنائیۃ من عقوبات وتحقیق جنایات نحو ثلاثین ایۃ وفی القضاء
والشھادۃ وما یتعلق بھا نحو عشرین ایۃ"
(علم اصول الفقہ وخلاصۃ التشریع صفحہ ۳۹۳ وصفحہ ۳۹۴)

فقہ قرآن پر کتابیں

فقہ قرآن کو خاص موضوع بنا کر علماء نے کچھ قلمی خدمات بھی انجام دی ہیں اس
قیمتی ذخیرہ میں چند شاندار کتابیں یہ ہیں:

۱۔	احکام القرآن	لامام الشافعی مرتبہ امام بیہقی
۲۔	احکام القرآن	ابوبکر الجصاص الرازی
۳۔	احکام القرآن	ابوبکر ابن العربی

سنت کا فقہی سرمایہ

سنت ، قرآنی ضوابط کی نبوی تشریح ،تفصیل اور عملی تشکیل کا نام ہے ۔قرآن کریم اصل ہے اور سنت اس کی فرع ہے ۔ الشاطبی لکھتے ہیں :

" لیس فی السنة واصله فی القرآن " (الموافقات ج ۴ صفحہ ۱)

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں :

" وکان السنة بمنزلة التفسیر للقرآن والشرح لمعانی الکتاب "
(الموافقات ج ۴ صفحہ)

اگر چہ احادیث صحیحہ کے متون کی تعداد کے بارے میں امام ابو جعفر محمد بن حسین بغدادی نے " کتاب التمییز " میں امام سفیان ثوری ، امام شعبہ ، امام یحیٰی القطان ، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد جیسے مشہور محدثین کا فیصلہ یہ بتایا ہے کہ :۔

" ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی ﷺ یعنی الصحیحه بلا تکرار اربعة الاف واربع مائة حدیث " (توضیح الافکار)

لیکن ان میں احادیث فقہ کی تعداد امام یحیٰی ابن سعید القطان ، امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے صرف آٹھ سو بتائی ہے اور مشہور فقیہہ عبداللہ ابن المبارک نے نو سو ، اور امام حنیفہ کے نامور شاگرد قاضی ابو یوسف نے گیارہ سو بتائی ہے ۔(الرسالہ لابی داؤد صفحہ ۵ و صفحہ ۶)

ظاہر ہے کہ قاضی ابو یوسف چونکہ فقہ و اجتہاد کے امام ہیں اس لئے اس بارے میں ان ہی کی تصریح زیادہ قابل قبول ہے ۔محدثین اگر چہ بہت ہیں مگر خالص فقہی نقطہ نظر سے صحاح ستہ کے مولفین میں سے حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا شرف امام ابو داؤد کو حاصل ہے ۔

امام بخاری نے بھی فقہ کے بے شمار ذخیرہ کو اپنی کتاب میں پھیلا دیا ہے اور کمال یہ کیا ہے کہ اس کے مناسب آثار صحابہ اور احادیث مرفوعہ بھی پیش کی ہیں تا کہ حدیث و فقہ کا باہمی ربط معلوم ہو جائے اور پھر ہر باب میں فقہی مناسبت کی وجہ سے قرآنی آیات کا بھی حوالہ دیا ہے تا کہ فقہ کے تمام ابواب قرآن میں اجمالاً نظر آ جائیں اور ان کے مناسب

احادیث دیکھ کر قرآن کی جامعیت کا پورا مشاہدہ ہو جائے لیکن امام ابو داؤد پر دیگر مصنفین کے مقابلے میں چونکہ فقہی ذوق زیادہ غالب تھا اس لئے انہوں نے پوری کتاب کی ترتیب میں فقہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ امام ابوداؤد کی خود تصریح ہے:

''میں نے کتاب السنن میں صرف فقہی احکام جمع کئے ہیں اخلاقی مسائل کیلئے میں نے یہ کتاب تصنیف نہیں کی''۔ (رسالہ ابی داؤد)

اس لئے صحاح ستہ کے مؤلفین میں ابوداؤد ہی ایک بزرگ ہیں جن کو علامہ ابواسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں جگہ دی ہے اور امام موصوف کے اس فقہی ذوق کا یہ نتیجہ ہے کہ تمام کتب صحاح میں یہ کتاب احادیث فقہ کے لئے مخصوص ہوگئی۔ چنانچہ امام جعفر ابن زبیر غرناطی صحاح ستہ کی خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

'' ولابی داؤد فی حصر هذه الاحکام واستیعابها مالیس فی غیره''

(تدریب الراوی صفحہ ۳۶)

سنن ابی داؤد کی اسی افادیت کے پیش نظر علامہ سخاوی نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ:۔

''علم حدیث میں یہی ایک کتاب مجتہد کیلئے کافی ہے''۔ (فتح المغیث صفحہ ۲۸)

فقہ اور اس کی تاریخ

علمی حیثیت سے کتاب وسنت اگر دلائل ہیں تو فقہ ان دلائل سے پیدا شدہ نتائج کا نام ہے۔ زمانہ نبوت میں خود ذات نبوتؐ فقہ وفتویٰ کا مرکز تھی۔ آپؐ کے بعد اکابر صحابہؓ شریعت کے راز داں اور احکام اسلامی کے محرم تھے۔ فقہ وفتاویٰ میں آپؐ کے جانشین تھے۔ ابن القیم نے امام مزنی سے نقل کیا ہے:۔

الفقهاء من عصر الرسول الی یومنا هذا استعملوا المقاییس فی الفقه فی جمیع الاحکام فی امر بینهم واجمعو علیٰ ان نظیر الحق حق ونظیر الباطل باطل۔

(اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۱۷۷)

ایک دوسرے موقعہ پر رقمطراز ہیں:

صحابہ کرامؓ احکام میں قیاس سے کام لیتے تھے اور زندگی میں مختلف قوانین کو امثال واشباہ اور نظائر کی مدد سے معلوم کرتے تھے۔ یہ خواہ کتنے ہی متعدد ہوں اور ان کے وجوہ وطرق میں خواہ کیسا ہی اختلاف ہو مگر حق یہ ہے کہ اس کے ثبوت کی حد تک دامن شک وشبہ سے غبار آلود نہیں یہ تواتر معنوی سے ثابت ہوا ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۱۸۵)

ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں اور ابن القیم نے اعلام میں فقہ کی پوری تاریخ لکھی ہے۔ مشہور جرمن عالم بروکلمان نے لکھا ہے:

"آغاز اسلام میں فقہ کا دائرہ قرآن وسنت تک محدود تھا۔ اسلام کا دامن جزیرہ عرب سے باہر پھیلا اور مختلف ممالک نے مشرق ومغرب میں اسلامی اقتدار تسلیم کیا تو حالات وضروریات زندگی کیلئے کتاب وسنت ناکافی ہوئے۔ علماء نے زندگی کے اس مرحلہ پر ان مشکلات پر قابو پانے کیلئے اجتہاد شروع کیا اس طرح اسلام میں فقہ کا ظہور ہوا یعنی اس عقلی تصرف وعمل نے جو معاشرہ میں علمی وعملی زندگی کیلئے مختلف فیصلے قیاس اور احکام کے ذریعے معلوم کئے ان کا نام فقہ وتشریع ہو گیا"۔ (تاریخ الادب العربی ج ۳ صفحہ ۲۲۲)

استاد ایڈرووڈ رقمطراز ہے:۔

"اسلام میں فتوحات ہونے اور بلاد مفتوحہ کے باشندوں سے سابقہ پڑنے کی وجہ سے مسلمانوں کو قرآن وسنت کے بارے میں یہ احساس ہو گیا کہ یہ زندگی کے مختلف اطوار میں تفصیل کی حد تک ناکافی ہیں۔ اس احساس سے ڈر کر مسلمانوں نے احکام فقیہہ کیلئے اجتہاد کا دروازہ کھولا اور یہیں سے فقہ اور تشریع نے ایک مستقل صورت اختیار کر لی"۔

(تاریخ الفقہ الاسلامی صفحہ ۲۶)

گولڈزیہر کی رائے ہے:۔

"فقہ واجتہاد پر اسلام کے شروع سے ہی کام شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اس دور کی علمی حیثیت کچھ نمایاں نہ تھی۔ (العقیدۃ والشریعۃ بحوالہ تاریخ الفقہ صفحہ ۲۸)

علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"فقہاء کی رائے میں یہ بھی ضروری ہے کہ تمام مسائل دینی اور دنیوی میں نبوت کے مقصد اور پیش نہاد کو معلوم کیا جائے اور یہ معلوم کر کے اس کو دوسرے مسائل کیلئے نظیر کے

طور پر استعمال کیا جائے اس کا بہترین مصدر صحابہ کرامؓ ہیں یعنی وہ لوگ جن کو نبوتؐ کی صحبت میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے جنہوں نے بالمشافہ آپ سے احکام سنے اور آپ کو عمل کرتے دیکھا آدمی جتنا ان صحابہؓ سے قریب ہے اتنا ہی ان کی حدیثوں اور ان کے اعمال زندگی سے فقہی احکام مستنبط کرنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے"۔

(العقیدۃ والشریعۃ صفحہ ۴۰)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کی تاریخ ذات نبوتؐ اور صحابہؓ سے وابستہ ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خود جناب رسول اللہ ﷺ نے ہی صحابہ کرام کو استخراج و استنباط کا تشریع اور فقاہت کا ضابطہ بتایا تھا۔ ابن عبدالبر اور شہرستانی رقمطراز ہیں:

"حضور انور ﷺ نے معاذ کو یمن روانہ کیا تو فرمایا کہ پیش پا افتادہ مسائل کا حل کیسے کرو گے؟ معاذ نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب سے تلاش کروں گا۔ فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو کیا کرو گے؟ بولے آنحضور ﷺ کی سنت کے ذریعے کروں گا۔ فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ملے تو کیا کرو گے؟ بولے کہ اجتہاد کروں گا"۔ (جامع بیان العلم صفحہ ۵۶)

اس میں حضور اکرم ﷺ نے دلائل کی حیثیت سے کتاب اللہ اور سنت اور قیاس کی تصریح فرمائی ہے اور معاذ سے جواب سننے کے بعد فرمایا:۔

"اس اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے اپنے نبیؐ کے داعی کو مرضی رسولؐ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی"۔

فاروق اعظمؓ نے شریح قاضی کو منشور قضا روانہ کیا تھا اس میں اجماع کا بھی تذکرہ ہے فرماتے ہیں:۔

"جب تمہارے پاس کوئی معاملہ آئے تو قرآن کے ذریعے فیصلہ کرنا۔ قرآن میں نہ ملے تو سنت رسول ﷺ کے ذریعے، اگر ان دونوں میں نہ ملے تو "فاقض بما اجمع علیہ الناس" تو پھر صحابہ کے اجماع کے ذریعے فیصلہ کرنا، اگر کتاب اللہ سنت رسول ﷺ اور اجماع میں بھی نہ ملے تو جی چاہے قیاس و اجتہاد سے کام لینا اور جی چاہے تو نہ کرنا"۔

(الملل والنحل ج ۱ صفحہ ۵۶)

یہ صحیح ہے کہ سارے صحابہ فقہاء نہ تھے بلکہ زمانہ نبوت ہی سے ایک خاص طبقہ فقہاء پر مشتمل تھا اور ان میں بھی از روئے فقاہت مکوین اور مقلین کی تقسیم تھی۔ حضور انور

ﷺ کے صحابہؓ میں جن سے فتاویٰ منقول ہو کر آئے ہیں کم و بیش ایک سو تیس سے زیادہ مرد وزن ہیں۔

ابن القیم لکھتے ہیں:۔

" تابعین میں سے مدینہ میں فتویٰ کے منصب پر یہ بزرگ فائز تھے سعید ابن المسیب، عروۃ ابن الزبیر، القاسم بن محمد، خارجہ ابن زید، ابوبکر ابن عبدالرحمٰن، سلیمان بن یسار، عبیداللہ ابن عبداللہ ــــ یہی فقہائے سبعہ ہیں"۔ (اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۹)

حافظ ابن حزم نے مدینہ کے ان فقہاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

" مدنیہ میں فقہاء میں سعید ابن المسیّب ہیں ان کی شادی ابوہریرہؓ کی بیٹی سے ہوئی۔ ابوہریرہؓ سے انہوں نے علم حاصل کیا اور ساتھ ہی سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی استفادہ کیا۔ دوسرے عروۃ ابن الزبیر بن العوام۔ تیسرے القاسم بن محمد یہ دونوں حضرت عائشہؓ کے تلامذہ خاص میں سے ہیں۔ چوتھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، یہ ابن عباسؓ کے خاص شاگرد ہیں۔ پانچویں خارجہ ابن زید انہوں نے اپنے والد زید ابن ثابتؓ سے استفادہ کیا۔ چھٹے ابوبکر بن عبدالرحمٰن ساتویں سلیمان بن یسار، یہ عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے خاص شاگرد ہیں۔ یہی لوگ فقہائے سبعہ کے نام سے مدینہ منورہ میں مشہور ہیں"۔ (احکام الاحکام)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے فقہ کی تاریخ پر مختصر تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

علم الفقہ اور فتاویٰ کا دارومدار خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں فاروق اعظمؓ کی ذات گرامی تھی پھر فقہائے صحابہ عائشہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ وغیرہ اس دائرہ علمیہ کے مرکز تھے۔ صحابہؓ کے اس عمل جلیل کی ذمہ داری کا بار فقہائے سبعہ کے کاندھوں پر تھا ان کے بعد ان کے تلامذہ نے اس دائرہ علمی میں کام کیا جیسے زہری، یحیٰ ابن سعید الانصاری، زید ابن اسلم وغیرہ۔ ان سب کی علمی وراثت امام مالک کو ملی انہوں نے ان کی حدیثوں اور فتاویٰ کو سینوں سے نکال کر صحیفوں میں جمع و مدون کیا"۔ (المسویٰ صفحہ ۱۸)

یہ زمانہ فقہائے سبعہ تک فقہ کی مختصر تاریخ ہے اس آئینے میں فقہائے سبعہ کا فقیہانہ چہرہ پوری صفائی کے ساتھ نظر آتا ہے۔

فقہائے سبعہ کے زمانے میں مدارس فقہ

یہ مدنی اکادمی ہے لیکن اس کے ساتھ دوسرے شہروں میں بھی یہی اکادمی قائم ہوئی۔ مکہ مکرمہ جہاں سے وحی و نبوت کا آغاز ہوا اور حضور ﷺ نے پہلے نبوت کے تیرہ سال گزارے پہلی اور دوسری صدی کے آغاز میں یہ بھی دار العلم تھا۔ الذہبی لکھتے ہیں:۔

"عہد صحابہؓ میں یہاں علم کم تھا پھر صحابہؓ کے آخری دور میں یہاں کثرت ہوئی۔ عہد تابعین میں مجاہد، عطاء اور ابن ابی ملیکہ ہوئے" (الاعلان بالتوبیخ صفحہ ۱۳۶)

مکے کی یہ علمی اکادمی عکرمہ، عطاء اور مجاہد کے دم سے قائم تھی......

کوفہ

یہ وہ عظیم الشان شہر ہے جو عہد مرتضوی سے لے کر بغداد کی تعمیر تک وسعت اور کثرت حدیث و فقہ میں تمام بلاد اسلامیہ میں ممتاز تھا جیسے علامہ نووی نے "دار الفضل والفضلاء" اور مجدالدین فیروز آبادی نے "قبة الاسلام" لکھا ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس شہر کو دار الخلافہ بنایا۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؓ کا علم اور آپ کی فقہ آپ کے زمانہ قیام کوفہ میں ظاہر ہوئی"۔ (منہاج السنہ ج ۴ صفحہ ۱۳۷)

ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں:

"اہل کوفہ حضرت علیؓ کے آنے سے پہلے سعد بن وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ سے علم کا استفادہ کر چکے تھے جن کو حضرت عمرؓ نے کوفہ روانہ کیا تھا نیز کوفہ والوں نے قرآن عبداللہ بن مسعودؓ سے حاصل کیا ہے یہ لوگ مدینہ جا کر حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی علم حاصل کرتے تھے"۔ (منہاج السنہ ج ۴ صفحہ ۱۴۲)

کوفہ کا یہ دائرہ علمیہ جن لوگوں سے قائم تھا ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ علقمہ ابن قیس المتوفی ۶۲ھ ۲۔ مسروق ابن الاجدع ۶۳ھ
۳۔ شریح ابن الحارث ۸۰ھ ۴۔ ابوعمرو عامر الشعبی الہمدانی ۱۱۰ھ
۵۔ حبیب ابن ثابت الکاہلی ۱۱۹ھ ۶۔ سعید ابن جبیر ۹۵ھ

مصر

یہاں تین سو صحابہ کے قدم آئے حافظ السیوطی نے "الدر السحابہ فی من دخل مصر من الصحابہ" میں ان سب کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"مصر ایک عظیم شہر اور وسیع اقلیم ہے اس کو عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح کیا تھا۔ صحابہؓ یہاں آئے تابعین کے زمانے میں یہاں علم کی کثرت ہوئی"۔

(الاعلان بالتوبیخ)

یہ علمی اکادمی عبداللہ بن عمرو کے شاگرد یزید ابن حبیب کے دم سے قائم تھی ان کے مشہور شاگرد لیث ابن سعد ہیں۔

دمشق

خلفائے بنو امیہ کا پایہ تخت ہے حافظ ابن عساکر تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں:

"ملک شام میں دس ہزار صحابہؓ ایسے آئے جن کی آنکھوں نے حضور انور ﷺ کا چہرہ اقدس دیکھا تھا"۔

امام ذہبی لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ نے شام کی طرف قرآن و سنت سکھانے کے لئے معاذ بن جبلؓ اور عبادۃ بن صامتؓ کو روانہ کیا تھا"۔ (الاعلان بالتوبیخ)

اس اکادمی کی سربراہی یہ اکابر کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن ابن غنم ۷۸ھ، ابو ادریس الخولانی ۸۰ھ، مکحول ابو عبداللہ بن مسلم ۱۱۲ھ۔

یہ فقہائے سبعہ کے زمانے میں مختلف شہروں میں علمی مرکز تھے۔

مدینہ میں فقہ کا ارتقاء اور اس کے عوامل

یہ حقیقت ہے کہ صحابہؓ میں سب کے سب اہل فقہ و فتاویٰ نہ تھے اہل علم صحابہ بھی دو حصوں میں منقسم تھے کچھ روایت حدیث کا کام کرتے تھے اور کچھ نے استنباط و تفقہ، تدبّر فی النصوص اور استخراج احکام کو اپنایا تھا۔ ابن القیم نے تصریح کی ہے کہ۔

"علماء صحابہؓ کی دو قسمیں ہیں۔ حفاظ حدیث اور فقہائے اسلام۔ حفاظ کا کام نبوت کی راہ سے آئے ہوئے علمی سرمایہ کو محفوظ رکھنا تھا اور فقہاء کا مشن استنباط احکام اور حلال و حرام کے قواعد منضبط کرنا اور زندگی کے مختلف گوشوں میں لوگوں کی رہنمائی کرنا ہے اس کی بہترین مثال ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ ہیں۔ ابو ہریرہؓ ذخیرہ احادیث کے اگر محافظ ہیں تو ابن عباسؓ فہم قرآن و حدیث اور استنباط میں نابغہ روزگار ہیں۔" (اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۴)

ایک دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں کہ:

''ابن عباسؓ کے استنباط اور فقاہت کا ابو ہریرہؓ سے کوئی مقابلہ نہیں ہے ابو ہریرہؓ بے شک علی الاطلاق امت کے حافظ ہیں لیکن فقہ اور استنباط میں ابن عباسؓ سے ان کو کوئی نسبت نہیں ہے۔'' (الوابل الصیب صفحہ ۱۷۴)

فقہائے صحابہ ان صحابہؓ پر جو حفظ و روائیت میں یگانہ تھے تنقید بھی کرتے تھے حافظ زرکشی نے الاجابہ اور حافظ السیوطی نے ''عین الاصابہ'' میں حضرت عائشہؓ کے ایسے تعقبات کتابی شکل میں جمع کئے ہیں۔ یہ فقہائے صحابہ کا صدقہ ہے کہ دوسرے علوم وفنون کی طرح فقہ میں بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی کی نشانی خود اس میں حرکت کا وجود ہے۔ بروکلمان رقمطراز ہیں:

''مدینہ میں عقلی حرکت اموی دور حکومت کے اوائل میں ہوئی احکام اور تشریع میں اہل مدینہ کا عرف بعض مواقع پر رومیوں کے عمل سے ہم آہنگ تھا اس لئے فقہائے مدینہ نے اس عرف کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا اور فقہائے مدینہ کا مسلک اس موضوع پر یہ تھا کہ وہ کسی بھی عمل کے بارے میں جائز اور نا جائز ہونے کا حکم تلاش کریں اور بس اسی لئے ان فقہاء کے احکام میں تشریع وفقہ کی بہ نسبت اخلاقی مواعظ کی زیادہ جھلک ہے''۔ (تاریخ الادب العربی ج ۳ صفحہ ۲۳۲)

غالباً تشریعی اور فقہی زندگی کے اس ارتقاء کو اخلاقی مواعظ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ صدر اول میں فقاہت کا اطلاق زاہدانہ زندگی پر ہوتا ہے اس لئے زاہد فی الدنیا اور راغب الی لآخرۃ کو فقیہ کہتے تھے۔

الشیخ محمد اعلیٰ تھانوی نے فقہ اور فقیہہ کے بارے میں یہ تصریح کی ہے:

''صدر اول میں فقہ علم آخرت اور اخلاقی دقائق کی معرفت اور حقارت دنیا پر بولا جاتا تھا اور اسی لئے زاہد فی الدنیا کو فقیہ کہتے تھے''۔ (کشاف اصطلاحات الفنون صفحہ ۲۸)

ورنہ اصولی طور پر فقہ کے اس ارتقائی مرحلے کو اخلاقی مواعظ سے تعبیر کرنا تشریع و فقہ سے بے انصافی ہے۔ گولڈ زیہر نے فقہ کے ارتقائی مرحلے کا گول مول لفظوں میں اقرار کیا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے:

''اسلام میں تشریعی اور فقہی زندگی دینی اور دنیوی لحاظ سے قانونی تشکیل چاہتی تھی

قرآنی احکام اپنے اندر اتنی لچک نہ رکھتے تھے کہ نئے حالات کا قانونی طور پر جواب دے سکیں کیونکہ قرآنی احکام کا تعلق عرب کی سادہ زندگی سے تھا"۔ (العقیدہ والشریعۃ صفحہ ۳۹)

یہ بات کہ قرآنی احکام اپنے اندر اتنی لچک نہ رکھتے تھے کہ حالات کا جواب دے سکیں۔ قرآن پاک کے انداز بیان سے بے خبری ہے ورنہ قرآن حکیم کا طالب علم یہ بات جانتا ہے کہ قرآن مجید نے جزئیات زندگی سے بحث نہیں کی ہے بلکہ قرآن پاک نے زندگی کے جو اصول و مبادی بیان کئے ہیں ان کا تعلق پوری انسانی زندگی سے ہے۔ قرآن کریم کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ کلیات پیش کرتا ہے اور تفاصیل و جزئیات اپنے ان مخاطبوں کے سپرد کرتا ہے جن میں استخراج کی قوت و صلاحیت ہے اسی معنے کے اعتبار سے قرآن ایک جامع کتاب ہے۔ امام بخاری نے جامعیت کی یہ تشریح کی ہے:

" ان اللّٰه يجمع الامور الكثيرة التي كانت تكتب في الكتب قبله في الامر الواحد او نحو ذالك" (بخاری ج ۲ صفحہ ۳۸)

الشاطبی رقمطراز ہے:

" القرآن علىٰ اختصاره جامع ولا يكون جامعاً الا والمجموع فيه ايات كليات" (الموافقات ج ۳ صفحہ ۳۷۱)

گولڈ زیہر کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ قرآنی احکام کا تعلق صرف عرب سے ہے کیونکہ قرآن کی ایک سے زیادہ آیات اس بات کی گواہ ہیں کہ حضور انور ﷺ رسالت کا جو منصب لے کر آئے ہیں اس میں عرب اور غیر عرب کی کوئی تقسیم نہیں ہے۔ دراصل حوادث و واقعات خود ہی فقہی ارتقاء کی سب سے بڑی ضمانت ہیں۔ واقعات کا تنوع، نوازل کی بوقلمونی اجتہاد کے لئے میدان ہموار کرتی ہے اور جب تک حوادث و نوازل نت نئے رنگ میں ہوتے رہیں فقہ میں تشریع کا خود بخود ارتقاء ہوتا رہے گا۔ الشہر ستانی لکھتے ہیں:

" ہم کو یہ بات حتماً معلوم ہے کہ حوادث و واقعات بے شمار اور ان گنت ہیں اور یہ بھی ہمیں پتہ ہے کہ ہر حادثہ اور واقعہ کے بارے میں صریح حکم موجود نہیں ہے اور اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ایسی صورت میں جبکہ نصوص گنی چنی اور گنتی کی ہوں اور حوادث و نوازل ان گنت اور بے شمار ہوں تو اجتہاد کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔ ہر حادثہ کیلئے اجتہاد ضروری ہے کیونکہ متناہی غیر متناہی کو کیسے سمیٹ سکتا ہے۔ (الملل والنحل)

غلط فہمی نہ ہو کہ ارتقاء کا یہ عمل فقہ وتشریع میں صرف معاملات کی حد تک ہے ورنہ عبادات زمانہ نبوتؐ سے اب تک ایک ہی منہاج پر قائم ہیں اور قائم رہیں گی قرآن و سنت نے دینی شعائر میں سے ہر شعار کی کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے اس طرح حد بندی کر دی ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ اس موضوع پر فقہاء کے اختلافات قرآن کے مدلول کی تعیین یا حدیث کے مستند ہونے تک ہیں قرآنی آیت کے مفہوم مقرر کرنے میں یا کسی حدیث کے قبول کرنے میں اختلاف ہونا اور بات ہے اور اجتہاد کی گنجائش ہونا اور بات ہے۔ فقہی ارتقاء کا تعلق صرف معاملات اور شہری زندگی سے ہے۔

فقہائے سبعہ کے اصول فقاہت

مدینہ میں فقہ وتشریع کا مدرسہ جن اصولوں پر قائم تھا یا بالفاظ دیگر مدنی فقہاء زندگی کے مختلف گوشوں میں جن بنیادوں پر تشریع کا کام کرتے تھے وہ ان کو خود نبوتؐ سے صحابہؓ کے توسل سے وراثت ملی تھی۔ قرآن و سنت کے ساتھ فقہائے سبعہ کے یہاں صحابہؓ کے قضایا اور فتاویٰ کی حجیت میں کبھی دورائیں نہیں ہوئیں۔ صحابہ کرامؓ چونکہ صحبت نبوتؐ کی وجہ سے قرآنی تشریعات، علل اور مقاصد کے راز داں تھے اس لئے ان کے فتاویٰ اور فیصلے بھی فقہاء سبعہ کے یہاں حجت اور دلیل کا کام دیتے تھے صحابہؓ کے فتاویٰ ہی نے تابعین کے فقہی ملکہ میں پختگی پیدا کی اور صحابہ ہی کے طریق استنباط نے ان کے اجتہاد کی گاڑی چلائی۔

صحابہ کرامؓ سے جو فقہی فتاویٰ منقول تھے ان کی تعداد کافی تھی اور اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ان کو نت نئے حالات سے سابقہ پڑا صحابہؓ کے پیش نظر فقہ و فتاویٰ میں پہلے قرآن تھا۔ پھر وہ احادیث جنہیں رسول اکرم ﷺ سے سنا تھا۔ ان دونوں کی روشنی میں وہ اجتہاد کرتے اور فتویٰ دیتے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ ایک عرصہ تک مسلمانوں کے سربراہ ہونے کی وجہ سے پیش آمدہ سوالات کے جوابات دیتے رہے۔

ابن سعد نے طبقات میں محمد ابن عمر الاسلمی سے نقل کیا ہے:

''عمر ابن الخطابؓ اور علی ابن طالبؓ سے بکثرت فقہ منقول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کے حاکم رہے ان سے سوالات کئے گئے تمام صحابہ امام تھے جن کی اقتداء واجب تھی

جن سے روایت کی جاتی تھی استفادہ کیا جاتا جو فتویٰ دیتے تھے"۔ (طبقات ابن سعد)

علامہ ابو اسحاق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ بغداد کے صدر مدرس تھے فقہاء کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرے میں صحابہؓ اور تابعین کے بہت سے حالات لکھے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ:

" ولولا خوف الاطالة لذكرت من فقهه مايتحير بكل فاضل" (طبقات الفقہاء)

الغرض جیسے صحابہ کے نزدیک قرآن کے ساتھ سنت کا مقام تھا ایسے ہی فقہائے سبعہ کے یہاں قرآن وسنت کے بعد تشریع میں فقہائے صحابہ کے فتاویٰ اور ان کے عدالتی فیصلوں کی حیثیت تھی۔ گولڈ زیہر رقمطراز ہے:

زمانہ صحابہ گزرنے کے بعد تابعین صحابہؓ کی روایات اور ان کے مسائل سے بھی تشریع کا کام لیتے تھے ان روایات ومسائل میں وہ ایک درجے میں ان کی تقلید کرتے تھے اور ان کے یہاں ان کو ایک قسم کا تقدس حاصل تھا"۔ (العقیدہ والشریعۃ صفحہ ۲۴۰)

تعامل وتوارث اور فقہاء سبعہ

دراصل صحابہؓ کے مسائل اور قضایا کو تابعین کے ہاں تعامل وتوارث کی حیثیت حاصل تھی اور اس تعامل کو اس درجہ اپناتے تھے کہ اس کے بعد فقہائے سبعہ ارشاد نبوتؐ کے بارے میں بھی کسی تحقیق و بحث کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ گولڈ زیہر لکھتا ہے:

" تابعین تعامل وتوارث کی موجودگی میں ارشاد نبوتؐ کے متعلق کوئی بحث وتحقیق نہ کرتے"۔ (العقیدہ والشریعۃ صفحہ ۲۴۴)

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ:

" جب حضور انورﷺ سے دو مختلف صورتیں آئیں اور ہمیں معلوم ہو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ وعمرؓ کا عمل کسی ایک پر ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی کہ جس حدیث پر انہوں نے عمل کیا وہی صحیح ہے"۔ (التعلیق المجد نقلا عن الاستذکار لابن عبدالبر علی المؤطا)

خطیب بغدادی نے بھی امام مالک سے نسبت کر کے لکھا ہے فرماتے ہیں:

" اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی تو اس پر رسول اللہﷺ کے بعد حضرات ائمہ ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ضرور عمل کرتے"۔ (تاریخ بغداد ج ۶ صفحہ ۲۲۷)

اور امام ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

"جب حضور انور ﷺ سے دو متضاد خبریں آئیں تو دیکھا جائے گا کہ صحابہؓ نے کس پر عمل کیا"۔ (احکام القرآن ج ا صفحہ ۱۷)

یہ تصریحات بتارہی ہیں کہ تابعین کے یہاں صحابہ کے مسائل اور قضایا کی تشریع میں نہ صرف قانونی حیثیت تھی بلکہ یہ ان کے نزدیک احادیث کی صحت جانچنے اور مختلف روایات میں ترجیح دینے کا ایک خاص معیار تھا اور یہی ان کی تشریع کا وہ اساسی اصول ہے۔ جس سے فقہائے سبعہ بعد میں آنے والے محدثین سے ممتاز ہیں۔ محدثین کی ایک جماعت جو درایت سے زیادہ روایت پر زور دیتی ہے ان کا خیال ہے کہ:

"صحیح سند سے ایک روایت ثابت ہوجانے کے بعد قابل عمل ہے۔"

لیکن تابعین کے زمانے میں فقہائے سبعہ ایسی روایات کو صحابہؓ کے عدم تعامل اور عدم توارث کی بنا پر شاذ قرار دیتے تھے مثلاً حدیث "قُلتین" فقہائے سبعہ کے زمانے میں مشہور نہ تھی بعد میں اس کی تشہیر ہوئی اس لئے فقہائے سبعہ نے اس کو متروک اور شاذ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حدیث قلتین پر یہ نوٹ تحریر فرمایا ہے:

"اس کا مدار عبداللہ اور عبیداللہ ہیں دونوں اگرچہ ثقہ ہیں لیکن ان علماء میں سے نہیں جن پر فتویٰ کا مدار اور جن کو لوگوں کا اعتماد حاصل ہو اس وجہ سے یہ حدیث سعید ابن المسیب (فقہائے سبعہ) کے زمانے میں اور زہری کے زمانے میں نہ مشہور ہوئی"۔

(الانصاف فی بیان سبب الاختلاف صفحہ ۸)

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں:

"یہ سنت واقعی اگر ابن عمر کے پاس ہوتی تو ان کے اصحاب اور اہل مدینہ (فقہائے سبعہ) سب لوگوں سے زیادہ اس کے قائل ہوتے یہی اس حدیث کے شاذ ہونے

یہ حدیث اس طرح ہے اذا کان الماء قلتین لم یحمل خبثا جب پانی دو قلہ ہوتو ناپاک نہیں ہوتا (ابوداؤد) قلۃ بضم قاف وتشدید لام کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں وہ اس سے بڑا مٹکا مراد لیتے ہیں جس میں پانچ سو رطل یعنی سوا چھ من پختہ پانی آئے۔ بعض کہتے ہیں جس میں دو یا زیادہ مشکیں سماسکیں اسی روایت کے بعض طرق میں قلہ کی جمع قلال بھی آئی ہے اور قلال کو قلال ہجر کہا گیا ہے اس کی پوری تفصیل علامہ خطابی نے معالم السنن ج ا صفحہ ۵۷ میں لکھی ہے۔

کی نشانی ہے"۔ (تہذیب السنن ج ا صفحہ ۸۵)

اسی طرح "خیار مجلس" کی حدیث ہے کہ اس پر فقہائے سبعہ نے عمل نہیں کیا اور ایسے ہی "حدیث مصراۃ" کہ اس پر نہ فقہائے سبعہ نے عمل کیا اور نہ امام مالک نے ان سب روایات کو فقہائے سبعہ تعامل و توارث کی روشنی میں جانچتے تھے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: "اتفاق سلف و توارث ایشاں اصلے عظیم است در فقہ"۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۸۸)

فقہائے سبعہ میں حدیث مرسل کی حجیت

فقہائے سبعہ تشریعی حدود تک سنت کے مقابلے میں بعد میں آنے والے محدثین کی طرح مسند، مرسل، صحیح اور حسن کی کوئی تقسیم نہ کرتے وہ روایت کی سب اقسام کو حجت قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے یہاں حدیث مرسل مسند کی طرح تشریع میں مقبول تھی۔ اگرچہ ارباب روایت میں مرسل کے بارے میں بعد میں اختلاف ہو گیا لیکن تابعین میں اس موضوع پر کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں۔ امام محمد ابن جریر الطبری فرماتے ہیں:

اس سے مراد یہ حدیث ہے البیعان بالخیار مالم یتفرقا یعنی بائع اور مشتری کو اس وقت تک فسخ معاملہ کا اختیار ہے جب تک کہ دونوں جدا نہ ہوں اس روایت کی بنا پر ایجاب و قبول اور بیع کے تمام ہونے جانے کے بعد جب تک بائع اور مشتری ایک جگہ رہیں بیع فسخ ہو سکتی ہے۔

مصراۃ وہ دودھ کا جانور ہے جس کا دودھ چند دن نہ دوہا جائے تاکہ خریدار یہ دیکھ کر کہ یہ جانور بہت دودھ والا ہے دھوکہ کھا کر زیادہ قیمت دیدے اور حدیث مصراۃ یہ ہے کہ جو کوئی ایسا جانور خریدے وہ اس کے دوہنے کے بعد اختیار رکھتا ہے کہ چاہے اس کو واپس کردے اور اس کے ساتھ ایک صاع بھی کھجور کا دے۔ یہ ایک صاع کھجور اس دودھ کا ہدیہ ہے جو مشتری نے نکالا ہے۔

حدیث مرسل محدثین کی اصطلاح میں وہ حدیث کہلاتی ہے جس میں تابعی اپنے اور حضور انور ﷺ کے درمیان سے واسطہ حذف کر کے کہے قال رسول اللہ جیسے کہ فقہائے سبعہ میں سعید ابن المسیب اور دیگر تابعین کا معمول تھا۔

"تابعین سارے کے سارے مرسل کے قبول کرنے پر متفق تھے نہ ان سے اور نہ ان کے بعد کسی امام سے دوسری صدی کے اختتام تک اس کا انکار آیا ہے"۔
(توضیح الافکار ج ۲ صفحہ ۱۳۲)

وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ لوگ براہ راست صحابہ کے شاگرد تھے اس بناء پر ان کو اسناد کے بارے میں تحقیق کی ضرورت نہ تھی۔

حریت فکر

فقہائے سبعہ میں تشریع اور استنباط کی صلاحیتوں کو جس چیز نے پروان چڑھایا وہ فکری حریت تھی سنت اور صحابہؓ سے وابستگی کے باوجود تشریع میں فکر ونظر کی پوری آزادی اور عقل وبصیرت کی پوری قوت سے فقاہت واجتہاد کا وہ کام کیا جو بعد میں آنے والوں کیلئے مشعل راہ بن جائے۔ یہاں پر گولڈ زیہر کی وہ بات سننے کے لائق ہے جو ڈاکٹر محمد یوسف نے نقل کی ہے لکھتے ہیں۔

"تشریع کی راہ میں اس وقت بڑی کوششیں کی گئی ہیں جبکہ اسلامی شریعت نمو و ترقی کے اولین مرحلہ پر تھی اور یہ کوشش اس لئے بروئے کار آئی تاکہ فقہاء فکر ونظر کی آزادی اور عقل وبصیرت کی امداد سے استنباط کے لائق ہوسکیں اور امت میں مستنبطین کا ایک طبقہ پیدا ہوجائے اس فکری آزادی اور عقل وبصیرت کے ساتھ مسلمان فقہاء میں سے کسی بھی فقیہ میں کبھی ایسی بے راہ روی نہ پیدا ہوسکی کہ تشریع میں سنت کے مقام کا انکار کرسکے جو استنباط احکام میں ایک مصدر کی حیثیت رکھتی ہے اسی طرح فکری استدلال اور فلسفیانہ نظر نے میدان تشریع میں ایک خاص کمال پیدا کردیا"۔ (تاریخ الفقہ الاسلامی)

فقہائے سبعہ اور تشریع میں عقلیت

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے:

"تعدیة الحكم من الاصل الى الفرع لعلة متحدة"

تشریع کی توسیع اور تمام ضروریات میں اس کی کفالت وضمانت قیاس پر موقوف ہے چونکہ قیاس اس کے لئے ضروری ہے جو فقہ وتشریع کا کام کرتا ہے اس لئے اس سے کوئی فقیہہ بے نیاز نہیں۔ حافظ ابن القیم قیاس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قیاس سے استدلال کا مدار اس پر ہے کہ ایک جیسی چیزوں پر علت کی یگانگی کی بنا پر ایک جیسا حکم لگایا جائے اور علتوں کے اختلاف کی صورت میں دونوں کا حکم الگ الگ ہو اگر متماثل چیزوں پر دو الگ الگ حکم لگائے جائیں تو استدلال کی زمین غلط ہو جائے گی اور قیاس ملیا میٹ ہو جائے گا"۔ (اعلام الموقعین ج ۱ صفحہ ۱۱۴)

فقہاء صحابہ میں شروع سے دو قسم کے مفتی تھے کچھ پیش پا افتادہ امور کے متعلق اگر کتاب و سنت سے کوئی جواب معلوم ہوتا تو بتا دیتے اگر کوئی آیت، حدیث یا خلفاء کا اثر معلوم نہ ہوتا تو خاموش ہو جاتے جیسے ابو ہریرہؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ اور کچھ ایسی حالت میں گزشتہ منصوص احکام یا فیصل شدہ مسائل پر جدید مسئلے کو اشتراک علت کی بنا پر قیاس کر کے اپنی عقل کے مطابق بتا دیتے۔

قیاس کا مدار چونکہ اتحاد علت پر ہے اس لئے صحابہؓ اور جماہیر فقہاء نے تعلیل احکام کو اپنا پیش نہاد بنایا تشریع کے میدان میں تعلیل اور عقلیت کو فقہائے صحابہ نے قرآن و سنت کی واضح روشنی میں اختیار کیا۔ ڈاکٹر یوسف رقمطراز ہیں:

"احکام تشریعہ کا معلل اور عقلی معنویت سے مالا مال ہونا ایک طبعی بات ہے کبھی انسانی فطرت کسی بھی ایسی بات کو سننے اور ماننے کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے جسے اسباب اور حکمتوں پر پیش کیا جائے اسی لئے قرآن و حدیث میں گاہ گاہ حکم کی علت بیان کی ہے بلکہ کہیں کہیں کسی حکم کے لئے ایسی زمین بنائی ہے جو مخاطب کے لئے قابل پزیرائی ہو"۔

(تاریخ الفقہ الاسلامی صفحہ ۵۷)

فاروق اعظمؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو منشور قضا روانہ کیا تھا اس میں صاف صاف ہدایت کی تھی کہ:

"جو چیز تم کو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تمہیں اس کے متعلق شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو اس کے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو تلاش کرو اور پھر ان پر قیاس کرو"۔ (مؤطا صفحہ ۲۶)

فقہائے سبعہ میں عروۃ اور سعید ابن المسیب کے علاوہ پانچ کا تعلق مدرسہ اہل الرائے سے ہے جبکہ عروہ اور سعید کو مدرسہ اہل حدیث کا امام مانا گیا ہے۔ سعید ابن المسیب چونکہ ابو ہریرہؓ کے پروردہ تھے اور ان کی صاحبزادی سے شادی ہوئی تھی اس لئے ان پر ابو

ریرہؓ کا محدثانہ رنگ غالب تھا اور باقی پر فاروق اعظمؓ، عائشہؓ اور ابن عباسؓ کا ذوق فقاہت
چڑھا ہوا تھا ان بزرگوں نے جس طرح فتوے دیئے اور قیاس کو جس انداز پر استعمال کیا یہی
اہ ان فقہائے سبعہ نے تشریع میں اختیار کی۔

فقہائے سبعہ در اصل ایک مدرسہ ہیں جن سے مدنی فقہ کی تشکیل ہوئی
ہے۔مشہور پروفیسر علامہ ابو زہرہ رقمطراز ہیں:

"یہ بات سمجھنے کی ہے کہ یہ تمام فقہاء تمام پہلوؤں پر اثری نہ تھے بلکہ اثری
ونے کے ساتھ فقہاء سلف کی فقہ پڑھاتے اور اس سے استفادہ کرتے تھے جن معاملات
یں حضور انور ﷺ یا صحابہ کے آثار کی روشنی نہ ملتی تو اپنی عقل سے رسول اکرم ﷺ کے
شہور فیصلوں کو سامنے رکھ کر فتوی دیتے تھے ان میں سے کچھ پر علم حدیث غالب تھا لیکن
کثر پر افتاء وفقہ غالب تھا"۔(امام مالک صفحہ ۱۷۵)

مدرسہ عقل ونقل اور فقہائے صحابہ

فقہائے سبعہ کے نزدیک فقہ وتشریع کی بنیاد جیسے آثار پر ہے ایسے ہی عقل پر
بھی ہے وہ دونوں سے فائدہ اٹھاتے تھے ان میں سعید ابن المسیب ابو ہریرہؓ کے تربیت
یافتہ تھے اور ان پر علم حدیث غالب تھا لیکن اس کے باوجود لکھا ہے کہ "کثیر الفتاویٰ" اور
"جری علی الفتاوی" تھے اور اتنی بات معمولی سمجھ والا بھی جانتا ہے کہ جو شخص فتوی وتشریع میں
نقل سے کام نہیں لیتا وہ فتوی دینے میں جری نہیں ہوسکتا۔ابو محمد زہرہ نے درست لکھا ہے
کہ:

"عروۃ ابن الزبیر اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد باقی فقہائے
سبعہ فتوی دینے میں بے باک اور دلیر تھے ان میں کچھ فقہاء کے یہاں حدیث قبول کرنے
کا معیار یہ تھا کہ قرآن کے موافق اور مشہور سنت رسولؐ کے ہم آہنگ ہو اور یہ مسلک یقیناً
ان لوگوں کا نہیں ہوسکتا جن کے فتوی کی بنیاد صرف حدیث ہو"۔(امام مالک صفحہ ۱۸۲)

واقعہ یہ ہے کہ فقہ اور رائے کا چولی دامن کا ساتھ ہے یہی فقہائے سبعہ ان صحابہ
کی فقہ کے ناقل ہیں جو رائے پر فتوی دینے میں مشہور تھے مثلاً حضرت عمرؓ، عائشہؓ اور ابن
عباسؓ وغیرہ۔

علامہ شاطبی نے بتایا ہے کہ:

"حضرت عائشہؓ، فاروق اعظمؓ اور ابن عباسؓ بعض روایات کو اصول قرآن کے معارض ہونے کی وجہ سے رد کر دیتے تھے مثلاً وہ حدیث جو "ماجعل علیکم فی الدین من حرج" کے قاعدے کے خلاف ہے۔

شاطبی لکھتے ہیں کہ:

" امام مالک کا اعتماد اسی قاعدے پر ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ حدیث جب قرآن کے مخالف ہو یا کسی قطعی حکم یا عام قاعدے کے خلاف ہو تو اسے رد کر دینا چاہیے"۔

(الموافقات ج ۳ صفحہ ۸۲)

یہ صحیح ہے کہ تابعین قیاس و اجتہاد پر عامل تھے مگر مقدار عمل میں قدرے اختلاف تھا بعض قیاس سے زیادہ کام لیتے اور بعض کم، اتنا کم کہ نصوص شرعیہ کی عدم موجودگی میں توقف کرتے اور رائے سے احتراز کرتے ......

فقہائے سبعہ کے بارے میں حق بات یہ ہے کہ کتاب و سنت کی موجودگی میں وہ ان پر پورا بھروسہ کرتے اگر سنت معروفہ موجود نہ ہوتی تو رائے اور قیاس سے کام لیتے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

" سعید اور ان کے تلامذہ کا مذہب یہ تھا کہ حرمین والے فقہ میں زیادہ پکے ہیں اور ان کے مذہب کی اصل فتاویٰ عمرؓ و عثمانؓ اور ان کے فیصلے نیز عبداللہ ابن عمرؓ، عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے فتاویٰ اور قضاۃ مدینہ کے فیصلے تھے ان سب میں انہوں نے وہ باتیں جمع کیں جو اللہ نے ان کے لئے آسان فرمائیں پھر انہوں نے اس مجموعہ پر اعتبار و تفتیش کی نظر ڈالی جس بات پر اہل مدینہ کا اتفاق ہوا اسے اختیار کر لیا اور اختلاف کی صورت میں قوی کو ترجیح دی اور ترجیح کی بنیاد یہ تھی کہ یا تو یہ اکثریت کا مذہب ہے اور یا یہ قیاس کے موافق ہے اور یا پھر کتاب و سنت کی تخریج ہے اور اگر ان باتوں میں کوئی بات نہ ہوتی تو مسئلہ کا جواب قیاس کے ذریعے دیتے"۔ (انصاف صفحہ ۱۷ و صفحہ ۱۸)

شاہ صاحب نے الانصاف فی سبب الاختلاف اور حجتہ اللہ البالغہ میں اس پر مبسوط بحث کی ہے اور مسوّیٰ کے مقدمہ میں فقہائے سبعہ کے اصولوں کو امام مالک کے مذہب کا مبنیٰ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ جب امام مالک فقہائے سبعہ کے مختارات یا اہل

مدینہ کے عمل کو مؤطا میں بتانا چاہتے ہیں تو ان کی تعبیر یہ ہوتی ہے کہ:۔

"السنة عندنا كذا"

اگرچہ حدیث و روایت اور فقہ و اجتہاد کا سلسلہ تمام اسلامی شہروں میں جاری تھا جیسا کہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"سعید ابن المسیب، سالم ابن عبداللہ مدینہ میں اور ان کے تلامذہ زہری، قاضی یحیٰ، ربیعہ اور عطاء مکہ میں، شعبی اور ابراہیم کوفہ میں، حسن بصری بصرہ میں، طاؤس یمن میں، مکحول شام میں"۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ا صفحہ ۸۶)

اس طرح ہر جگہ ارباب فتویٰ اور مجتہدین کی جماعت موجود تھی لیکن شاہ صاحب نے الانصاف میں مدینہ اور کوفہ کے بارے میں خصوصیت سے لکھا ہے کہ:

"حضرت عمرؓ، عائشہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، زید ابن ثابتؓ اور ان کے تلامذہ مثلاً سعید ابن المسیب، یہ فاروق اعظمؓ کے فیصلوں اور حدیث ابوہریرہؓ کے حافظ تھے اور عروۃ سالم، عبیداللہ ابن عبداللہ اور ان جیسوں کا مذہب اہل مدینہ کے خیال میں بہ نسبت دوسروں کے زیادہ فائق تھا۔ اور کوفہ میں عبداللہ ابن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کا مذہب حضرت علیؓ، شریح قاضی، امام شعبی کے فیصلوں، ابراہیم کے فتاویٰ، اہل کوفہ کے نزدیک دوسروں کی بہ نسبت زیادہ ترجیح کے لائق تھا"۔ (الانصاف صفحہ ۲۲)

شاہ صاحب نے مدینہ اور کوفہ کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ ان دونوں شہروں کو اس بارے میں مرکزیت حاصل تھی۔ حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں سند متصل امام ابن وہب کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

"ایک بار امام مالک سے کسی نے مسئلہ پوچھا آپ نے اس کا جواب دیا اس پر سائل کی زبان سے یہ بات نکل گئی کہ شام والے تو اس مسئلے میں آپ کے مخالف ہیں آپ نے فرمایا شام والوں کیلئے یہ شان کب سے ہوگئی یہ شان تو صرف اہل مدینہ اور اہل کوفہ کی ہے"۔ (جامع بیان العلم ج ۲ صفحہ ۱۵۸)

یہ درست ہے کہ عراقی اور حجازی مدرسوں کا وجود ائمہ اربعہ کے زمانے میں ہوا لیکن یہ کہنا از روئے تاریخ بے بنیاد ہے کہ فقہائے سبعہ کے زمانے میں یہ دو مدرسے موجود تھے ان کے یہاں، بالاتفاق استدلال کا مدار کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں ہیں وہ فتویٰ

دینے میں رائے سے اجتناب نہ کرتے تھے اس کے بہت سے شواہد ہیں۔ ڈاکٹر محمد یوسف نے لکھا ہے:

"بتاؤ یہاں مدرسہ حدیث کے مد مقابل مدرسہ رائے کہاں ہے جیسا کہ عامہ مورخین فقہ اسلامی اس دور کے بارے میں کہتے ہیں اور یہ بات کیسے ممکن ہے کہ جبکہ احکام شریعہ کے علل و مقاصد روز روشن کی طرح واضح ہیں ان ہی علل کو پیش نہاد بنا کر فقہاء نے روز اول سے تشریع کا کام کیا ہے اسی رائے، عقل اور نظر و فکر کو استدلال عقلی کہتے ہیں"۔
(تاریخ الفقہ صفحہ ۴۸)

زمانہ فقہائے سبعہ کے علوم

فقہائے سبعہ کے زمانے میں ہر شخص اپنے عقیدہ کے سلسلہ میں قرآن و سنت کے جادۂ مستقیم پر قائم تھا اور اپنے اعمال میں قرآن و سنت کی پیروی کرتا تھا۔ الذہبی رقمطراز ہیں:

"اس عہد میں بے شمار علماء اور آئمہ اجتہاد تھے اطراف میں جہاد کی سرگرمیاں تھیں عبادت گزاروں اور ابدال و اوتار سے مملکت بھری ہوئی تھی اسلام کو غلبہ اور بلندی تھی ترک اور اندلس مفتوح ہو کر اسلامی مملکت میں داخل ہو چکے تھے"۔ (تذکرہ الحفاظ ج ا صفحہ ۴۴)

دائرہ فکری وراثت کی طرح ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے اس دور میں نہ شوافع و احناف کا اختلاف و جدال تھا اور نہ حنابلہ کی حدت و شدت تھی اور نہ معتزلہ اور اشاعرہ میں مناظرہ و بحث شروع ہوئی تھی فقہائے سبعہ کا فکری دائرہ صحابہ کرامؓ کی طرح قرآن و سنت اور فقہ کے گرد گھومتا تھا ان کے مباحث کا انداز بھی صحابہ سے ملتا جلتا تھا فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے کے ساتھ ان کے افکار علمیہ میں بھی وسعت پیدا ہوگئی۔ ڈاکٹر یوسف رقمطراز ہیں۔

"ایسے رسوم اور قانونی اطوار سے تابعین دو چار ہوئے جو زمانہ صحابہ میں موجود نہ تھے اور اس کے نتیجہ میں فقہی زندگی میں ایسے مسائل رونما ہو گئے جو صحابہ کے زمانے میں نہ تھے"۔ (تاریخ الفقہ صفحہ ۱۰۸)

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں:

"اس دور میں مسلمانوں کی توجہات کا مرکز علوم دینیہ، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ

اور پیش پا افتادہ حالات کے لئے فتاوئ شرعیہ تھے اس لئے اموی دور میں علوم دینیہ زیادہ پروان چڑھے ہیں"۔ (تاریخ الاسلام السیاسی ج ا صفحہ ۳۸۵)

علوم نقلیہ یا دینیہ میں علم القراءت، علم التفسیر، علم الحدیث، علم الفقہ، علم النحو، علم اللغۃ، علم ادب فقہائے سبعہ کے زمانے میں منصۂ شہود پر آ چکے تھے۔

علم القرات فقہائے سبعہ کے زمانے میں

الشیخ محمد فواد نے جماعت صحابہؓ میں مقرئین اور ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جو فن قرات میں فن کار کی حیثیت رکھتے تھے بتایا ہے کہ صحابہ میں یہ لوگ فن قرات میں مشہور تھے۔ عثمانؓ، علیؓ، ابی ابن کعبؓ، زید ابن ثابتؓ، ابن مسعودؓ، ابودرداءؓ، ابوموسیٰؓ اور وہ تمام اکابر جن کو حضرت عثمانؓ نے اطراف مملکت میں مصاحف دے کر روانہ فرمایا تھا۔

گولڈ زیہر رقمطراز ہے:

" قراءت کے زیادہ اختلافات کا سرچشمہ وہ معتبر شخصیتیں ہیں جو صدر اول میں ہوئیں مثلاً عائشہؓ، ابن عمرؓ وغیرہ اور ایسے قراء جن کی فن دانی کا اہل علم کو اعتراف ہے جیسے عبداللہ ابن مسعودؓ اور ابی ابن کعبؓ"۔ (مناہل العرفان ج ا صفحہ ۴۰۷)

محمد عظیم فواد نے تابعین میں قراء کی نشاندہی کرتے ہوئے جہاں دوسرے تابعین کا ذکر کیا ہے وہاں فقہاء سبعہ میں سعید ابن المسیب، عروہ اور سلیمان بن یسار کا خاص طور پر نام لیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"تابعین میں قراءت میں زیادہ مشہور یہ ہیں سعید ابن المسیب، عروہ، سالم، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار، عطاء بن یسار، زید بن اسلم، مسلم بن جندب، ابن شہاب الزہری، عبدالرحمٰن ابن ھرمز اور ابن معاذ بن حارث"۔

ان ہی اکابر سے روایت ہو کر قراءت ان لوگوں تک پہنچی ہے جن کو تاریخ میں قراء سبعہ کہا جاتا ہے قراء سبعہ کا ظہور تو فقہائے سبعہ کے زمانے میں ہوا ہے لیکن ان کے علمی کارنامے دوسری صدی میں پروان چڑھے ہیں۔ قراء سبعہ جن کو ائمہ قراءت اور "البدور السبعہ" بھی کہا جاتا ہے یہ ہیں:

قراء سبعہ

۱۔ عبداللہ ابن کثیر ابن المطلب۔ تابعی ہیں ان کو عبداللہ ابن زبیرؓ، ابو ایوب انصاریؓ اور انس ابن مالکؓ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے مکہ میں ۱۳۲ھ میں وفات پائی۔

۲۔ نافع ابن عبدالرحمٰن: مدینہ کے رہنے والے قاری ہیں اور ستر (۷۰) تابعین کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے مدینہ میں ۱۷۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۳۔ عبداللہ ابن عامر ابن زید: دمشق کے قاضی تھے ۲۱ھ میں پیدا ہوئے ۱۱۸ھ میں وفات پائی فن قراءت میں صرف دو واسطوں سے حضور انور ﷺ کے شاگرد ہیں۔ صحابہ میں واصلہؓ اور نعمان ابن بشیرؓ سے ملاقات ثابت ہے۔

صاحب شاطبیہ لکھتے ہیں:

واما دمشق الشام دار ابن عامر　　فتلک معبد الله ثابت محللا

۴۔ ابوعمر و زبان بن العلاء ابن عمار البصری: ۱۵۴ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

صاحب شاطبیہ لکھتے ہیں:۔

واما الدمام المازنی ضریحهم　　ابو عمر والبصری فوالده العلاء

یہ مجاہد سعید ابن الجبیر کے تلامذہ میں سے ہیں۔

۵۔ ابوبکر عاصم ابن ابي النجود: زر ابن جمیش کے واسطہ سے عبداللہ ابن مسعودؓ اور عبدالرحمٰن اسلمی کے حوالے سے علی مرتضیٰؓ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

صاحب شاطبیہ لکھتے ہیں:۔

وبا لکوفة الغراء منهم ثلاثة　　اذاعوا فقد ضاعت شذی وقر

وابوبکر و عاصم اسلمه　　فشعبة راویه المبرد الفضلا

امام عاصم نے ۱۲۷ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔

۶۔ ابوعمارہ حمزہ ابن حبیب الزیاد الکوفی: حلوان میں ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔

شاطبیہ میں ہے:۔

وحمزة ماازکاه من متورع　　اماما صبوراً للقرآن مرتلا

۷۔ ابوالحسن علی ابن حمزہ الکسائی: ابوبکر الانباری لکھتے ہیں کہ کسائی بیک وقت تین فنون کے امام ہیں فن نحو، فن لغت اور فن قرآت۔ ۱۸۹ھ میں وفات پائی۔

قراء سبعہ میں تینوں آخر الذکر کوفی ہیں۔

شاطبیہ میں ہے:۔

اما علی فالکسائی نعته لما کان فی الاحرام فیه تسر بلا

الغرض علم القراءت فن کی حیثیت سے فقہائے سبعہ کے زمانے میں ظہور پذیر ہو چکا تھا۔

فقہائے سبعہ کے زمانے میں علم تفسیر

صحابہ اور تابعین میں معروف معنے میں تفسیر کا کوئی خاص مقام نہیں ملتا۔ ابن عباسؓ سے تفسیر کے چار درجے منقول ہیں:۔

الف:۔ قرآن کے حلال وحرام کا علم۔

ب:۔ ادبی نقطہ نظر سے قرآن کی تحصیل۔

ج:۔ فقہی نقطہ نظر سے قرآن کی تشریح۔

د:۔ ان آیات کی تفسیر جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یعنی متشابہات۔

زرکشی نے برہان میں عبداللہ ابن عباسؓ کے اس ارشاد کی تشریح کی ہے۔ جرجی زیدان لکھتا ہے:

"اسلامی حکومت قائم ہوئی تو احکام وقوانین کی ضرورت پیش آئی قرآن، قوانین کے لئے مصدر اول کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے تشریع کی خاطر قرآن اہل علم کی توجہات کا مرکز بن گیا قراء اور مفسرین قانون سازی اور قرآن سے استنباط مسائل سے مسلمانوں کی رائے عامہ کا مرجع بن گئے یہی اس دور کے فقہاء تھے"۔ (آداب الفقہ العربیہ صفحہ ۲۱۶)

حسن ابراہیم حسن رقمطراز ہے:۔

"قرآن فہمی کیلئے علوم نقلیہ میں مسلمانوں نے تفسیر کی بنیاد رکھی حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ قرآنی آیات میں سے چند آیات کی تفسیر فرماتے وہ بھی جن کی حضرت جبرائیلؑ نے آپ کو تعلیم دی تھی جب حکومت کا دائرہ وسیع ہوا اور عجمی فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے تو قرآن فہمی کی ضرورت ہوئی بعض بڑے صحابہؓ نے اپنی سمجھ کے

مطابق یا اپنے اس علم کے مطابق جو ان کو نبوت ؐ سے حاصل ہوا تھا قرآن کے مطالب بتائے ان ہی صحابہ کو اسلام میں مدرسہ تفسیر کا موسس سمجھا جا رہا ہے۔ مثلاً علیؓ ابن ابی طالب، عبداللہ ابن مسعودؓ، ابی ابن کعبؓ، عبداللہ ابن عباسؓ"۔ (تاریخ الاسلام السیاسی صفحہ ۳۷۹)

فقہائے سبعہ کے زمانے میں امام مجاہد ابن عباسؓ کے بیان کردہ مطالب شاہراہ عام پر لائے اس لئے ان کا نام اس دور کے مفسرین میں زیادہ نمایاں ہے امام شافعی اور بخاری کو ان کی تفسیر پر بے حد اعتماد ہے۔ السیوطی ابن تیمیہ سے ناقل ہیں:۔

"قرآن کی تفسیر کے سب سے زیادہ عالم اہل مکہ ہیں کیونکہ وہ ابن عباسؓ کے تلامذہ ہیں مثلاً مجاہد، عطاء ابن ابی رباح، عکرمہ، طاؤس، سعید ابن جبیرؓ"۔ (الاتقان فی علوم القرآن صفحہ ۸۲)

فقہائے سبعہ کے زمانے میں علم حدیث

فقہائے سبعہ کے زمانے میں اگرچہ احادیث قلم بند کرنے کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا تاہم لوگ عام طور پر لکھنے کے عادی نہ تھے وہ جو کچھ لکھتے اس سے مقصود صرف یاد کرنا ہوتا اس دور میں حدیثوں کو سن کر زبانی یاد کرنے کا اسی طرح رواج تھا جس طرح آج کل قرآن کریم یاد کیا جاتا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں:

"لم یکن القوم یکتبون انما کانوا یحفظون فمن کتب منهم فانما یکتبه لیحفظه فاذا حفظه محاه" . (جامع بیان العلم صفحہ)

تقریباً پہلی صدی ہجری تک علماء کتابت کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا حافظہ قوی تھا وہ جو کچھ سنتے فوراً یاد کر لیتے ایسی صورت میں کسی چیز کا لکھنا تو درکنار دوبارہ پوچھنا بھی معیوب تھا۔ سنن داری میں ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ:

"امام شعبی فرمایا کرتے تھے اے شباک! میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث کے اعادے کی درخواست نہیں کی"۔ (سنن داری صفحہ ۸۶)

حافظ ذہبی نے امام شعبی کا یہ بیان بھی لکھا ہے کہ:

"ما کتبت سوادا فی بیاض و لا استعدت حدیثا من انسان" .

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۵۵)

سنن دارمی میں امام مالک سے یہ بھی مروی ہے کہ:

"امام زہری نے ایک بار ایک حدیث بیان کی پھر راستے میں میری ان سے ملاقات ہوگئی میں نے عرض کیا اے ابوبکر! جو حدیث آپ نے ہم سے بیان کی تھی ذرا دوبارہ بتا دیجئے فرمایا کیا حدیث کو دوبارہ پوچھتے ہو میں نے کہا کیا آپ نہیں پوچھتے تھے فرمایا ہرگز نہیں میں نے کہا کیا لکھتے بھی نہیں تھے۔ فرمایا ہرگز نہیں"۔ (سنن دارمی صفحہ ۸۶)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم میں اس دور کے ان تمام علماء کی آراء قلمبند کرنے کے بعد جو حدیث کے لکھنے کو اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے لکھا ہے کہ:

"نہ لکھنے کے موضوع پر جس کی رائے بھی ہم نے لکھی ہے وہ اس بارے میں اہل عرب کی روش پر گامزن تھے عرب فطرتی طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے اور اس میں ممتاز تھے، اور جن بزرگوں نے بھی کتابت کو ناپسند کیا ہے یہ سب کے سب وہ ہیں جو طبعی طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے ان میں سے ہر ایک شخص ایک بار سننے پر اکتفا کرتا تھا اور یہ سب عرب تھے اور یہ مشہور ہے کہ اہل عرب کو زبانی یاد رکھنے میں خصوصیت حاصل ہے"۔

(جامع بیان العلم صفحہ)

بہر حال یہ ایک واقعہ ہے کہ فقہائے سبعہ کے زمانے میں کتابت علم کا مسئلہ مختلف فیہ اور معرکۃ آلاراء بنا رہا اور ان کے زمانے میں پہلا دور سفینوں سے زیادہ سینوں پر اعتماد کا تھا۔ اس دور میں مدینہ میں جن تابعین کے دم قدم سے علم حدیث میں بہار آئی ہے ان میں فقہائے سبعہ میں خارجہ ابن زید کو چھوڑ کر، امام ذہبی نے ان کو قلیل الحدیث لکھا ہے۔

باقی چھ کا نام سرفہرست ہے امام ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

مشہور استاد علامہ ابو منصور عبدالقاہر بغدادی نے فقہائے سبعہ کو حدیث کا امام بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:

" والفقهاء السبعة من التابعين من هذه الجملة فانهم كانوا مع فقههم ائمة في الحديث " (اصول الدین صفحہ ۳۱۳)

اس دور میں مختلف شہروں میں روایت حدیث کے مدرسے کھلے ہوئے تھے ان کا اجمالی خاکہ یوں ہے:

"مدینہ میں مدرسہ حدیث کے مشہور راوی سعید ابن المسیب ۹۳ھ، عروۃ ابن

زبیر ۹۴ھ، ابوبکر ابن عبدالرحمٰن ۹۴ھ، عبیداللہ ابن عبداللہ ۱۰۶ھ، سلیمان ابن یسار ۹۳ھ، قاسم ابن محمد ۱۱۲ھ، نافع مولیٰ ابن عمر ۱۱۷ھ، امام زہری ۱۲۴ھ، ابوالزناد ۱۳۰ھ، مکے میں حدیث کے مشہور راوی عکرمہ ۱۰۵ھ، عطاء ابن ابی رباح ۱۱۵ھ، ابوالزبیر مسلم ۱۲۸ھ، کوفہ میں شعبی عامر ابن شراحیل ۱۴۰ھ، ابراہیم نخعی ۹۶ھ، علقمہ ۶۲ھ، بصرہ میں حسن بصری ۱۱۰ھ، ابن سیرین ۱۱۰ھ، شام میں عمر ابن عبدالعزیز ۱۰۱ھ، مکحول ۱۱۸ھ، قبیصہ ۸۶ھ، مصر میں ابوالخیر مرثد ۹۰ھ، یزید ابن ابی حبیب ۱۲۸ھ، یمن میں طاؤس ابن کیسان اور وہب ابن منبہ ۱۱۰ھ"۔
(الحدیث والمحدثون صفحہ)

۹۹ھ میں خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز جب سریر آرائے تخت حکومت ہوئے تو آپ نے تمام ممالک کے نام فرمان بھیجا کہ حدیث نبوی کو تلاش کر کے بھیجا جائے اس سلسلے میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر حزمی کو بھی فرمان آیا جسے امام محمد نے مؤطا میں بایں الفاظ روایت کیا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر کو لکھا کہ:

"رسول اکرم ﷺ کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمرؓ کی حدیث اور اس قسم کی جو روایات مل سکیں میرے لئے لکھیں کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے اٹھنے کا اندیشہ ہے"۔
(موطا امام مالک)

ابن سعد رقمطراز ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر کو یہ بھی لکھا کہ:

"عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی روایت کردہ حدیثیں بھی روانہ کریں"۔ (طبقات ابن سعد صفحہ ۹۲)

امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے یہ بھی لکھا تھا کہ:

"عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم ابن محمد کے پاس جو علم ہے وہ لکھ کر بھیجیں"۔
(تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۹۷)

بعض اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے دوسرے علماء کو بھی یہ کام سپرد کیا تھا۔ امام سیوطی امام زہری سے ناقل ہیں کہ:

" عمر بن عبدالعزیز نے سالم ابن عبداللہ کو لکھا تھا کہ صدقات کے کے بارے میں حضرت عمرؓ کا جو معمول رہا ہے وہ ان کو لکھ کر روانہ کریں"۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۱)

خود امام زہری کو بھی خاص طور پر تدوین حدیث وسنن کے کام پر مامور کیا گیا۔

ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:
"ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے حدیثیں جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھے انہوں نے اپنی تمام قلمرو میں ایک ایک دفتر روانہ کیا"۔ (جامع بیان العلم باب کتابتہ العلم)

یہ تالیف حدیث کی صبح صادق تھی ورنہ روایت حدیث کی حد تک تو تمام اسلامی مملکت میں رونق آئی ہوئی تھی۔ اس صبح صادق کے وقت تدوین حدیث کا کام کس قدر ہو اس سوال کا جواب اگرچہ احمد امین نے یہ کہہ کر نفی میں دیا ہے:
" ولکنا لم نر لامرہ ھذہ اثراً ". (فجر الاسلام صفحہ ۲۲۲)
لیکن معمر بن راشد نے اس کا مثبت جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں:۔
" پہلے ہم یوں سمجھتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت کچھ حاصل کرلیا لیکن جب ولید ابن یزید قتل ہوا تو سرکاری خزانے سے زہری کے علمی دفاتر سواریوں پر لاد کر لائے گئے"۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۷۲)
قاضی ابوبکر کے علمی کارنامے کیلئے امام مالک کا یہ بیان پڑھنے کے لائق ہے کہ:
" ابوبکر بن حزم نے متعدد کتابیں لکھیں لیکن قبل اس کے کہ ابوبکر کی یہ کتابیں دارالخلافہ میں پہنچتیں عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہو چکا تھا"۔ (مقدمہ تنویر الحوالک صفحہ ۳)
شام کے مشہور فقیہہ مکحول دمشقی کے متعلق ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں انکشاف کیا ہے کہ ان کی تصانیف میں کتاب السنن ہے اغلب یہی ہے کہ یہ علمی کارنامہ مکحول نے امر خلافت کی تعمیل میں ہی انجام دیا ہوگا۔
علامتہ التابعین امام شعبی کے متعلق امام سیوطی تدریب الراوی میں حافظ ابن حجر عسقلانی سے ناقل ہیں کہ:
" ایک مضمون کی حدیثوں کو جمع کرنے کا کام سب سے پہلے امام شعبی نے کیا عنوان اس طرح ہوتا تھا " ھذا باب من الطلاق جسیم " اور اس عنوان پر احادیث جمع کیں"۔
(تدریب الراوی صفحہ ۲۴)
وہب ابن منبہؒ ۱۱۰ھ میں یمن میں ہوئے ہیں۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ان کی وفات صنعاء میں ہشام کے زمانے میں ہوئی ان کے بھائی ہمام ابن منبہؒ ان سے عمر میں بڑے ہیں ان کی وفات ۱۰۲ھ میں ہوئی انہوں نے ابوہریرہؓ کے سامنے زانوئے شاگردی

طے کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کو قلمبند کیا غالب گمان ہے کہ یہ کام بھی انہوں نے اسی سرکاری حکم کے تحت سرانجام دیا ہے یہ قلمی دستاویز آج "صحیفہ ہمام" کے نام سے موسوم ہے اور برلن کے مخطوطات سے نقل ہو کر ڈاکٹر حمید اللہ کی مساعی جلیلہ کے صدقے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ اور صرف ہمام کا یہ صحیفہ ہی نہیں بلکہ ان کے مشہور شاگرد معمر راشد التوفی ۱۵۳ھ کی مشہور تصنیف "جامع معمر" بھی علم کی خوش قسمتی سے اب تک محفوظ ہے اس کا ایک نسخہ جامعہ انقرہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ (مقدمہ صحیفہ ہمام ابن منبہ صفحہ ۵۵) نیز معمر کے شاگرد عبدالرزاق کی لکھی ہوئی حدیث پر کتاب بھی مخطوطے کی شکل میں استنبول اور صنعاء میں محفوظ ہے جنوبی افریقہ کے مشہور عالم الحاج محمد موسیٰ اس کی اشاعت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ بہر حال پہلی صدی کے آخر میں اور دوسری صدی کے شروع میں یعنی فقہائے سبعہ کے زمانے میں عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے ائمہ تابعین نے جب جمع و تدوین کا دروازہ کھولا اور تصنیف کی صبح صادق ہوئی تو اس سلسلے کو اتنی ترقی ہوئی کہ احادیث مرفوعہ تو ایک طرف صحابہؓ کے آثار اور تابعین کے فتاویٰ اور اقوال تک دوسری صدی ہجری کے ختم تک مرتب و مدون ہو گئے۔

فقہائے سبعہ کے زمانہ میں علم الفقہ

علمی حیثیت سے فقہ قرآن و حدیث کی ایک مخصوص دراست کا نام ہے قرآن کا ہر قاری اور ہر محدث اس دور میں فقیہہ ہوتا تھا حدیث کی طرح فقہ بھی اس معاشرے میں زبانی روایت اور مساجد میں حلقوں کے ذریعے قائم تھا مختلف شہروں میں فقہ کے مدارس تھے حافظ ابن حزم نے الاحکام فی اصول الاحکام میں اور حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں ان مدارس فقہ کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ مدینہ کا مدرسہ فقہ فاروق اعظمؓ اور حضرت عائشہؓ کے زمانے سے قائم تھا جن کی جانشینی کا فخر خود فقہائے سبعہ کو حاصل ہے کوفہ کا مدرسہ عبداللہ ابن مسعودؓ نے قائم کیا تھا ان کی وفات کے بعد جب حضرت علیؓ کوفہ میں تشریف لائے تو آپ نے یہاں کی فضا کو فقہ سے معمور پایا۔ امام ابوبکر عتیق ابن داؤد یمانی فرماتے ہیں کہ:

"عبداللہ ابن مسعودؓ کی وفات کے بعد جب حضرت علیؓ کوفے آئے تو اس وقت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تلامذہ وہاں پر لوگوں کو فقیہہ بنانے میں مصروف تھے۔ حضرت علیؓ نے

مسجد کوفہ میں آ کر دیکھا کہ چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہیں اور طلبہ کتابت میں مشغول ہیں آپ نے فرمایا بلاشبہ ابن مسعودؓ نے ان لوگوں کو کوفہ کا چراغ بنا دیا ہے"۔

(مناقب الموفق ج ۲ صفحہ ۱۴۰)

بے شک اس دور میں فقہ کے موضوع پر کوئی خاص قلمی کام نہیں ہوا کیونکہ یہ دور، دور کتابت نہیں دور حفظ تھا۔ بروکلمان کی یہ بات بالکل درست ہے کہ:

"ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ جس کی مدد سے ہم اس دور میں فقہ کی کتابی خدمت کا پتہ لگا سکیں"۔ (تاریخ الادب العربی ج ۲ صفحہ ۲۳۲)

لیکن موصوف ہی نے ابن سعد کے حوالے سے یہ انکشاف کیا ہے کہ:

"فقہائے سبعہ میں سے عروہ نے فقہ و تشریع کے موضوع پر قلمی خدمت انجام دی ہے۔ عروہ کے صاحبزادے ہشام کا بیان ہے کہ:

"میرے والد نے حرہ والے دن اپنی فقہ کی کتابیں جلا دیں وہ افسوس سے کہا کرتے تھے اگر میرے پاس یہ کتابیں ہوتیں تو مجھے اپنے مال اور اہل و عیال سے زیادہ محبوب ہوتیں"۔ (تاریخ الادب العربی ج ۲ صفحہ ۲۳۳)

ابن الندیم نے الفہرست میں عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کے حوالہ سے ابوالزناد عبداللہ ابن ذکوان المتوفی ۱۳۰ھ کے بارے میں انکشاف کیا ہے کہ موصوف نے ایک کتاب "کتاب رای الفقہاء السبعۃ من اھل المدینۃ وما اختلفوا فیہ" کے نام سے قلمبند کی اور تمام فقہائے سبعہ کے مختارات کو اس میں جمع کیا۔ یاد رہے کہ ابوالزناد کو تمام فقہائے سبعہ کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے کا شرف حاصل ہے۔ (الفہرست صفحہ ۳۲۹)

حافظ ابن القیم نے اعلام میں لکھا ہے کہ امام زہری اور حسن بصری کے فتاویٰ ایک سے زیادہ کتابوں میں جمع کئے گئے امام زہری بھی ان بزرگ ہستیوں میں سے ہیں جن کو فقہائے سبعہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ حافظ ابن حزم نے احکام الاحکام میں بتایا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ نے عبداللہ ابن عباس کے فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے۔

(احکام الاحکام ج ۵ صفحہ ۶۶۶)

ہمارے علم کی حد تک فقہائے سبعہ کے زمانے میں اس کے سوا فقہ کا کوئی کتابی ذخیرہ نہیں اور اس حد تک جرجی زیدان کا یہ کہنا درست ہے کہ امویوں کے دور حکومت میں

فقہ وفتاویٰ میں مرکزیت اہل مدینہ کو حاصل تھی۔ خلفاء ان سے الگ ہو کر کوئی فیصلہ نہ کرتے تھے لیکن اموی فقہاء نے اپنا کوئی قلمی سرمایہ نہیں چھوڑا۔

سیرت ومغازی فقہائے سبعہ کے زمانے میں

مورخین کی زبان میں اسلامی تاریخ میں پیش آمدہ حالات کی تصویر حضور اکرمؐ کی ذاتی زندگی، آپؐ کا خاندان، آپؐ کے صحابہؓ کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور دین کی خاطر سرفروشیوں کو مغازی اور سیر کہتے ہیں۔ اسلام سے پہلے اہل عرب افسانوی روایات کے سوا تاریخ سے ناواقف تھے سب سے پہلے حضرت معاویہؓ میں تدوین تاریخ کا داعیہ پیدا ہوا آپ نے اس کام کے لئے مشہور مؤرخ عبید ابن شریہ کی خدمات حاصل کیں عبید نے "اخبار الملوک والماضین" کے نام سے کتاب لکھی دوسرے علماء نے عبید کے کام کو دیکھ کر مغازی وسیر پر قلم اٹھایا سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے فقہائے سبعہ میں عروۃ ابن زبیر نے قلمی کام کیا۔

حسن ابراہیم حسن رقمطراز ہیں:

"عروۃ ابن الزبیر اقدم من الف سیرۃ النبویۃ" (تاریخ الاسلام السیاسی ج ا صفحہ ۳۹۶)

فقہائے سبعہ ہی کے زمانہ میں مشہور عالم مدینہ امیر المومنین عثمانؓ بن عفان کے صاحبزادے حضرت ابان المتوفی ۱۰۵ھ نے سیرت کے موضوع پر قلمی کام کیا ان کے بعد ان کے شاگرد عبدالرحمٰن ابن المغیرہ نے "سیرت الرسولؐ" کے نام سے ان کی معلومات کو یکجا کیا۔ (مقدمہ سیرت ابن ہشام صفحہ ۵)

ان کے بعد مسلم ابن شہاب الزہری اور موسیٰ ابن عقبہ نے مغازی پر کتابیں لکھیں:

"وجمع کل من ابن شھاب الزھری وموسی ابن عقبہ کتابا فی المغازی"
(تاریخ الاسلام السیاسی ج ا صفحہ ۳۹۶)

فقہائے سبعہ کے زمانے میں عربی ادب

فقہائے سبعہ کا اصلی زمانہ ۴۱ھ سے ۱۱۰ھ تک ہے اور یہ دور اموی تاریخ کا وہ تابناک اور زریں دور ہے جس میں عربی ادب اپنے تمام گوشوں میں معراج کمال کو پہنچا ہوا تھا۔

پروفیسر حسن ابراہیم حسن رقمطراز ہے:

"انتظامی زندگی کی وسعتوں اور اقتداری ضروریات کی پہنائیوں کی وجہ سے دفاتر

حکومت نے جنم لیا اور دفاتر کے ذریعے انشاء و رسائل میں نثر کی وہ انواع اس دور میں رونما ہوئیں جن سے اس وقت تک اہل عرب روشناس نہ تھے اسی کو "نثر فنی" کہتے ہیں: یہ نثر فنی تمام سرکاری کاروبار میں والیان حکومت اور سرکاری ملازموں سے رابطہ پیدا کرنے کا ذریعہ تھی آغاز بھی اسی دور میں ہوا اور نشوونما کی ساری منزلوں سے گزر کر پختگی تک اسی دور میں پہنچی حتی کہ امویوں کے آخری دور میں مشہور ادیب عبدالحمید کاتب فنی کتابت کا موسس آیا اور اس نے فنی طور اس کے قواعد مرتب کئے"۔ (تاریخ الاسلام السیاسی)

جرجی زیدان لکھتا ہے:

"اسی زمانے میں فوجی، انتظامی اصلاحات اور دفتری زبان رونما ہوئی ہے مثلاً ثغور، عواصم، اقلیم، قصبہ، عمل، ولایت، حکومت، سکہ، توقیع، وظیفہ، خراج، جزیہ، مصادر، مکوس، دارالضرب، جرائد وغیرہ وغیرہ۔ اگر چہ یہ الفاظ زبان میں پہلے سے موجود تھے مگر ان کے مدلولات میں حالات کی تبدیلی سے انقلاب آ گیا اور نئے معانی کا لبادہ تیار ہوا"۔

(تاریخ آداب اللغتہ العربیہ ج۱ صفحہ ۲۳۱)

فقہائے سبعہ کے زمانے میں شاعری

اموی دور کی شاعری، شاعری کی حد تک تو زمانہ جاہلیت کے مسلک پر رہی لیکن اس میں تنوع اور بوقلمونی ضرور پیدا ہوئی۔ استاد احمد حسن الزیات نے درست لکھا ہے کہ:

"عربی شاعری جاہلیت اور اسلام میں اپنے ظاہر و باطن اور اپنی ذات کے لحاظ سے اموی حکومت کے آخر تک ایک ہی منہاج پر رہی، ہمسایہ مغلوب قوموں، سیاست، تمدن اور مذہب کے اثر نے اسے کسی نئے راستے پر نہیں ڈالا البتہ ان چیزوں نے اس کے بہت سے گوشوں کو اجاگر اور معانی و مضامین میں وسعت پیدا کر دی جس سے شاعری کے کچھ موضوعات کو تقویت پہنچی اور کچھ میں کوئی نمایاں خصوصیت پیدا ہو گئی"۔

(تاریخ الادب العربی صفحہ ۱۸۳)

لیکن جرجی زیدان نے اس سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"عربی شاعری میں بلحاظ تاثیر اور بلحاظ مرتبہ اتنی برتری کسی دور میں نہیں ہوئی جتنی دور اموی میں"۔ (تاریخ آداب اللغتہ العربیہ ج۱ صفحہ ۲۳۱)

امویوں کے زمانے میں شعر کے عروج و کمال اور بازار میں اس کی قیمت کے بالا ہونے کے مورخین نے کچھ اسباب بھی بتائے ہیں مثلاً:

امویوں کے زمانے میں قبائلی عصبیت کو زیادہ سے زیادہ ہوا دی گئی اور اموی سیاست اسی سے پروان چڑھی اموی امراء مال کے ذریعے شعراء کی پرورش کرتے تھے سرکاری خزانے سے شعراء کے وظائف مقرر تھے اموی حکومت عربی زبان کے فروغ اور اس کے احیاء میں کوشاں تھی حکمران خود ذوق شعری رکھتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کہتے تھے:

"اجعلو الشعر اکبر همکم" (العمدہ ج ا صفحہ ۱۰)

اموی اشعار یاد کرتے اور اس موضوع پر شعراء کی مجلسیں منعقد کرتے اور ان سے مباحثہ کرتے۔ (تاریخ اللغۃ العربیہ صفحہ ۲۴۵)

اس کے نتیجے میں وہ چیزیں ظاہر ہوگئیں جو شعر کے لوازم ہیں۔ مورخ نکلسن سے تاریخ الاسلام السیاسی کے مصنف نے ان لوازم کی کہانی نقل کی ہے:

"ہجرت کے قرن اول ہی میں مکے اور مدینے میں گویئے پیدا ہو گئے اور علم موسیقی کے بڑے بڑے اداکار، معبر، ابن شریح نے شہرت حاصل کی۔ عربی شاعری جب اس طبقہ میں آئی تو غزل گو شعراء نے جنم لیا نیک سیرت لوگوں نے ان کے خلاف دینی نقطۂ نظر سے صدائے احتجاج بلند کی"۔ (تاریخ الاسلام السیاسی ج ا صفحہ ۴۲۷)

احمد فرید رفاعی نے اس احتجاج کی تفصیل لکھی ہے:

"ابن جریج نے سچ کہا ہے کہ پردہ نشین جوان لڑکیوں کو عمر بن ربیعہ کے اشعار سے زیادہ خراب کرنے والے کوئی چیز نہیں"۔ (عصر المامون ج ا صفحہ ۵۷)

ہمارے علم کی حد تک فقہائے سبعہ میں دو شخصیتیں شعری ذوق سے مالا مال تھیں:۔

۱ ۔ عبیداللہ ابن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

۲ ۔ عروۃ ابن الزبیر بن العوام

ہم یہاں بطور نمونہ ان دونوں کا کلام نقل کرتے ہیں:

عبیداللہ فرماتے ہیں:

کتمت الهوی حتی اضر بک الکتم ولا مک اقوام ولو مهم ظلم
ونم علیک الکاشحون و قبل ذا علیک الهویٰ قد نم لو نفع النم

فیامن لنفس لا تموت فینقضی   عنا ها ولا تحمی حیاۃ لها طعم
تجنبت اتیان الحبیب تأثما   الا ان هجر ان الحبیب هو الاثم

(مجلۃ المجمع العلمی العربی جزء رابع اکتوبر ۱۹۶۴ء)

عروۃ ابن الزبیر کے بارے میں ان کے صاحبزادے ہشام کا انکشاف ہے کہ جب عروہ نے عتیق میں اپنا محل تیار کرلیا تو اس کی تیاری میں یہ اشعار کہے:

بنیناه فا حکمنا بناه   بحمدالله فی خیر العقیق
تراهم ینظرون الیه شزرا   یلوح لهم علی وضح الطریق
فساء الکاشحین وکان غیظا   لاعدائی و سدبه صدیقی
یراه کل مختلف وسار   ومعتمر الی البیت العتیق

(جامع بیان العلم ج ا صفحہ ۲۰۱)

فقہائے سبعہ کے زمانے کے اجتماعی حالات

اجتماعی زندگی دراصل شہری زندگی کے مختلف اطوار اور شئون کا نام ہے اس میں شہریوں کی مختلف جماعتیں اوران کے باہمی روابط، خاندانی حالات، گھریلو زندگی، شادی اور غمی کی رسوم، کھان پان، پوشاک و رہائش، آرائش و آسائش کے مختلف طریقے اور اس کے علاوہ شہریوں کے مختلف مظاہر اس میں شامل ہیں۔

فقہائے سبعہ کے زمانے کی سوسائٹی منتشر اور پراگندہ، مخلوط اور ممزوج تھی۔ فتوحات کی وجہ سے مختلف عناصر میں خلط ملط اور متبائن قسم کے لوگوں میں میل جول پیدا ہوا اس کے نتیجے میں مشرق و مغرب مل گئے اور مختلف تمدنوں، تہذیبوں اور افکار و آراء کو یک جائی کا موقعہ ملا۔ اس فکری امتزاج کو تشدد اور سختی سے کبھی نہیں روکا گیا اگرچہ امویوں نے عربی قومیت کو ہر ممکن طریقے پر قائم رکھنے کی کوشش کی اور عربی عصبیت کو زیادہ سے زیادہ ابھارا لیکن اس کے باوجود شہری زندگی میں اختلاط سے ایک نیا روپ رونما ہو گیا اور اس کا زندگی کی ہر شاخ پر اثر پڑا۔ ایرانی آئے اوران سے نظم اجتماعی متاثر ہوا۔ غناء و موسیقی کا گھر گھر چرچا ہوا اور تو اور حجاز میں بلکہ مدینہ میں شعرائے غزل پیدا ہو گئے۔

حسن ابراہیم حسن لکھتے ہیں:

"ولید ثانی کے زمانے میں شہریوں کو موسیقی اور گانے سے اس قدر والہانہ شیفتگی تھی کہ اس میں دولت لٹانے اور مشہور گویّوں اور موسیقاروں کی تلاش کے لئے معاشرے میں بھاگ دوڑ ہو رہی تھی امویوں کے اس ذوق وشوق کا مطالعہ کرنا ہو تو طبری کا یہ بیان پڑھیئے کہ یزید ابن عبدالملک نے سلیمان ابن عبدالملک کے زمانے میں حج کیلئے سفر کیا چار ہزار دینار میں ایک لڑکی "حبابہ" نامی خریدی سلیمان نے اس پر گرفت کی یزید نے اسے واپس کر دیا تو مصر کے ایک شہری نے اسے خرید لیا غناء اور موسیقی لوگوں میں عام ہو گئی تھی۔ اور پوری شہری زندگی اس سے متاثر تھی"۔ (تاریخ الاسلام السیاسی ج ۱ صفحہ ۴۱۱)

اسی کا نتیجہ ہے کہ حالات میں بگڑتے بگڑتے اس درجہ گراوٹ آ گئی کہ ابن عبدربہ نے لکھا ہے کہ:

"ولید نے مدینہ طیبہ لکھا کہ اشعب مسخرے کو میرے پاس روانہ کیا جائے اشعب جب دمشق پہنچا تو ولید نے بندر کی ایسی کھال جس میں دم بھی تھی اسے پہنائی اور حکم دیا کہ کھال پہنے ہوئے میرے سامنے ناچو اگر ایسا کرو گے تو ہزار درہم انعام دوں گا۔ اشعب اسی طرح ناچا ولید کو پسند آیا اور اسے ہزار درہم ملے"۔ (العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۲۲۸)

خود مدینہ طیبہ میں یہ بیماری پھیل گئی تھی مشہور مغنی طویس مدینہ ہی میں پیدا ہوا اور اہل مدینہ اس کے گانے کے شائق تھے۔ ابن عبدربہ نے بتایا ہے کہ:

"ان حالات سے تنگ آ کر فقہائے سبعہ میں سے عروۃ ابن الزبیر نے مدینہ طیبہ کی زندگی کو خیر باد کہہ دیا اور شہر سے باہر اپنا مکان بنا لیا"۔

وہ لکھتے ہیں:

"ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عروۃ نے عقیق میں جب اپنا مکان بنایا تو لوگوں نے کہا کہ آپ حضور اقدس ﷺ سے دور چلے گئے فرمایا کہ تمہاری مسجدیں لہو ولعب سے بھری ہوئی ہیں اور تمہارے بازار لغویات کی آماجگاہ ہیں بدکاری تمہاری سڑکوں پر تن کر چلتی ہے اور میں یہاں ان تمام چیزوں سے عافیت میں ہوں"۔ (جامع بیان العلم ج ۲ صفحہ ۲۵۰)

الغرض رہائش، پوشاک، خوراک، زندگی کی ہر شاخ میں اسراف نے جگہ لے لی تھی۔ بیت المال کو سوائے عمر بن عبدالعزیز کے سب نے اپنی ذاتی ملکیت قرار دیا تھا۔ ابن عبدربہ نے ہشام کے بارے میں لکھا ہے:

''حج کے ارادے سے نکلا اور چھ سو اونٹوں پر صرف اس کے بدن کے کپڑے تھے''۔ (العقد الفرید ج ۱ صفحہ ۳۶۶)

کھانے کے دستر خوان میں بھی بہت بڑا انقلاب آ گیا تھا۔ حسن ابراہیم حسن رقمطراز ہے:

''برتن چین سے درآمد ہوتے، کرسیوں پر بیٹھ کر ٹیبل لگا کر کھانا کھاتے ٹیبل پر شاندار دستر خوان ہوتا''۔ (تاریخ الاسلام السیاسی صفحہ ۴۶۷)

امراء کو مادی قوت، حکومت و سلطنت حاصل تھی صرف یہی نہیں کہ قانون کے نافذ کرنے میں اپنے پرائے دوست دشمن کا فرق کیا جاتا بلکہ اسلامی قانون کی اپنے مطلب کے مطابق تشریح کا حق بھی ان امراء نے اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ عبداللہ ابن زبیر کے خلاف جب مدینہ منورہ کے والی عمر بن سعید نے مکہ پر فوجی حملہ کرنا چاہا تو ایک صحابی ابی شریح نے مجلس میں کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

''اے امیر! مجھے اجازت دیں کہ میں آپ سے ایک ایسی بات کہوں جسے حضور انور ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے دن فرمایا تھا میرے دونوں کانوں نے اسے سنا ہے اور میرے دل نے اسے یاد رکھا ہے اور جس وقت حضور انور ﷺ فرما رہے تھے میری آنکھیں حضورؐ کو دیکھ رہی تھیں'' ابو شریح نے اتنی تمہید کے بعد حضور انور ﷺ کا یہ حکم سنایا کہ:

''حرم میں خونریزی ہمیشہ کیلئے حرام کی جاتی ہے''۔

سب کچھ سننے کے بعد عمر بن سعید نے ابو شریح کو جھڑک کر کہا ابو شریح! میں تجھ سے زیادہ عالم ہوں بے چارے ابو شریح اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور یوں گویا ہوئے:۔

''میں تو حضور انور ﷺ کی صحبت میں موجود تھا اور تو غائب تھا'' (بخاری شریف ج ۲ صفحہ ۲۲۲)

عدالتوں میں جج امراء اپنے صوابدید سے مقرر کرتے۔ السیوطی رقمطراز ہیں:

" انما کان ولاۃ البلاد ھم الذین یولون القضاۃ " (حسن المحاضرہ صفحہ ۸۸)

یعنی شہروں میں قاضی حکمران ہی مقرر کرتے تھے۔

مروان نے ایک بار سربراہ مملکت کی حیثیت سے مصر کا دورہ کیا قاضی کو بلایا جس کا نام ''عابس'' تھا اس کے علم و فضل کا اندازہ کرنا ہو تو ''حسن المحاضرہ فی احوال مصر والقاہرہ'' میں سیوطی کا یہ بیان پڑھیے کہ مروان نے اس ناخواندہ قاضی سے دریافت کیا:

مروان: اجمعت کتاب اللہ؟
قاضی: لا
مروان: فاحکمت الفرائض؟
قاضی: لا

مروان کو اس پر حیرت ہوئی اور پوچھا:۔ فبم تقضی؟

اس قاضی کے تقرر کی وجہ مورخین نے یہ لکھی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے مصر کے امیر مسلمہ کو یزید کی بیعت کے بارے میں لکھا تھا مسلمہ نے بیعت لینی شروع کی اور تو کسی نے انکار نہ کیا لیکن حضور انور ﷺ کے مشہور صحابی عبداللہ ابن عمروؓ نے بیعت سے انکار کر دیا مسلمہ نے اعلان کیا کہ عبداللہؓ کو درست کرنے کے لئے کون تیار ہے؟ لکھا ہے کہ عابس نامی کھڑا ہوا اور بولا میں یہ کام کروں گا۔ چنانچہ عابس پولیس کی جمعیت لے کر پہنچا اور حضرت عبداللہؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور پوچھا بتاؤ! بیعت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے انکار کیا عابس نے اس کے بعد کیا کیا؟ مورخین لکھتے ہیں:۔

"اس نے آگ لکڑی جمع کی تا کہ ان کے محل کو نذر آتش کر دے"۔

(حسن المحاضرہ صفحہ ۱۰۰)

بے چارے عبداللہؓ نے مجبوراً بیعت کی اس کے صلے میں اس جاہل کو عدلیہ کا جج مقرر کر دیا گیا۔ اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں امراء کا کیا حال تھا۔ امویوں کے زمانے میں ایسے واقعات مسلسل پیش آتے تھے مثلاً ایک واقعہ اور درج ہے جسے السیوطی نے قاضی خیر ابن نعیم کے ذکر میں بیان کیا ہے:

"ایک فوجی سپاہی نے کسی آدمی کو گالی دی اس نے قاضی خیر کی عدالت میں دعویٰ کیا ور اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک گواہ پیش کیا قاضی خیر نے سپاہی کو حوالات میں رکھنے کا حکم اس وقت تک کے لئے دیا جب تک کہ مدعی دوسرا گواہ پیش نہ کرے مصر کے گورنر نے اپنا آدمی بھیج کر سپاہی کو حوالات سے نکلوا دیا قاضی خیر کو جب اس کا علم ہوا تو قضا سے مستعفی ہو گئے"۔ (حسن المحاضرہ صفحہ ۲۰۳)

علماء دینی اعتبار سے خاص مقام کے حامل تھے ان کی دینی معاملات میں اطاعت کی جاتی تھی حکومت ان کی مخالفت نہ کرتی تھی جب تک کہ یہ اقتدار میں حائل نہ ہوتے یا

حکومت کے عائد کردہ محاصل میں رکاوٹ نہ ڈالتے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابن عبدربہؒ نے لکھا ہے کہ عبدالملک نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ لوگوں سے عبدالملک کے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کے لئے بیعت لی جائے تمام شہریوں نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن سعید ابن المسیب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جب تک خود عبدالملک بقید حیات ہے وہ بیعت نہیں کر سکتے ہشام نے سعید کو پٹوایا اور پوری طرح ذلیل کیا مدینہ کے باہر لوگوں کو حکم دیا کہ سولی پر چڑھا دو یا قتل کر دو مگر پھر واپس بلا لیا عبدالملک کو جب واقعہ کا علم ہوا تو ہشام کو سخت سست کہہ کر بولا:

"سعید جیسوں کو دروں سے نہیں مارنا تھا بلکہ مناسب یہ تھا کہ اسے بیعت کو کہتا اگر انکار کرتا تو گردن مار دیتا"۔ (العقد الفرید ج ۵ صفحہ ۱۸۴ وصفحہ ۱۸۵)

کوئی شبہ نہیں کہ اس دور میں علماء کو اجتماعی زندگی میں دینی معاملات کی حد تک اقتدار بھی حاصل تھا فقہائے سبعہ جو اپنے زمانے میں فقہ و حدیث کا مرجع تھے ان کے متعلق عبداللہ ابن المبارک کا بیان ہے کہ:

"جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو یہ سب ایک ساتھ مل کر غور کرتے اور جب تک وہ ان کے سامنے آ کر طے نہ ہو جاتا عدالت اس کی بابت کوئی فیصلہ نہ کرتی"۔ (فتح المغیث صفحہ)

ان علماء کے ذریعے واقعی شہری زندگی میں علم کا پایہ اونچا تھا ان کی دینی معاملات میں اطاعت کی جاتی تھی لیکن ان میں ضعف اس بات سے آ گیا تھا کہ ان کی زبانوں پر حکومت کی جانب سے تالے لگے ہوئے تھے عبدالملک نے خود مدینہ منورہ پہنچ کر ایک روز حضور انور ﷺ کے منبر سے یہ اعلان کیا' نہیں' بلکہ آرڈیننس نافذ کیا کہ:

"خدا کی قسم! میں کمزور خلیفہ نہیں ہوں اشارہ حضرت عثمانؓ کی طرف تھا اور نہ میں مدارات کرنے والا سخن ساز ہوں اشارہ حضرت معاویہؓ کی طرف تھا تم ہم یعنی حکمرانوں سے مطالبہ کرتے ہو لیکن اپنے آپ کو بھول جاتے ہو یاد رکھو آج کے دن کے بعد اگر کسی نے مجھ سے تقویٰ کی فرمائش کی تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (احکام القرآن للجصاص ج ا صفحہ)

حجاج' عبدالملک کا گورنر ہے اس کی تلخی اور تندی کی تفصیلات ایک مستقل کتاب کا موضوع ہیں لیکن الجصاص نے جو کچھ لکھا ہے وہ پیش کرتا ہوں عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے کہ:

"جمعہ کے روز دوپہر کے وقت حجاج باہر نکلا اور منبر پر خطبہ دینے لگا کبھی خطبے میں

شام والوں کا ذکر کر کے ان کی تعریف کرتا اور کبھی عراق والوں کی مذمت کرتا۔ تقریر اتنی لمبی تھی کہ مسجد کے میناروں پر سرخی کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی تب حجاج نے موذن کو حکم دیا اس نے تکبیر کہی اور جمعہ کی نماز پڑھائی پھر موذن نے عصر کی اذان دی اور حجاج نے ہی عصر کی نماز پڑھائی اس کے بعد مغرب کی اذان ہوئی اور اس نے مغرب کی نماز پڑھائی نماز میں بڑے بڑے لوگ تھے لیکن کسی میں یارائے سخن نہیں تھا"۔ (احکام القرآن ج ۲ صفحہ ۸۲)

حسن بصری نے ایک طویل بیان میں حجاج کے متعلق یہ تاثرات بتائے ہیں:

"منبر پر چڑھ جاتا اور بک بک شروع کر دیتا تا ایں نماز کا وقت جاتا رہتا نہ خدا سے ڈرتا اور نہ مخلوق سے شرماتا اوپر اس کے خدا ہوتا اور نیچے ایک لاکھ سے زیادہ سامعین، کوئی شخص نہیں بول سکتا تھا"۔ (احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۸۳)

یعنی گویا ہر شخص کے سر پر ننگی تلوار تھی زبان سے لفظ نکلا اور سر گردن سے جدا ہوئی۔ حسن بصری نے اس دور کے لئے کیسی درد انگیز تعبیر اختیار کی ہے:

" هيهات والله حال دون ذالك السيف والصوت" (احکام القرآن ج ۲ صفحہ)

امراء اور علماء کی نگرانی میں جو لوگ زندگی گزار رہے تھے وہ عوام تھے عوام کاشتکاروں اور ہنر مندوں پر مشتمل تھے ایک طبقہ تاجروں کا بھی تھا ان میں سب سے زیادہ سقیم اور ناگفتہ بہ حالت کاشتکاروں کی تھی۔ زمینوں کو جوتتے، بوتے اور اپنی محنت سے سر سبز وشاداب بناتے لیکن ان کے مالک دراصل امراء تھے جو ان کی پیداوار کی روح کھینچ لیتے۔ عراقی زمینوں کے بارے میں امویوں کا تاثر یہ تھا کہ:

" السواد بستان قريش ماشئنا اخذنا وماشئنا تركنا " (تاریخ التمدن الاسلامی ج ۲ صفحہ ۱۸)

"عراقی زمین تو قریش کا باغ ہے ہم جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں۔"

فقہائے سبعہ کے زمانے کی سیاسی تاریخ

فقہائے سبعہ نے چونکہ اپنی زندگی کے ایام اموی دور میں بسر کئے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس دور کے سیاسی حالات پر بھی مختصراً تبصرہ کریں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اموی حکومت خلافت راشدہ اور عباسی حکومت کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتی ہے جرجی زیدان رقمطراز ہے:

"اموی حکومت خلافت راشدہ سے تو اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ خلافت راشدہ اگر خالص دینی منہاج کا نام ہے تو اموی حکومت خالص دنیوی سیاسی نظام ہے اور دولت عباسی سے اس حیثیت سے الگ ہے کہ عباسی حکومت اگر عربیوں اور عجمیوں کی ملی جلی حکومت ہے تو اموی حکومت عربی حکومت ہے"۔ (تاریخ التمدن الاسلامی ج ۲ صفحہ ۱۸)

اب تک فقہاء اور خلفاء میں چولی دامن کا ساتھ تھا امویوں نے چونکہ حکومت پر چالاکی سے قبضہ کیا تھا اس لئے عمر بن عبدالعزیز کو چھوڑ کر سارے اموی دور میں حکومت کا فقہائے سبعہ سے رابطہ نہیں رہا۔

"غفل بنو امیه المدينة وفقهاء ها الا عمر بن عبدالعزيز فانه عاد الى مشورتهم فنزل الا حرار من الفقهاء فى زوايا الا همال معظم ايام بنى امية"

(تاریخ التمدن الاسلامی ج ۳ صفحہ ۱۹۶)

اموی حکومت میں جو علمی اور اجتماعی روح پائی جاتی تھی وہ اہل علم اور فقہائے سبعہ کی مرہون منت تھی حکومت کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا علماء صحابہ کرامؓ کے علمی ورثے سے مالا مال تھے امویوں کے زمانے میں خلافت نے ملوکیت اور استبداد کا لبادہ پہن لیا تھا اس لئے کثرت سے بدامنی رونما ہوئی بظاہر کبھی امن وسکون کی فضا پیدا ہوتی مگر دلوں میں حسد وعناد کی آگ فروزاں تھی۔ سیاسی طور پر اس دور کا آغاز اس طرح ہوا کہ مسلمانوں کی رائے عامہ نے ۴۱ھ میں حضرت معاویہؓ کی سربراہی قبول کر لی تاریخ میں اسے "عام جماعۃ" کہتے ہیں لیکن مخالف سیاسی جراثیم مٹے نہیں تھے بلکہ وقتی طور پر دب گئے تھے حضرت معاویہؓ کے خلاف دو سیاسی گروہ تھے۔ شیعہ اور خوارج۔ فقہائے سبعہ میں سے آپ جن بزرگ کا بھی اس کتاب میں تذکرہ پڑھیں گے ان میں ان سیاسی تنظیموں کا کسی نہ کسی حیثیت سے ذکر ضرور آئے گا۔ جس طرح بعض سیاسی اسباب کی بنا پر کچھ سیاسی پارٹیاں پیدا ہو گئیں تھیں ایسے ہی سیاسی انتشار اور نئی نئی قوموں کے اسلام میں داخل ہونے اور پھر امویوں کے زمانے میں یونانی اور ہندی کتابوں کے تراجم سے بعض دینی فرقے پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں نت نئے فتنے پیدا ہو گئے۔ حضرات فقہائے سبعہ ان فرقوں کے پیدا کئے ہوئے مسائل سے نظر ہٹا کر شریعت کی سادہ اور اعلیٰ تعلیم کی حفاظت اور اشاعت میں لگے ہوئے تھے لیکن پھر بھی ان کو کبھی کبھی ان کے خلاف زبان کھولنی پڑتی تھی اس کا

ذکر کتاب میں بار بار آئے گا اس لئے اس کی تفصیل ضروری ہے۔

شیعیت

یہ اگر چہ خالص تحریک ہے لیکن بعد میں اس نے ایک مذہبی فرقے کی حیثیت اختیار کر لی ان کی مذہبی اور سیاسی کشمکش کی داستان بڑی طویل ہے اس سلسلے میں ہم یہاں احمد امین کا تبصرہ نقل کرتے ہیں جس سے ان کی سیاسی اور مذہبی پوزیشن کا کچھ اندازہ ہو جائے گا:۔

"حق یہ ہے کہ شیعیت ان تمام لوگوں کے لئے جائے پناہ تھی جو کسی قدیم عداوت یا حسد کی بناء پر اسلام کی بنیاد کو گرانا اور اپنے اسلاف واجداد کی تعلیمات کو اس میں داخل کرنا چاہتے تھے مثلاً یہودی، عیسائی، مجوسی اور مزدکی وغیرہ۔ اس طرح ان لوگوں کے لئے بھی جائے پناہ تھی جو اپنے ملک کو اسلامی ملک سے کاٹنا اور حکومت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے تھے غرضیکہ ایسے تمام افراد اہل بیت کی محبت کا نعرہ لگا کر اپنی اغراض کی تکمیل کرنا چاہتے تھے مثال کے طور پر تشیع میں یہودیت کا اثر ظہور رجعت امام کے عقیدے میں دیکھا جا سکتا ہے جس طرح یہود نے کہا کہ ہم کو چند روز آگ جلائے گی اس طرح یہ عقیدہ تشیع میں بھی کسی نہ کسی طرح موجود ہے عیسائیت سے ان میں یہ تصور آیا کہ امام کو خدا سے وہی نسبت ہے جو حضرت مسیحؑ کو خدا سے تھی انہوں نے کہا کہ لاحوت سے عالم ناسوت میں امام کا روپ بدلا ہے اور نبوت و رسالت کبھی ختم نہ ہوگی جس نے بھی لاحوت سے تعلق پیدا کر لیا وہ نبی ہے اس طرح تناسخ ارواح، خدا کی تجسیم اور حلول باری کا عقیدہ ان میں برہموں اور فلاسفہ کے اثر سے آیا"۔ (فجر الاسلام صفحہ ۲۷۷)

مقریزی نے لکھا ہے کہ:

"جب اہل ایران نے میدان جنگ میں شکست کھائی تو ان میں سے ایک جماعت نے ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ پہن لیا اور جو لوگ اہل بیت کی محبت کا نعرہ لگا رہے تھے ان کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کو راہ حق سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے"۔ (مقریزی ج ا صفحہ ۳۸۲)

استاد ڈلہوزن سے احمد امین نے نقل کیا ہے:

"شیعی فکر بہ نسبت فارس کے یہودیت سے دودھ پی کر پلا ہے کیونکہ شیعیت کا

اصلی موسس عبداللہ ابن سبا یہودی تھا"۔ (فجر الاسلام صفحہ ۲۷۰)

استاد ڈوزی کی رائے ہے:

"شیعہ تحریک کی اساس فارسی ہے عرب آزاد اور حریت پسند تھے ایرانی شہنشائیت نواز اور وراثتی حکومت کے معتقد تھے جمہوریت اور انتخابی حکومت سے ناآشنا تھے یہ دیکھ کر حضور انور ﷺ سے قرابت میں علی مرتضیٰ ؓ قریب ترین ہیں' خلافت کے لئے حضرت علی ؓ کا دم بھرنے لگے چونکہ سربراہ مملکت میں الٰہی پرتو دیکھنے کے پہلے سے عادی تھے اس لئے حضرت علی ؓ کو انہوں نے یہی حیثیت دے کر یہ اعلان کر دیا کہ امام کی طاعت واجب ہے"۔ (فجر الاسلام صفحہ)

ابن حزم رقمطراز ہیں:

"عبداللہ ابن سبا کے ساتھی حضرت علی ؓ کے پاس آئے اور بولے کیا آپ وہ ہیں حضرت علی ؓ نے کہا کون وہ؟ بولے کہ اللہ! حضرت علی ؓ غضبناک ہو کے اٹھے اور آگ روشن کرنیکا حکم دیا اور اپنے غلام سے کہا کہ ان زنادقہ کو آگ میں جلا دو آگ میں گر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اب پتہ چلا کہ آپ اللہ ہیں۔" (الفصل فی الملل والنحل ج ۱ صفحہ ۱۸۶)

ابن حزم نے ہی یہ بتایا ہے کہ جب عبداللہ ابن سبا کو حضرت علی ؓ کی شہادت کی خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ اگر ستر بار بھی ان کا دماغ میرے پاس لاؤ گے تب بھی میں ان کی موت نہ مانوں گا وہ زمین کو گہوارۂ عدل بنانے سے پہلے مر نہیں سکتے۔ الشہرستانی لکھتے ہیں:

"سبیہ کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ حضرت علی ؓ بادلوں میں تشریف فرما ہوتے ہیں یہ بجلی کی چمک اور کڑک آپ کے سانٹے کی آواز ہے اور آپ دوبارہ تشریف لائیں گے اور زمین کو عدل سے بھر دیں گے"۔ (الملل والنحل ج ۲ صفحہ ۱۱)

ان کا سیاسی منہج یہ ہے کہ امامت مصلحت عامہ کی چیز نہیں کہ امت مسلمہ کو سونپ دی جائے اور عام عوام کی رائے سے مقرر کیا جائے بلکہ یہ دین کا ستون اور اسلام کی اساس ہے کسی نبی کے لئے اس سے غفلت برتنا اور امت کے حوالے کر دینا درست نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے لئے امام مقرر کرے ایسے امام کو صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۶۴) جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ

ابتداء میں یہ ایک سیاسی تحریک تھی جس نے بعد میں مذہبی فرقے کی حیثیت اختیار کر لی فقہائے سبعہ کے زمانے میں یہ صرف تفضیلیت تک محدود تھی یعنی اس خیال کے لوگ حضرت علیؓ کو شیخین سے افضل سمجھتے تھے۔ شیعوں کے یہ مشہور بڑے فرقے ہیں: سبئیہ، کیسانیہ، زیدیہ، امامیہ، اثنا عشریہ، زیدیہ تمام فرقوں میں اہل سنت کے زیادہ قریب ہے۔

خوارج

خوارج کی ابتداء اس جنگ سے ہوئی جو حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان مقام صفین میں ہوئی۔ مؤرخ طبری لکھتا ہے کہ:

"جماعت حضرت علیؓ کے ساتھ صفین گئی پوری جماعت میں الفت اور ہم آہنگی تھی لیکن واپسی پر باہم منتشر اور سینوں میں بغض وعدادت لے کر آئے تحکیم کے مسئلے پر یہ لوگ حضرت علیؓ سے الگ ہو گئے ان کا کہنا تھا کہ یہ اللہ کے حکم کی توہین ہے واپسی پر یہ لوگ کوفے نہیں بلکہ حروراء رہ گئے ان کی تعداد بارہ تھی وہاں انہوں نے اپنی جداگانہ تنظیم قائم کر لی۔" (تاریخ طبری ج ا صفحہ ۳۰)

حضرت معاویہؓ کے زمانے میں خوارج نے فروہ ابن نوفل کی قیادت میں ہنگامہ آرائی کی اور کوفے میں ان سے مقابلہ ہوا عبدالملک کی حکومت آئی تو مہلب ابن صفرہ کی کمان میں بصرہ ان کی جولانگاہ بنا ان کا لیڈر مارا گیا اور میدان احنف ابن قیس کے ہاتھ آیا وہاں سے یہ کرمان اور اصفہان میں پھیل گئے حکومت نے ان کا تعاقب کیا بہت بڑی فوجی کارروائیوں کے باوجود بھی حکومت ان کی یورشوں پر قابو نہ پا سکی ولید اور سلیمان کے زمانے میں خاموش رہے لیکن عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ اقتدار میں شوذب نامی شخص نے پھر ہنگامہ کیا ان کے چند مخصوص افکار ونظریات یہ تھے:

الف: خلیفہ کا تقرر آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کے ذریعے ہونا چاہئے جس میں سارے مسلمان حصہ لیں۔

ب: خلافت کسی عرب خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

ج: خلیفہ اس وقت تک اپنے منصب پر قائم ہے جب تک وہ عدل کا دامن تھامے ہوئے ہے اور شریعت کے احکام کو نافذ کر رہا ہے اگر ان کو چھوڑ دے تو اس کا عزل واجب ہے۔

د : خوارج ہر گنہگار کو کافر سمجھتے تھے خواہ یہ گناہ بالا رادہ ہو یا بلاارادہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تحکیم کے معاملے میں معاذ اللہ حضرت علیؓ کو بھی کافر سمجھتے تھے وہ موالی کو حقیر جانتے تھے، مسلمان کا قتل روا سمجھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ (ابوحنیفہ صفحہ ۲۰۴)

خوارج بھی شیعوں کی طرح سیاسی اور دینی تنظیم تھی لیکن چونکہ ان پر دین کا غلبہ تھا اس لئے ان کے عقائد و اعمال میں بعض خوبیاں تھیں مثلاً وہ انتہائی عبادات گذار اور دیانت دار تھے وہ جو قدم اٹھاتے ان میں دینی رنگ غالب ہوتا تھا ان کا سب سے بہتر عقیدہ یہ تھا کہ خلافت کسی خاندان یا گروہ کیلئے مخصوص نہیں اور ان کا سب سے غلط عقیدہ یہ تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں رہے گا۔ شیعوں کے مقابلے میں ان میں خوبیاں زیادہ اور برائیاں کم تھیں۔ اسی لئے اخیار امت کا سلوک ان سے قدرے ہمدردانہ رہا۔ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے۔

"میرے بعد خوارج سے جنگ نہ کی جائے اس لئے کہ جس شخص نے حق طلب کیا مگر اس میں اس سے غلطی ہوئی اس شخص کی طرح نہیں جس نے باطل طلب کیا اور اسے پا بھی لیا"۔ (فجر الاسلام صفحہ ۳۱۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز خوارج کو مخاطب کر کے فرماتے کہ:۔

"میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ موقف دنیا اور نتائج دنیا کیلئے اختیار نہیں کیا بلکہ آخرت کیلئے اختیار کیا ہے لیکن راستہ اختیار کرنے میں تم سے غلطی ہوئی ہے"

(الکامل لابن اثیر ج ۲ صفحہ ۳۶)

شروع میں خوارج اگرچہ ایک خالص سیاسی تنظیم تھی مگر بعد میں انہوں نے دینی لبادہ پہن کر ایک دینی فرقے کی حیثیت اختیار کر لی۔ حسن ابراہیم حسن رقمطراز ہے:۔

"كانت صنعة الخوارج منذ نشئتهم صنعة سياسية خالصة"

(تاریخ الاسلام السیاسی صفحہ ۳۰۱)

مشہور مورخ نکلسن لکھتا ہے کہ:

"عبدالمالک کی خلافت تک خوارج ایک سیاسی تنظیم تھی بعد ازیں انہوں نے اپنے سیاسی افکار میں دینی عقائد کی آمیزش کر لی اور انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ اوامر دین پر عمل جزو ایمان ہے اور ایمان صرف اللہ کی وحدانیت اور حضور انور ﷺ کی رسالت پر اعتقاد

کا نام نہیں ہے جو شخص بھی اس کے ساتھ فرائض دینی کی پابجائی نہ کرے اور کبائر کا مرتکب ہو وہ کافر ہے ان کے دینی عقائد میں سیاسی عصبیت کا بہت ہاتھ تھا دین کی حد تک ان میں بے حد صلاحیت تھی مروت اور یُسر سے ان کی زندگی یکسر خالی تھی"۔ (عربک ہسٹری صفحہ ۲۱۰ منقول از تاریخ الاسلام السیاسی)

فقہائے سبعہ کا پورا زمانہ ان سیاسی یورشوں اور ہنگاموں سے بھرپور ہے یہ حضرات گو ان ہنگاموں سے الگ تھلگ تھے مگر پھر بھی ان کو کبھی کبھی ان فتنوں کے متعلق کچھ کہنا پڑتا تھا۔

فقہاء سبعہ کی محنتوں کے نتائج

بنی امیہ کے اس مادی اقتدار اور اس کے قدرتی اسباب کے باوجود اس عہد تک دین کا وقار اور اس کا اخلاقی اثر کسی حد تک مسلمانوں کی زندگی میں قائم تھا یہ دینی وقار اور اخلاقی اثر ان فقہاء سبعہ کی بدولت تھا جو دینی و علمی حیثیت سے بلند مقام کے مالک تھے اور اپنی للّٰہیت، اخلاص، پاکیزہ نفسی اور علم و تفقہ میں مشہور تھے حکومت اور انتظامات حکومت سے باہر ان ہی حضرات کا اثر و اقتدار تھا۔ اس اثر اور قلبی احترام کی وجہ سے مسلمان بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں سے محفوظ تھے اور مادیت کے سیلاب میں بالکل بہہ جانے سے رکے ہوئے تھے یہ دینی شخصیتیں سب بااثر اور عوام کی محبوب شخصیتیں تھیں جو عبادت و تقویٰ اور زہد و ورع میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے مسلمانوں کو ان کے ساتھ جو تعلق تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک دن ہشام بن عبدالملک کعبہ میں آیا تو اچانک سالم بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی۔ ہشام نے کہا سالم! مجھ سے کچھ مانگئے فرمایا مجھے اللہ کے گھر میں غیر اللہ سے کچھ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے سالم باہر آئے تو ہشام نے پھر کہا اب تو آپ اللہ کے گھر سے باہر ہیں اب کچھ اپنی ضرورت بتایئے فرمایا کونسی ضرورت دنیوی یا اخروی؟ ہشام نے کہا دنیوی! فرمایا کہ دنیا تو میں کبھی دنیا کے مالک سے نہیں مانگتا تو اس سے کیسے مانگوں جو دنیا کا مالک ہی نہیں ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۲۳۵)

ایک مرتبہ یہی ہشام بن عبدالملک اپنے ولایت عہد کے زمانے میں طواف کے لئے آیا ہجوم بے پناہ تھا اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ ہجوم چھٹ جائے تو وہ طواف کرے اس درمیان میں علی بن الحسین آگئے ان کا آنا تھا کہ ہجوم کائی کی طرح پھٹ گیا اور انہوں نے

باآسانی طواف کیا وہ جدھر سے گزرتے لوگ احتراماً راستہ چھوڑ دیتے شامیوں نے ھشام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ ھشام نے انجان بن کر کہا مجھے معلوم نہیں عہد اموی کے مشہور شاعر فرزدق نے برجستہ اشعار میں اس کے تجاہل عارفانہ کا جواب دیا اور ان کا شایان شان تعارف کرایا یہ قصیدہ اب بھی عربی ادب میں یادگار ہے اور اس کا مطلع یہ ہے:

هذالذی تعرف البطحاء وطاء ته والبیت یعرفه والحل والحرم

(البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۸)

یہ فقہائے سبعہ اور دوسرے تابعین مثلاً زین العابدین اور سالم بن عبداللہ وغیرہ اسلام کی صحیح زندگی کا نمونہ تھے انہوں نے اپنی خودداری، حکومت سے بے تعلقی، بے باکی، علمی انہماک اور بے غرض خدمت دین سے اپنی اخلاقی برتری کا نقش قائم کر دیا تھا حکومت کے بڑھتے ہوئے ہمہ گیر اثرات کے مقابلے میں یہ اخلاقی اثر اگرچہ کافی نہ تھا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ بے قیمت اور بے نتیجہ بھی نہ تھا اس سے مسلمانوں کی زندگی میں کس حد تک اعتدال وتوازن اور دین کا احترام قائم تھا اور کبھی کبھار عین دنیوی انہماک میں بھی اصلاح حال کا جذبہ ابھرتا تھا حکومت واقتدار پر ان کے اثر کا اندازہ کرنا ہو تو عبداللہ بن المبارک کا یہ بیان پڑھیے کہ:

”جب عوامی زندگی میں کوئی دریافت طلب مسئلہ درپیش آتا تو فقہاء سبعہ مل کر بیٹھتے اور اس پر غور وفکر کرتے اور مملکت میں کوئی عدالت اس وقت تک فیصلہ نہ کرتی جب تک معاملہ ان کے روبرو پیش نہ ہوتا اور یہ اس پر غور کر کے قرآن وسنت کی رہنمائی میں فتوی نہ دیتے“۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ صفحہ ۱۳۷)

امویوں کی فوجی حکومت میں حالات پر اتنا قابو پا لینا کوئی آسان کام نہ تھا یہ فقہاء سبعہ کی اس دور میں بہت بڑی کامیابی تھی اموی حکومت ایسی مستحکم فوجی بنیادوں پر قائم تھی کہ آسانی سے ہلائی نہیں جاسکتی تھی اس وقت کوئی بیرونی یا اندرونی طاقت ایسی نہ تھی جو اسے میدان جنگ میں شکست دیتی۔ ماضی قریب میں دو بڑی تحریکیں ناکامی کا منہ دیکھ چکی تھیں ایک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سرفروشانہ اقدام، دوسرے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا دلیرانہ اور منظم مقابلہ۔ شخصی اور موروثی حکومت میں اصلاح وتبدیلی کے دروازے بند کر دیئے گئے اس وقت اسلام کو غالب ہونے کے لئے ایک معجزے کی ضرورت تھی۔ فقہائے سبعہ نے ان

تھک محنتوں سے شاہی خاندان کے افراد کو تعلیم و تربیت کے ذریعے تیار کرنا شروع کیا پہلے عبدالملک پر محنت کی مگر ناکامی ہوئی پھر خود بانی خاندان کے پوتے عمر بن عبدالعزیز کو تعلیم و تربیت کے ذریعے تیار کیا یہ تیر نشانے پر لگ گیا۔ عمر بن عبدالعزیز دراصل فقہائے سبعہ کا ایک اعجازی کارنامہ ہیں اور اتنا بڑا کارنامہ کہ بنی امیہ کے خاندان میں ایک خلیفہ راشد پیدا ہوگیا جس نے حالات میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اب تک اسلامی زندگی کے لئے فقہائے سبعہ جو علمی خدمات انجام دے رہے تھے ان کو عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانہ خلافت میں باضابطہ اور باقاعدہ بنانے کے لئے اقدامات کئے دینی علوم کی تدوین اور سنتوں کے احیاء کی طرف توجہ کی تمام قلمرو میں گشتی فرمان جاری کر دیا: ''انظر واحدیث رسول اللہ فاجمعوہ '' (فتح الباری ج ۱ صفحہ ۲۴) علماء کے وظائف مقرر کئے تا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ علم کی اشاعت اور تعلیم کا کام کریں۔ (سیرت عمر صفحہ ۱۶۷) یہ وہ عظیم انقلاب تھا جو فقہائے سبعہ کی محنتوں کا رہین منت ہے۔

1

سعید ابن المسیب

علم کے مینار' صبر کے پہاڑ
(۱۵ھ تا ۹۴ھ)

نام ،کنیت اور لقب

نام سعید ،کنیت ابو محمد ہے ابن خلکان نے سید التابعین ،ابن العماد نے الامام اور الذہبی نے شیخ الاسلام کے القاب سے نوازا ہے۔

ولادت

مشہور و معروف روایت کے مطابق سعید ابن المسیب حضرت عمر فاروق ؓ کی خلافت کے دوسرے سال یعنی ۱۵ھ مطابق ۶۰۳ء کو تولد ہوئے خود ان کے اس بیان سے جسے ابن حجر عسقلانی نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس کی تائید ہوتی ہے فرماتے ہیں: ''میں خلافت عمر کے دو سال گزرنے پر پیدا ہوا''۔
حضرت عمرؓ سریر آرائے خلافت اگر ۱۳ھ میں ہوئے تو پھر موصوف کی ولادت ۱۵ھ میں ہوئی ہے ان کی تاریخ ولادت میں اس صحیح روایت کی وجہ سے کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے اور فاروق اعظمؓ کی شہادت باتفاق مورخین ۲۳ھ میں ہوئی اس لئے فاروق اعظمؓ کی شہادت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی ہوتی ہے چونکہ تاریخ خود ان کو معلوم ہے اور اس کی روایت کرتے ہیں اس لئے اس معاملے میں ان کی رائے بالکل آخری اور قطعی ہے اب کسی راوی کے لئے اس میں ظن و قیاس کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ واقدی کے لئے کسی نکتہ آفرینی کی ضرورت ہے۔

نسب اور خاندان

آپ کا نسب عربی ہے والد کی جانب سے آپ قرشی ہیں اور والدہ کی جانب سے سُلمی ہیں نہ آپ عجمی تھے اور نہ آپ کے حسب نسب میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ ہے آپ خالص عربی تھے ابن حزم جمہرۃ الانساب میں اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں آپ کا نسب والد کی جانب سے اس طرح بیان کیا ہے: سعید ابن المسیب ابن حزن ابن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران ابن مخزوم ـــــ

عام مؤرخین نے نسب صرف مخزوم تک بتایا ہے لیکن ابن حزم نے آپ کا نسب مکہ کے مشہور قبیلہ قریش کے سربراہ "النضر" تک لکھا ہے۔ مخزوم ابن یقظہ ابن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن النضر ۔ ابن حزم کی تصریح ہے کہ النضر ہی کی اولاد کا نام قریش ہے:

" وھم یکون قریشی الا غیرھم " (جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۱۲)

اس لئے سعید ابن المسیب باپ کی جانب سے قریشی اور عدنانی ہیں۔

آپ کی والدہ ماجدہ کو ابن حزم نے جمہرہ میں اور ابن قتیبہ نے معارف میں سُلمیہ بتایا ہے:

"وامه سلمیة " (معارف صفحہ ۱۹۳)

لیکن ابن سعد نے ان کا پورا نسب اس طرح لکھا ہے کہ:۔

" بنت حکیم ابن امیه ابن حارثه ابن الاوقص السلمی " (طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۱۲۱)

لیکن ابن یوسف تغری بردی اور مصعب زبیری نے حکیم کو سعید کی والدہ کا دادا بتایا ہے اور والد کا نام عثمان لکھا ہے۔ (النجوم الزاہرہ ج ۱ صفحہ ۲۲۸، نسب قریش صفحہ ۳۴۵) سلمی قبیلہ سلیم بن منصور کی طرف منسوب ہے ابن حزم نے الاوقص کا نسب نامہ یہ لکھا ہے:

الاوقص ابن مرۃ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ ـــــ بہثہ سلیم بن منصور کی اولاد ہونے کی وجہ سے عیلانی ہیں جبکہ سعید الیاسی ہیں۔ سعید ابن المسیب کے نانا زمانہ جاہلیت میں مکہ کے محکمہ احتساب میں تھے ان کی روک ٹوک سے دل برداشتہ ہو کر کسی قریشی نے برجستہ یہ شعر چست کیا تھا:

اطوف فی الا باطح کل یوم مخافۃ ان شبرونی حکیم (جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۱۲۱)

محدثین میں امام ترمذی اسی خاندان سے تعلق کی وجہ سے سلمی کہلاتے ہیں جبکہ امام ابوداؤدازدی ،امام احمد شیبانی ،امام مالک الاصحی اور امام مسلم قشیری ہیں۔

اس لئے والدہ کی جانب سے سلمی اور والد کی جانب سے خالص عربی ہیں۔ موالی کا دور آپ پر کبھی نہیں گزرا عبدالرحمٰن ابن زید کے اس بیان سے جو ابن العماد نے نقل کیا ہے اس کی مزید شہادت ملتی ہے فرماتے ہیں کہ:

" عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ ابن عباسؓ ، عبداللہ ابن عمروؓ، عبداللہ ابن الزبیرؓ اور عبداللہ ابن عمرؓ کے بعد مرکزی مقامات پر افتاء پر موالی ہی موالی تھے مکہ میں عطاء بن ابن ابی رباح ،یمن میں طاؤس ، یمامہ میں یحیی ابن کثیر ، بصرہ میں حسن بصری ،کوفہ میں ابراہیم نخعی ، شام میں مکحول ، خراسان میں عطاء خراسانی تھے لیکن مدینہ کو اللہ تعالی نے ایک قرشی فقیہہ سعید ابن المسیب سے عزت بخشی"۔(شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۳)

والد اور دادا

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ سعید قریش کے ایک فرزند تھے اور والدہ کی جانب سے سلمی تھے آپ کے والد میسبؓ اور آپ کے دادا حزنؓ دونوں رسول اکرم ﷺ کے صحابی ہیں ابن حجر عسقلانی نے دونوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ:

" لہ ولابیہ صحبۃ" (الاصابہ ج ۶ صفحہ ۹۹)

دونوں نے حضور ﷺ کے ارشادات روایت کئے ہیں حدیث کی کتابوں میں دونوں کی حدیثیں آتی ہیں بخاری اور ابو داؤد نے بحوالہ امام زہری " عن سعید ابن المسیب عن ابیہ عن جدہ" کا سلسلہ بھی بتایا ہے آپ کے والد میسب حافظ ابن حزم کی تصریح کے مطابق اصحاب بیعۃ الرضوان سے تعلق رکھتے ہیں۔(جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۱۴۱)

ابن یونس کے بیان کے مطابق انہوں نے افریقہ میں ہونے والے جہاد میں ۲۷ھ میں شرکت کی ہے یعنی آپ کے والد میدان جنگ کے سپاہی تھے اور آپ حضور ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں بھی موجود تھے۔(تہذیب التہذیب ج ۱۵ صفحہ ۱۵۲)

آپ کے دادا حزن ابن ابی وہب بھی میدان جنگ کے مشہور شہسوار تھے بخاری

اور ابوداؤد میں ہے اور ابن قتیبہ نے معارف میں بھی نقل کیا ہے کہ حزن جب حضور ﷺ کی خدمت گرامی میں آئے حضور نے نام دریافت کیا بتایا میرا نام حزن ہے آپ نے بدلنا چاہا اور فرمایا نہیں بلکہ تم سہل ہو بولے نہیں میں تو حزن ہوں ایک بار نہیں بلکہ لکھا ہے کہ آپ نے تین بار ایسا ہی کہا کہ تم سہل ہو مگر انہوں نے نہ مانا بلکہ ابن کثیر نے یہ تصریح کی ہے کہ حزن نے آگے سے جواب دیا:

" لا اغیر اسما سمانیه ابوای" (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۳۳۵)

بالآخر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا تم حزن ہو۔ سعید ابن المسیب کہتے ہیں کہ بس اس روز سے ہمارا گھرانہ حزونت کا شکار ہے۔ (معاف صفحہ ۱۹۳) جنگ یمامہ میں زمانہ صدیق اکبرؓ میں جام شہادت نوش کیا اور ان کے ساتھ ان کے دو صاحبزادے اور ایک ان کا پوتا بھی شہید ہوا یمامہ کی جنگ میں خالد بن ولید کی تقریر سنی تو خاندانی حمیت جوش میں آ گئی بے انتہا خوشی کا ان اشعار کے ذریعے مظاہرہ کیا ہے:

وقام رجال من قریش کثیرة — فلم یک فی القوم القیام کخالد

اخالد لا تعدم لوی ابن غالب — قیامک فیها عند قذف الجلامد

کساک الولید ابن المغیرة مجده — وعلمک الشیخان ضرب القماحد

وکنت لمخزوم بن یقظة جنة — کلا اسمیک فیها ماجد وابن ماجد

(الاصابہ ج ۱ صفحہ ۷)

تربیت اور نشوونما

سعید ابن المسیب ان ہی دو صحابیوں کے ثمر نورس تھے جن کی رگوں میں شریف، بہادر اور پرجوش باپ دادا کا خون گردش کر رہا تھا۔ عزت نفس، قوت عزم، صبر و تحمل ان کو اپنے خاندان سے وراثت میں ملا تھا باپ اور دادا دونوں صحابی تھے اس لئے گھر میں قال اللہ، قال رسول اللہ کا چرچا تھا اور پھر نشوونما مدینہ میں ہوئی یہیں انہوں نے تربیت کے مدارج طے کئے اس وقت کا مدینہ ہر لحاظ سے بے مثال و بے نظیر تھا، ہر رنگ، ہر وضع اور ہر منہاج کے لوگ وہاں موجود تھے اور ان کے الگ الگ جتھے قائم تھے۔

مدینہ منورہ کا علمی مقام

سید ابن المسیب نے جب علم حاصل کرنا شروع کیا اس وقت صحابہؓ کا دور علمی تھا اور مدینہ طیبہ تو خلافت اسلامیہ کا اس وقت پایہ تخت تھا جب سعید کا زمانہ تحصیل علم کا آغاز ہوا تھا آپ کی عمر کے بیسویں سال تک یعنی شہادت عثمانؓ تک مدینہ طیبہ میں محدثین و فقہاء، مفسرین اور قراء کا ایک جم غفیر تھا غرض یہ وہ زمانہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں علم کی بہار پورے جوبن پر تھی۔ابن عمرؓ، عائشہؓ، ابن عباسؓ، سعد ابن وقاصؓ اللیثی، ابوالدرداءؓ، ابوذر غفاریؓ، ابوسعید خدریؓ، زید بن ثابتؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ جیسے اساطین علم سے مدینہ کی علمی فضائیں پر رونق تھیں بلکہ ابن حجر عسقلانی نے ایک صحیح روایت کی بنا پر خود فاروق اعظمؓ سے بھی ان کے تلمذ کا دعویٰ کیا ہے جس میں سعید ابن المسیب نے تصریح کی ہے کہ:

" سمعت عمر بن الخطاب علی ھذا المنبر یقول" (تہذیب التہذیب ج۴ صفحہ ۸۸)

اس وقت لوگ جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں تصریح کی ہے رخت سفر باندھ کر حدیث نبوتؐ کے لئے مدینہ آتے تھے اور پھر اسے حسن اتفاق کہئے کہ سعید کی شادی بھی ایسے گھرانے میں ہوئی جو علم حدیث کی کان تصور کیا جاتا ہے یعنی حضرت ابوہریرہؓ کی صاحبزادی سے۔ابن کثیر نے بتایا ہے" وکان زوج ابنتہ" اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

" واعلم الناس بحدیث ابی ھریرۃ" (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۹۹)

ابوہریرہؓ کے علمی مقام پر تفصیلی تبصرہ آگے آرہا ہے اس لحاظ سے مدینہ قرآن کا مرکز، سنت کا گہوارہ، اور فتاویٰ صحابہؓ کا وطن تھا۔حافظ ذہبی نے اسی دور کے متعلق لکھا ہے:

" مدینہ طیبہ میں زمانہ صحابہؓ میں قرآن وسنن کا علم بہت زیادہ تھا"۔ (الاعلان بالتوبیخ)

مدینہ کی علمی بزرگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز جب مختلف شہروں کے نام خطوط لکھتے تو مضمون قرآن وسنت پر مشتمل ہوتا اس کے برعکس جب آپ مدینہ طیبہ خط لکھتے تو خط کا مضمون اہل مدینہ سے علمی مسائل پوچھنے اور یہ معلوم کرنے پر مشتمل ہوتا تھا کہ فلاں مسئلہ میں اہل مدینہ کا عمل کیا ہے؟ استاد محمد رجب نے مدینہ کے علمی نام پر تبصرہ کرتے ہوئے بہت خوب لکھا ہے کہ:

" کانت المدینة لعهده زاخرة بالاعلام الشرعیة من صحابة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم "۔

"سعید ابن المسیب کی نشو ونما اس قدر بابرکت ہوئی کہ آپ کا شجرۂ علم مدینہ کی مقدس زمین پر لگا اور آپ کو بڑے بڑے صحابہؓ کا شرف دید نصیب ہوا اس دور کے اہل ورع وتقوی کی ہم نشینی کا موقع ملا آپ پوری طرح فقہ اسلامی اور حدیث نبوی کی طرف متوجہ ہوئے حدیث کے رجال واسناد کی تحقیق کو آپ نے اپنا فن بنایا"۔

(المجتمع العدد الرابع بیروت)

طلب علم کا کام

سعید ابن المسیب نے سب سے پہلے مدینہ میں جس قدر علم تھا اس کی تحصیل و تکمیل کی اس سلسلہ میں انہوں نے ان تمام صحابہؓ سے استفادہ کیا جو مدینہ میں تھے بالخصوص عثمانؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، ابوالدرداءؓ، صہیبؓ، جابرؓ، اسماءؓ، عائشہؓ، اور ام سلمہؓ وغیرہ سے۔ ابوہریرہؓ کی ہم نشینی اور صحبت میں رہے اور ان کی حدیثوں کو خوب یاد کیا اور اسی دلچسپی اور رغبت حدیث کے نتیجے میں ان کی صاحبزادی سے شادی ہوگئی اور بقول ابن کثیر آپ کی ذات حدیث ابوہریرہؓ کا معلوماتی خزانہ بن گئی " اعلم الناس بحدیث ابی هریرة" اور بقول ابن حجر عسقلانی: کان الیتهم فی ابی هریرةؓ "ابن سعد نے طبقات میں سعید ابن المسیب کے کسب فیض کی داستان امام زہری کی زبانی نقل کی ہے اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سعید کن شیوخ واساتذہ سے کسب فیض کرتے رہے ہیں:

"امام زہری سے کسی نے دریافت کیا کہ سعید ابن المسیب نے کن لوگوں سے علمی استفادہ کیا ہے؟ فرمایا زید ابن ثابتؓ سے اور آپ کو سعد ابن ابی وقاصؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، کی صحبتوں سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملا ہے نیز آپ عائشہؓ اور ام سلمہؓ ازواج النبی ﷺ کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے آپ نے عثمان بن عفانؓ، علی مرتضیٰؓ، صہیب رومیؓ اور محمد بن مسلمہؓ سے بھی سماعت کی ہے آپ کی روایات مسندہ کا زیادہ ذخیرہ ابوہریرہؓ سے متعلق ہے آپ ابوہریرہؓ کے داماد تھے آپ نے حضرت عمرؓ اور عثمانؓ سے علم حاصل کیا ہے"۔(طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۱۲۱)

طلب علم میں دن رات ایک کر دیئے

صرف یہی نہیں بلکہ علم میں بے حد محنت سے کام لیا زیادہ سے زیادہ زحمت ٹھاتے اور وقت صرف کر کے حدیث رسول ﷺ معلوم کرتے اور پھر اسے یاد کرتے ایک یک حدیث کے لئے دن رات چلتے۔ خود فرماتے ہیں کہ:

"میں صرف ایک ارشاد نبوت کی تلاش میں دن رات چلتا تھا"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۰)

تلاش حدیث میں دن رات کی یہ گردش ان کے شوق علم کا پتہ دے رہی ہے اور س کی قدر کا صحیح اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس زمانے میں علم لوگوں سے زبانی حاصل کیا ہ تا تھا ایسا نہیں تھا کہ کتابوں میں لکھا ہوا ہو اور مطالعہ کے ذریعے اس میں اضافہ کیا جا سکے لکہ قدم قدم پر رہنمائی کی حاجت تھی یہی وجہ ہے کہ آپ علم کی خاطر دن رات چلتے تھے تمام مدار سماع پر تھا اور اس کا سارا اعتماد کتاب پر نہیں بلکہ حافظہ اور یادداشت پر تھا کوشش یہ ہوتی تھی کہ جو کچھ سنا جائے وہ محفوظ رہے سعید ابن المسیب کو حافظہ بھی اللہ کی جانب سے اس طور پر ارزانی ہوا تھا عمران کا ان کے حافظہ کے بارے میں یہ بیان ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ:

"بخدا میرا مشاہدہ ہے کہ جو کچھ بھی ان کے کان سے گزرتا ان کا دل اس کو صحیح در پر محفوظ کر لیتا"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۲)

حدیث کا احترام

سعید ابن المسیب حدیث کا بے حد احترام کرتے تھے وہ کبھی علم حدیث حاصل نہ رتے جب تک وہ سکون سے نہ بیٹھے ہوں ابن کثیر رقمطراز ہیں:

"من اکثر الناس ادبا فی الحدیث" (البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۰)

بیماری کی حالت میں بھی اگر کوئی حدیث پوچھتا تو بیٹھ جاتے اور بیٹھنے کے بعد حدیث بیان کرتے اور پھر لیٹ جاتے۔ البدایہ والنہایہ میں ہے:

"جاءہ رجل وھو مریض فسالہ عن حدیث فجلس فحدثہ ثم اضطجع"۔

(البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۰)

شیوخ واساتذہ

سعید ابن المسیب کے شیوخ اور اساتذہ میں ان تمام حضرات کا شمار ہے جن سے انہوں نے کوئی حدیث روایت کی یا فقہ کا فن یا سنت نبویؐ کا علم حاصل کیا خواہ ان کی مجلس میں پہنچنے کے لئے سفر اختیار کیا ہو یا وہ ان کے شہر مدینہ میں مقیم ہوں۔ اسماء الرجال کے علماء نے ان کے شیوخ واساتذہ کی جو فہرست مرتب کی ہے ان کی تعداد کافی ہے ہم ان میں چند خاص کا ہی تذکرہ کریں گے جیسے امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں حماد اور ابراہیم نخعی اور امام شافعی کے اساتذہ میں امام مالک اور سفیان بن عیینہ کا تذکرہ کافی ہے ایسے ہی سعید کی حیات علمی کے سلسلہ میں بھی اتنا کافی ہے کہ ان کے ان اساتذہ کا ذکر کردیا جائے جنہوں نے ان کے شوق حدیث کی نشوونما کی یا جن کے فیض صحبت سے ان میں فقہ کا ذوق پیدا ہوا ہو۔

اس اصول کے پیش نظر ہمیں چند شخصیتیں ایسی نظر آتی ہیں جنہوں نے سعید ابن المسیب میں علم حدیث نبویؐ کا ولولہ اور فقہ کا ذوق وشوق پیدا کیا ہے یہی وہ شخصیتیں ہیں جن کا رنگ سعید کی شخصیت میں رچ بس گیا۔

ان میں پہلی شخصیت ابوہریرہؓ کی ہے اور ان کے بعد زیادہ مشہور حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، زید ابن ثابتؓ، سعد ابن وقاصؓ، ابن عباسؓ، عائشہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، جابر بن عبداللہؓ اور ابوسعید خدریؓ ہیں۔

حفاظ اور فقہاء

صحابہ کرامؓ دو قسموں میں منقسم تھے۔

۱۔ حدیث اور ارشاد نبوتؐ کے یاد رکھنے والے۔

۲۔ قرآن وحدیث سے استنباط کرکے فقہ واحکام بتانے والے۔

ابن القیم نے بتایا ہے کہ ایک طبقہ وہ ہے **حفظها وضبطها** اور دوسرا وہ ہے **لها قوة الحفظ والفهم والفقه فى الدين** ۔ صحابہ کی دو قسمیں بتانے کے بعد ابن القیم نے ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ کا مقابلہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

" **اين تقع فتاوى ابن عباس وتفسيره استنباطه من فتاوى ابى هريرةؓ وتفسيره**

وابو هريرةؓ احفظ منه بل هو حافظ الامة على الاطلاق يودى الحديث كما سمعه ويدرسه بالليل درسا فكانت همته مصروفة الى الحفظ وتبليغ ماحفظه كما سمعه وهمة ابن عباسؓ مصروفة الى التفقه والاستنباط وتفجير النصوص وشق الانهار"

(الوابل الصیب فی الکلم الطیب صفحہ ۱۷۴)

ابن عباسؓ کے فتاویٰ، تفسیر اور استنباط مسائل کا ابو ہریرہؓ کے فتاویٰ اور تفسیر سے کیا مقابلہ؟ مانا کہ ابو ہریرہؓ ابن عباسؓ کے مقابلے میں حدیث کے زیادہ حافظ ہیں بلکہ ابن عباسؓ کیا حفظ حدیث میں ابو ہریرہؓ کا ساری دنیا میں کوئی مقابل نہیں ہے حدیث کو باللفظ ویسے ہی روایت کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے سنا ہوتا ہے اور الفاظ ہی کی پابندی کے ساتھ حدیث کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں لہذا ابو ہریرہؓ کی ساری تگ ودو حفظ روایت تک تھی برخلاف ابن عباسؓ کے کہ ان کی پوری طاقت تفقہ اور استنباط مسائل پر صرف ہو رہی تھی۔

سعید ابن المسیب اور تمام فقہائے سبعہ کے اساتذہ دونوں گروہوں سے تعلق رکھنے والے ہیں ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ اور جابر بن عبداللہؓ اگر حفاظ صحابہؓ سے ہیں تو فاروق اعظمؓ، علی مرتضیٰؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، زید ابن ثابتؓ، عبداللہ ابن عباسؓ اور عائشہؓ فقہائے صحابہ سے ہیں اس لئے دونوں قسم کے اساتذہ سے فقہائے سبعہ مستفید ہوئے ہیں لیکن کچھ میں حدیث غالب ہے اور فقہ مغلوب ہے اور کہیں فقہ غالب اور حدیث مغلوب ہے سعید کا تعلق ان سے ہے جن میں حدیث غالب ہے اور شاید اس غلبہ کی وجہ ابو ہریرہؓ کی ذات گرامی ہے۔

ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۷ ھ میں ہوئی ہے اور سعید ابن المسیب کی وفات ۹۴ ھ میں۔ اس حساب سے ابو ہریرہؓ کی وفات کے وقت سعید ابن المسیب کی عمر پورے بیالیس سال ہوتی ہے یہ عمر جوانی کی ہے اور طلب علم کا یہی زمانہ ہے کم وبیش پندرہ سال کی عمر میں بھی اگر سعید نے ابو ہریرہؓ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے تو پورے ستائیس سال تک ان کے حلقہ درس میں شریک رہے اور فن حدیث پر عبور حاصل کیا اور درس حدیث کی یہ ملازمت بقول الاستاذ محمد رجب البیومی ابو ہریرہؓ کی صاحبزادی سے رشتہ ازدواج کا باعث ہوئی ہے

چنانچہ البیومی لکھتے ہیں:

" اما ابو هريره شيخ المحدثين فقد لزم مجلسه و استظهر احاديثه و بلغ من نفسه مبلغا كبيراً حتى تزوج ابنته منساقا بدافع الرغبة الكريمة فى مصاهرة رجل يحفظ حديث رسول الله ﷺ". (مجلة المجتمع العدد الرابع دمشق)

سعید ابن المسیبؒ نے شیخ المحدثین کی ہم نشینی کو اپنی زندگی کے فرائض میں شامل کر لیا اور ان کی احادیث کو خوب یاد کیا اور اس مقام پر پہنچ گئے کہ ابو ہریرہؓ نے ان کی طبعیت کی نیکی اور اخلاقی خوبیوں سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دی۔ کیا کہنے ہیں اس پر خلوص خواہش کے کہ صرف حافظ حدیث ہونے کی بنا پر لڑکی کے رشتے کو استوار کیا جا رہا ہے۔

ابو ہریرہؓ

ان کے نام میں بہت اختلاف ہے جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس اور مسلمان ہونے کے بعد ان کا نام نامی عبدالرحمٰنؓ ابن صخر ہے آپ یمنی قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے ہیں ترمذی میں آپ نے اپنی کنیت کی وجہ یہ بتائی ہے:

" میں گھر والوں کی بکریاں چراتا تھا میرے پاس ایک بلی تھی میں اسے رات کو درخت پر رکھ دیتا اور دن ہوتا تو ساتھ لے لیتا اور اس سے کھیلتا اس سے لوگوں نے مجھے ابو ہریرہؓ کہنا شروع کیا"۔ (ترمذی)

۷ ھ میں آپ کا واقعہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام کی نعمت سے مالا مال ہوئے اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی خیبر سے واپسی پر حضور انور ﷺ کے ساتھ ہی وصال مبارک تک پورا وقت گزرا۔ طبعیت میں ظرافت تھی۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ:

" مروان نے ان کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کر دیا گدھے پر سوار ہو کر چلے راستہ میں کوئی شخص ملتا تو فرماتے راستہ سے ہٹو امیر آ رہا ہے"۔ (معارف)

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی خانہ جنگی کے زمانے میں حضرت ابو ہریرہؓ نے غیر جانبداری کا مسلک اختیار کیا تھا اور طرز عمل ان کا یہ تھا کہ نماز تو حضرت علیؓ کے پیچھے پڑھتے اور کھانا معاویہؓ کے دستر خوان پر کھاتے وجہ پوچھی جاتی تو فرماتے کہ:

" سماط معاوية وسم والصلوٰة خلف علی افضل ".

(مراۃ الجنان ج اصفحہ ۱۲۰، شذرات الذہب ج اصفحہ ۶۴)

زہد و عبادت

آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے اصحاب صفہ میں آپ کا شمار ہے بود و باش اور خورد و نوش بسا اوقات حضور انور ﷺ کے ساتھ ہی رکھتے تھے گاہ گاہ اس اندیشے سے بھوکے رہتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی جگہ جانے سے حضور انور ﷺ کا کوئی ارشاد گرامی سننے سے رہ جائے۔ صحیح بخاری میں خود حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا بیان ہے کہ:

" بخدا میں بھوک کی شدت سے بے تاب ہو جاتا اور پیٹ پر پتھر باندھتا تھا مجھ پر کبھی بھوک کی شدت سے غشی طاری ہو جاتی اور میں حضور انورؐ کے منبر اور حجرۂ عائشہؓ کے درمیان پڑا ہوتا دیکھنے والے کہتے تھے کہ مجنون ہے لیکن مجھے بھوک کے سوا کوئی بیماری نہ ہوتی تھی"۔ (صحیح بخاری)

عابدانہ زندگی کا اندازہ کرنا ہو تو ابو عثمان النہدی کا وہ بیان پڑھئے جو امام احمد نے اپنے مسند میں نقل کیا ہے:

" میں ابو ہریرہؓ کے گھر سات بار مہمان ہوا ہوں میرا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ، ان کی اہلیہ اور ان کا نوکر رات کو تین پر تقسیم کر لیتے ایک حصہ خود، ایک حصہ ان کی اہلیہ اور ایک حصہ ان کا نوکر جاگتا"۔ (مسند امام احمد)

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ:

" ابو ہریرہؓ روزانہ بارہ ہزار بار سبحان اللہ کہتے تھے اور آپؓ فرماتے تھے کہ میں اپنے گناہوں کی مقدار کے مطابق تسبیح کرتا ہوں"۔ (طبقات ابن سعد)

حضور انورؐ کے ملازم صحبت ہونے کی وجہ سے ابو ہریرہؓ حضور انورؐ کے ان اعمال و اقوال سے واقف تھے جن کا اوروں کو پتہ نہ تھا جس وقت مسلمان ہوئے آپ کا حافظہ اچھا نہ تھا اس کی شکایت آپؓ نے حضور انورؐ سے کی حضورؐ نے فرمایا چادر پھیلاؤ آپ نے پھیلا دی آپ نے فرمایا اسے اپنے سینے سے لگا لو حکم کی تعمیل میں سینے سے لگا لی۔ فرماتے ہیں اس کے بعد کبھی نسیان نہیں ہوا یہ واقعہ " بسطِ ثوب " کے نام سے مشہور ہے اور بخاری و مسلم

میں موجود ہے۔

عرب ویسے ہی قوت حافظہ میں خاص طور پر شہرت رکھتے تھے صحابہؓ اور کبار تابعین اس وصف میں خصوصی طور پر ممتاز تھے ان میں بعض شخصیتیں نمایاں طور پر حافظہ اور قوت ذکر میں مشہور تھیں اگر محدثین میں امام بخاری تین لاکھ احادیث، احمد بن حنبل چھ لاکھ اور ابو زرعہ سات لاکھ حدیثیں یاد کر سکتے ہیں تو پھر ابو ہریرہؓ کی قوت حفظ قابل استعجاب نہیں۔ کبھی کبھی ابو ہریرہؓ کے حافظے کا امتحان بھی لیا گیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے مروان کے منشی کے حوالہ سے الاصابہ میں یہ واقعہ درج کیا ہے کہ:

"مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی ابو ہریرہؓ نے بیان کرنی شروع کیں مروان نے نظر بچا کر اپنے منشی کو لکھنے کے لئے چار پائی کے پیچھے بٹھا دیا وہ بیان کر رہے تھے اور منشی قلمبند کر رہا تھا پورا سال گزرنے پر پھر ابو ہریرہؓ کو بلایا اور ان کی احادیث کو بیان کرنے کی پھر درخواست کی ابو ہریرہؓ نے وہ احادیث بیان کر دیں مروان نے سال پہلے لکھی ہوئی حدیثوں سے مقابلہ کیا تو ایک حرف بھی بدلا ہوا نہ تھا"۔

(طبقات ابن سعد)

الغرض حضرت ابو ہریرہؓ امت میں علی الاطلاق حافظ حدیث ہیں اور پوری امت میں حفظ حدیث میں ان کا ہم پلہ کوئی نہیں ہے۔ ان کی ۳۲۵ حدیثوں پر امام بخاری و مسلم کا اتفاق ہے اور ۹۳ حدیثیں صرف بخاری نے اور ۱۸۹۷ حدیثیں صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔ ابو ہریرہؓ کا انتقال ۵۷ھ میں ہوا ہے اور مدینہ طیبہ میں مدفون ہیں۔

سعید ابن المسیب کے اساتذہ میں دوسرے مقام پر ایک سے زیادہ صحابہ کرامؓ ہیں مثلاً عبداللہ ابن عباسؓ، زید ابن ثابتؓ اور عائشہؓ صدیقہ ہیں۔ سعید ابن المسیب نے ابو ہریرہؓ سے حدیث زیادہ سیکھی اور فقہ کم۔ ضروری تھا کہ اس کمی کی تلافی وہ کسی اور شخصیت سے کریں اس کے لئے انہوں نے زید ابن ثابتؓ، ابن عباسؓ اور عائشہؓ صدیقہ کو منتخب کیا اور ان بزرگوں سے فقہ سیکھی اور ان کی فقہی ژرف نگاہی سے متاثر ہوئے ان بزرگوں کی فقہی ژرف نگاہی، قوت استنباط، اصول استنباط کا لوہا اس دور کے سارے اکابر مانتے ہیں عائشہؓ اور ابن عباسؓ تو اپنی جگہ ہیں لیکن ان میں زیدؓ کو یہ خصوصیت اور امتیاز ہے کہ فقاہت و اجتہاد کا سارا علمی سرمایہ سعید کے پاس زیدؓ ہی کا ہے۔ بکیر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ:

"سعید ابن المسیب کو بیشتر فتاویٰ اور قضا کا علمی سرمایہ زید ابن ثابتؓ سے وراثت میں ملا ہے"۔ (طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۳۶۱)

امام زہری سے کسی نے دریافت کیا کہ سعید ابن المسیب کا علمی شجرہ کیا ہے؟ فرمایا کہ زید ابن ثابتؓ۔ اس کے بعد دوسرے صحابہ کا نام لیا سعید ابن المسیب جیسا خصوصی طور پر ابو ہریرہؓ سے مستفید ہوئے ہیں ایسا ہی ان کو فقہ و اجتہاد میں زید بن ثابتؓ سے خاص طور پر شرف تلمذ حاصل ہے امام زہری نے سلیمان بن یسار مشہور فقیہہ کے حوالہ سے یہ انکشاف کیا ہے کہ:

"ہماری ہم نشینی زیادہ تر زید ابن ثابتؓ سے تھی یعنی میں، سعید ابن المسیب اور قبیصہ ان سے ہی فیض یاب ہوتے تھے اور ابن عباسؓ کے پاس بھی جاتے تھے ابو ہریرہؓ سے خوشہ چینی کرتے تھے لیکن ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کے ہم میں سعید زیادہ عالم تھے کیونکہ وہ ان کے داماد تھے"۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۰)

سعید ابن المسیب کے دوفنون میں واقعی استاد دو ہی ہیں حدیث میں ابو ہریرہؓ اور فقہ و اجتہاد میں زید بن ثابتؓ۔ جیسا کہ حدیث کے بارے میں امام زہری کا یہ انکشاف ہے:

"وجل روایته المسندة عن ابی هریرة وکان زوج ابنته".

(طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۳۸۰)

ایسا ہی فقہ و اجتہاد کے بارے میں بکیر بن عبداللہ کا بالکل اسی جیسا اور اسی انداز کا یہ بیان ہے کہ:

" جل ماأخذ به سعيد ابن المسيب من القضاء وماكان يفتي به عن زيد بن ثابت"

(طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۶۰)

دونوں کا انداز تعبیر چونکہ ایک ہے اس لئے حکم بھی دونوں کا ایک ہے یعنی سعید کے اساتذہ فقہ میں زیدؓ کا خصوصی مقام ہے۔

سعید ابن المسیب کے ان دو استادوں ابو ہریرہؓ اور زید ابن ثابتؓ کے ذکر سے یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ دوسرے اساتذہ جن سے سعید ابن المسیب نے سنن اور آثار کا علم حاصل کیا کچھ کم مرتبہ کے تھے ان میں سے ہر ایک فضل و کمال کا حامل تھا جس سے سعید ابن المسیب نے پورا پورا استفادہ کیا مذکورہ استادوں کا ذکر ہم نے خاص طور پر اس لئے کیا

ہے کہ ان کو سعید ابن المسیب کا حدیثی اور فقہی ذہن بنانے میں خصوصی دخل ہے۔

سعید ابن المسیب کا علم

سعید ابن المسیب کی ذات گرامی کی شہرت علمی صحابہؓ کی زندگی ہی میں اطراف و اکناف میں پہنچ گئی تھی قدامہ ابن موسیٰ فرماتے ہیں:

"سعید ابن المسیب اسی وقت سے افتاء کا کام کرتے تھے جبکہ صحابہؓ ابھی بقید حیات تھے"۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۷۹)

ان کو صرف ایک ہی علم میں دستگاہ نہ تھی بلکہ ان کی متعدد علوم میں اسی وقت سے شہرت شروع ہوگئی تھی جبکہ ابھی وہ نوجوان تھے اور صحابہ سے کسب فیض کر رہے تھے۔

علم الفقہ، علم الحدیث کے علاوہ کہ ان میں ان کا خصوصی امتیازی مقام تھا ان کو علم القراء ۃ، علم الانساب، علم القضاء اور علم تاویل الرویاء میں ایک فن کار کی حیثیت حاصل تھی۔

محمد ابن یحیٰ حبان ان کے بارے میں کہتے ہیں:

"سعید اپنے زمانے میں مدینہ طیبہ میں سب کے سردار اور فتاویٰ میں سب کے پیشرو تھے اور سعید کو فقیہہ الفقہاء کہا جاتا تھا"۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۷۰)

مشہور محدث مکحول دمشقی کا ان کے بارے میں تاثر یہ ہے کہ:

"میں نے سعید سے بڑھ کر عالم کوئی نہیں دیکھا ہے"۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۵۱)

ان کے ایک معاصر شہاب ابن عباد کہتے ہیں:

"میں حج کو گیا اور بعد میں مدینہ پہنچا میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ مدینے میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ سب کا متفقہ جواب یہ تھا کہ سعید ابن المسیب"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۳)

امام مالک فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کہا کرتے تھے کہ:

"مدینہ کے ہر عالم کا علم میرے پاس موجود ہے لیکن سعید کے علم کیلئے مجھے محنت کرنا پڑتی ہے"۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۲۳۲)

حافظ ابن حجر نے مشہور مؤرخ محمد ابن اسحاق کے حوالہ سے امام مکحول محدث شام کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

"میں نے طلب علم میں ساری مملکت کا سفر کیا لیکن مجھے سعید ابن المسیب سے زیادہ عالم کوئی نہیں ملا"۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۵)

یہ اپنے وقت کے بہت بڑے علماء اور مجتہدین اور ائمہ کے اقوال ہیں اور یہ ان کی نوجوانی کی داستان ہے ماہ و سال گذرنے پر وہ علوم کی تحصیل و طلب سے ایک روز بھی غافل نہیں ہوئے ان کا علم ماہ و سال کی گردش کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر رہا فراست اور دانائی میں اضافہ ہوتا رہا ان کا نام مشہور ہوتا اور ان کا چرچا پھیلتا رہا اور دور ابتلاء کے بعد تو ان کی شہرت کا آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا اس سلسلے میں ہم ان کے معاصرین میں سے کچھ کے افکار قدرے قلیل بطور شہادت پیش کرتے ہیں:

امام زین العابدین علی ابن الحسن ان کے معاصر فرماتے ہیں:

"سعید ابن المسیب احادیث و آثار متقدمین کے سب سے بڑے عالم اور رائے میں سب سے اعلیٰ درجے کے فقیہہ ہیں"۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۱)

آپ کے ایک دوسرے معاصر میمون بن مہران کہتے ہیں:

"میں مدینہ پہنچا میں نے مدینہ کے سب سے بڑے فقیہہ کے بارے میں دریافت کیا مجھے سعید ابن المسیب کے بارے میں بتایا گیا میں نے ان کی خدمت میں پہنچ کر استفادہ کیا"۔ (طبقات ابن سعد)

قاسم بن محمد کا آپ کے بارے میں ارشاد ہے:۔

"ذالک خیرنا و سیدنا"

مشہور تابعی قتادہ د ابن عامہ کہتے ہیں:

"ما رایت احداً قط اعلم بالحلال و الحرام منہ" (طبقات ابن سعد)

طبقات ابن سعد، حلیۃ الاولیاء، تہذیب الاسماء، تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب التہذیب اور دوسری کتابوں میں بہت سے علماء کرام کے اقوال سعید ابن المسیب کی تحسین و توصیف میں منقول ہیں ہم نے مشتے از خروارے پیش کئے ہیں:

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ عوامل کیا ہیں جنہوں نے سعید ابن المسیب کی شخصیت اور کردار کی تعمیر میں حصہ لیا۔ سعید کی شخصیت اور کردار کی تشکیل و تعمیر میں جن عوامل نے حصہ لیا وہ یہ ہیں:

۱۔ خصال حمیدہ اور اخلاق فاضلہ۔
۲۔ صحابہؓ کی توجہات اور ان کا حلقہ درس۔
۳۔ وہ زمانہ جس میں انہوں نے زندگی بسر کی۔
۴۔ وہ شہر جس میں انہوں نے تربیت پائی۔

اب ان میں سے ہر ایک عامل کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ وہ مؤثرات کیا تھے جو سعید کے نفس کریم پر کارفرما رہے۔

سعید ابن المسیب کی صفات

سعید ابن المسیب کی وہ صفات جو ان کی شہرت اور ہر دلعزیزی کا باعث بنیں ان میں کچھ تو ایسی ہیں جو عطیہ ربانی کی صورت میں ان کو جناب الٰہی سے ارزانی ہوئیں اور جو صرف ان ہی لوگوں کو ملتی ہیں جن کو اللہ کی نگاہ منتخب فرمالے اور کچھ صفات ایسی تھیں جن کو انہوں نے مشق و تمرین سے اپنے اندر پیدا کیا تھا۔

امام زہری نے جو ان کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں سعید ابن المسیب کی ان صفات پر ایک مختصر سا تبصرہ کیا ہے جو ان کی شہرت کا ذریعہ بنیں وہ فرماتے ہیں کہ:

"کان لسعید بن المسیب عندالناس قدر کبیر لخصال، ورع یابس، ونزاھة، وکلام بحق عندالسلطان وغیرھم ومجالبة السلطان وعلم لا یشاکله علم احد ورای صلیب بعد ونعم العون الری المجید" (طبقات ابن سعد ج ۵)

اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ سعید ابن المسیب میں کمال علم، قوتِ صبر، قوتِ حفظ، نزاہتِ نفس، صفتِ اخلاص اور جلالتِ شان جیسی صفات موجود تھیں۔

قوت حفظ

ان صفات میں اولین صفت جو ان کی زندگی میں نمایاں ہے وہ قوت حافظہ ہے۔

قوی الحافظہ ہونا اس دور کی عام خصوصیت ہے لیکن وہ لوگ جو مرتبہ امامت پر فائز ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو قوت حافظہ خاص طور پر ارزانی ہوتی ہے۔

دراصل حافظہ ہی ہر ذی علم و نظر کی بنیاد ہے اللہ تعالیٰ نے سعید ابن المسیب کو یہ صفت بڑی فراوانی کے ساتھ عطا کی تھی تاریخ رجال کی کتابوں میں جو روائتیں موجود ہیں

باہم ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بیان پیچھے گزر چکا ہے کہ:

"بخدا سعید ابن المسیب کے کان سے جو چیز بھی گزر جاتی سعید اسے محفوظ رکھتے تھے"۔

یہ ان کے ہم عصر کی گواہی ہے عمران بن عبداللہ الخزاعی کا ایک دوسرا بیان ہے کہ:

"میں سعید ابن المسیب کے پاس گیا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کون ہو میں نے جواباً نسب بتایا بولے ہاں تمہارے والد صاحب میرے پاس زمانہ خلافت معاویہؓ میں آئے تھے اور مجھ سے فلاں فلاں بات پوچھی تھی"۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ صفحہ ۱۲۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی قوت حفظ وضبط کو ان کے ہم عصروں نے تسلیم کیا ہے بلکہ انہیں سب سے زیادہ قوی الحافظہ مانا ہے امام مالک نے ان کے ایک اور شاگرد یحییٰ ابن سعید الانصاری کی زبانی سعید کو راویہ عمرؓ قرار دیا ہے گویا قرآن و حدیث تو درکنار سعید تو فتاویٰ اور قضایائے عمرؓ ابن الخطاب کے حافظ تھے۔

کمال علم

سعید ابن المسیب کی ذات گرامی حدیث وفقہ کی جامع تھی وہ احادیث کے حافظ تھے خلافت راشدہ کے اور فقہائے صحابہؓ کے فتاویٰ ان کو نوک زبان تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو اپنے مثالی زہد وورع اور فقہ و فتاویٰ میں مشہور امام تھے سعید ان سب کے ایسے عالم تھے کہ ان ہی کی بنیاد پر ان کے استنباط مسائل کی عمارت قائم تھی اپنے اس فہم کے اعتبار سے وہ اپنے تمام ہم عصروں میں ممتاز تھے فی الواقع سعید ابن المسیب امام ابو حنیفہ کے اس ارشاد کے صحیح مصداق تھے:

"جو حدیث سیکھتا ہے اور فقہ نہیں جانتا اس کی مثال اس دواساز کی ہے جو دوائیں تو جمع کرتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ یہ دوائیں کس مرض میں کام آتی ہیں یہاں تک کہ طبیب آتا ہے اور وہ بتاتا ہے۔ اسی طرح طالب حدیث بھی ہے جو حدیثیں یاد کر لیتا ہے لیکن ان کی ماہیت اور حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے یہاں تک کہ فقیہہ آتا ہے اور صحیح بات بتاتا ہے"۔ (الموافق ج ۱ صفحہ ۲۲)

سعید ابن المسیب فقہ اور حدیث کے جامع تھے وہ امام حدیث بھی تھے اور امام

فقہ بھی وہ روایت کے اگر اونچے درجہ کے حافظ تھے تو فقہ واجتہاد میں فقیہہ الفقہاء بھی تھے۔

امام ابو جعفر الصادق اپنے والد کے حوالہ سے سعید کے بارے میں فرماتے ہیں:

"سعید ابن المسیب گزشتہ آثار و حدیث میں لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھے اور رائے وفقہ میں سب سے بڑے فقیہہ تھے"۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۱)

حدیث وسنت اور فتاویٰ صحابہؓ اور استنباط احکام کے سلسلے میں سعید کا علم بہت کامل تھا کیونکہ وہ فن حدیث کے امام تھے۔ ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں اور فتاویٰ کے حافظ تھے ان کے مشہور شاگرد امام زہری کہتے ہیں کہ:

"عمرؓ و عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں کا سعید سے زیادہ عالم کوئی نہ تھا"۔

(طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۰)

مشہور امام لیث ابن سعد کا یحییٰ ابن سعید کے حوالہ سے بیان ہے کہ:

"سعید حضرت عمر فاروقؓ کے راوی اور ان کے احکام اور عدالتی فیصلوں کے لوگوں میں سب سے زیادہ حافظ تھے"۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۸۶)

سعید ابن المسیب کی شان علمی کے کمال کا اندازہ کرنا ہو تو یحییٰ ابن سعید کا وہ بیان پڑھئے جو ابن سعد نے مشہور فقیہہ لیث ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"جب عبداللہ ابن عمرؓ سے کوئی دقیق مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ سعید ابن المسیب سے پوچھو اسے نیکوکار لوگوں کی صحبت ملی ہے"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۴۱)

سعید ابن المسیب کی علمی جلالت قدر کے صحابہؓ بھی معترف ہیں۔

صبر و ضبط

مصائب اور تکالیف کا ابتلاء اللہ کے بندوں پر آتا ہے سعید بھی ان برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک مثالی ہستی ہیں جو مصائب سے دوچار ہوئے فقر و تنگدستی کی مصیبت، حکمرانوں کی چیرہ دستیاں اور مظالم کا ہجوم، لیکن ان سب میں سعید نے صبر جمیل کا مظاہرہ کیا ایسا جو شکوہ و شکایت، صدمہ و قلق سے یکسر خالی تھا ان پر مصیبتوں اور اذیتوں کے پہاڑ ٹوٹے لیکن ان کی زبان پر نہ کبھی حرف شکایت آیا اور نہ انہوں نے صدمہ و قلق کا اظہار کیا انہوں نے نہایت ثبات قدمی کے ساتھ ہر بلا جھیلی ہر دکھ برداشت کیا نہ طیش و غضب اور نہ

التجائے رحم وکرم کی۔

اس موقعہ پر حضرت سعید کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوگا کہ وہ کیسے ثبات و استقلال کے پیکر تھے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی قید کے زمانہ میں ہشام ابن اسماعیل نے سعید کو اس جرم کی پاداش میں کہ سعید نے عبدالملک کی زندگی میں عبدالملک کے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کی ولائیت عہد سے متعلق بیعت سے انکار کر دیا تھا ان کو درے لگوائے اور قید کر دیا قید کے زمانے کا واقعہ ابو امیہ اسلم نے بتایا ہے کہ:

"سعید کی صاحبزادی نے بہت سا کھانا تیار کر کے جیل میں روانہ کیا اسلم کہتے ہیں کہ کھانا آیا تو سعید نے مجھے بلایا اور کہا میری لڑکی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ آئندہ ایسا نہ کرنا ہشام کی دلی تمنا ہے کہ اس طرح میرا اثاثہ ختم ہو جائے اور میں ان کا دست نگر ہو جاؤں مجھے علم نہیں ہے کہ زمانہ قید کتنا ہے کھانا وہی بھیجا کرو جو میں گھر میں کھاتا تھا اس کے بعد لڑکی ایسا ہی کرنے لگی آپ صائم الدہر رہتے تھے"۔(۱)

ابن سعد نے ہی ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ:

"مشہور فقیہہ ابو بکر بن عبدالرحمٰن سعید کے پاس جیل میں گئے اور ان سے ولید اور سلیمان کی بیعت کے موضوع پر گفتگو شروع کی ان کو سمجھایا کہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں ضد نہ فرمایئے جو کچھ کہتے ہیں مان جایئے سعید نے فرمایا کہ: ابو بکر! اللہ سے ڈر اور اسی کو سب پر ترجیح دے ابو بکر اصرار کرتے رہے مگر سعید ڈٹے رہے سعید نے کہا ابو بکر تمہاری بصارت اور بصیرت اندھی ہو چکی ہیں ابو بکر جیل سے واپس آئے تو ہشام نے ان سے پوچھ بھیجا کہ کیا پٹائی کے بعد سعید میں کچھ نرمی آئی ہے؟ ابو بکر نے جواب دیا کہ بخدا وہ تو تمہارے اس عمل کے بعد پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئے لہذا خدارا اب ان کو کچھ نہ کہئے"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۷)

اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ سعید نے علم و فضل، شان و شوکت اور مسند درس و افتاء پر بیٹھ کر ہر قسم کی اذیتوں کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور مومن صابر کی شان سے تمام دکھوں اور مصائب کو جھیلا مخالفین آخر میں ضرور تھک گئے مگر انہوں نے نہ تکان محسوس کی اور نہ خستگی استقلال اور صبر کی یہ صفت ان کی تمام صفات عالیہ میں کہیں زیادہ ممتاز اور نمایاں تھی یہی صفت ان کے ایوان عظمت کی کلید تھی یہی ان کی زندگی کا سربستہ راز تھی۔

بے لوثی اور نزاہت

ان اوصاف کے علاوہ ایک اور وصف جو سعید ابن المسیب کی شخصیت کو نمایاں اور ممتاز کر رہا تھا وہ ان کی نزاہت تھی اگرچہ آپ کی پوری زندگی میں اس کے ان گنت مظاہر تھے لیکن اس کا سب سے زیادہ ظہور خودداری اور عزت نفس کی شکل میں ہوتا تھا آپ بڑے ہی خود دار تھے کسی کا مال تھوڑا یا زیادہ کسی صورت میں لینا پسند نہ کرتے تھے اس لحاظ سے وہ عفت اور نزاہت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ عمران بن عبداللہ الخزاعی کا بیان ہے کہ:

"سعید ابن المسیب کی عطاءِ بیت المال تیس ہزار سے زیادہ جمع تھی جب ان کو رقم لینے کی سرکاری اطلاع آتی تو صاف انکار کر دیتے اور فرماتے مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۸)

عمران بن عبداللہ نے اپنے ایک دوسرے بیان میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ:

"سعید ابن المسیب کی بے نیازی اور نزاہت کا حال یہ تھا کہ کسی بھی شخص سے کبھی کچھ نہ لیتے تھے نہ دینار و درھم اور نہ کچھ اور حتیٰ کہ آپ کو گرمی میں شربتوں کی پیش کش کی جاتی تو اس میں بے نیازی کا مظاہرہ فرماتے اور کسی کا شربت بھی نوش نہ فرماتے"۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۱۶۷)

ابو نعیم اصفہانی نے اسی نزاہت کو بتانے کیلئے ایک اور واقعہ سفیان بن عیینہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

"دنیا حقیر ہے اور حقیر کی طرف اس کا میلان ہے اور جو اسے بغیر حق کے لیتا ہے اور بے راہ کے اس کا متلاشی ہوتا ہے اور غلط راہ میں لگاتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ حقیر ہے"۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۱۷۰)

حق گوئی و بے باکی

اسی بے نیازی اور نزاہت نفس کا نتیجہ ہے کہ اس مقام بلند کے باوجود جس میں، دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں ہے آپ کو خلق خدا کے حال پر

رحمت وشفقت اور مسلمانوں کے حالات اور معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا اور صرف اسی لئے آپ حکومت وقت کے سامنے بھی آجاتے تھے بڑی سے بڑی طاقت کے سامنے حق کہنے سے نہ چوکتے تھے امام ذہبی نے آپ کے تذکرے میں آپ کے چہرے کا آغاز ان الفاظ سے کیا ہے:

" قد کان واسع العلم وافر الحرمة متين الديانة فقيهه النفس قوالا بالحق".

(تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۵۷)

حق گوئی اور بے باکی اور امر بالمعروف میں استقامت کا اندازہ کرنا ہو تو وہ واقعہ پڑھیئے جو صاحب حلیۃ الاولیاء اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ:

" سعید ابن المسیب سے بھی سرکاری طور پر کہا گیا کہ ولید اور سلیمان کے حق میں ولی عہد عبدالملک کی حیثیت سے بیعت کرو آپ نے بلاخوف لومۃ لائم برملا کہہ دیا کہ جب تک لیل ونہار کی گردش قائم ہے میں دو شخصیتوں کی بیعت نہیں کرسکتا اس انکار پر ان سے کہا گیا کہ اس دروازے سے اندر آؤ اور دوسرے دروازے سے باہر چلے جانا یعنی تم ذاتی طور پر بے شک بیعت نہ کرو مگر لوگوں کو اپنے اس کردار کا پتہ نہ دو فرمایا کہ بخدا میرے پیچھے لوگوں میں سے کوئی نہیں ہے اس پر سعید کے سودرے لگائے گئے اور ٹاٹ پہنا دی گئی"۔

(حلیۃ الاولیا ج اصفحہ ۱۷۰)

صرف اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ بازاروں میں اسی ہیئت کے ساتھ جلوس نکالا گیا اور بالآخر:

" فردوہ الی السجن فحبسه" (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۶)

جلالت شان

سعید ابن المسیب کی بڑی صفت جس نے ان کو معاشرے میں ممتاز اور نمایاں کر رکھا تھا ان کی خداداد ہیبت تھی ان کی ہیبت اور جلالت شان اس سے معلوم کی جاسکتی ہے کہ ان کی مجلس میں آنے والوں میں اچھے اچھے لوگوں کا حال یہ تھا کہ گو وہ اپنے تلامذہ سے عام طور پر ہنسی مذاق کی باتیں کر لیتے تھے لیکن سعید کی مجلس میں اس سے بچ کر رہتے پولیس کے سپاہی تک جو ان کی نگہداشت پر مقرر تھے سعید ابن المسیب کی ہیبت سے دہشت زدہ رہتے تھے حالانکہ ان کی بے نفسی اور خوش اخلاقی کا حال یہ تھا کہ عمران فرماتے ہیں کہ:

" سعید کسی سے نہ جھگڑتے تھے اگر کوئی شخص ان کی چادر بھی پکڑ لیتا تو چادر دے کر روانہ ہو جاتے"۔ (طبقات ابن سعد)

لیکن اس کے باوجود دبدبہ کا عالم یہ تھا کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ کا بیان ہے کہ:

" سعید سے بات کرنے کی کسی کو جرات نہ ہوتی تھی بات پوچھنے کے لئے ان سے ایسے ہی اجازت طلب کی جاتی جیسے امیر شہر سے"۔ (حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۷۳)

سعید کے مشہور شاگرد امام زہری نے جہاں سعید ابن المسیب کے اخلاق و اوصاف سے بحث کی ہے وہاں بتایا ہے کہ:

" سعید ان اوصاف و اخلاق کے باوجود ایسے دبدبے کی شخصیت کے مالک تھے کہ ہر کس و ناکس بغیر کسی معیار کے ان کے سامنے نہ آتا تھا"۔ (طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۳۸۳)

لیکن اس جلالت و ہیبت کے باوجود سعید ابن المسیب حسن معاشرت کے حامل تھے نہ ان میں تند خوئی تھی نہ درشت مزاجی، خوش باش، خوش مزاجی، کریم الخلقی، خوش معاملگی اور نرم گفتگو کے پیکر تھے۔ استاد محمد رجب البیومی نے کیسی اچھی بات لکھی ہے کہ:

" وبهذه السيرة الرفيعة قد نهج نهجته الصالحة في الحياة الاجتماعية للناس كيف يكون عالم الاسلام رحيم القلب مع الضعفاء عزيز الجانب لدي الاقوياء"
(المجمع العدد الرابع)

یہ تھے سعید ابن المسیب کے اخلاق و عادات اور ان کا اجمالی تصور، آپ کی پوری زندگی " لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة " کا نمونہ تھی۔

سعید ابن المسیب کا دور ابتلا

خلافت راشدہ کا تیس سالہ دور ایسا گذرا ہے جس میں زمانہ نبوت کی تمام تر سعادتیں اور برکتیں، اسلام کی تمام اخلاقی و قانونی خوبیاں حکومت اور معاشرے میں پورے جوبن پر تھیں اس مبارک عہد میں جتنی کم سیاسی اور معاشرتی برائیاں رونما ہوئیں دنیا کی سیاسی و مذہبی تاریخ میں اس کی کوئی دوسری مثال نہیں۔ جرجی زیدان جیسا مصنف عیسائی ہونے کے باوجود اس اقرار پر مجبور ہو گیا ہے:

"ان سياسة الدولة في ايام الراشدين انما كان قوامها الجامعة العربية

وعمادها العدل والرفق والاريحية ففتحوا العالم الاسلامي واسسوا الدولة الاسلامية واخضعوا معظم المعمور في بضع وعشرين سنة وو جهتهم دينية وسلاحهم التقوىٰ والحق والعمل بالكتاب والسنة وغايتهم نشر الدين والتماس الثواب في الاخرة وحكومتهم بالانتخاب والشوریٰ". (تاریخ التمدن اسلامی ج۴ صفحہ۵۲)

خلفائے راشدین کے زمانے میں حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ حکومت کا قیام ایک جامعہ عربیہ پر ہو اور اس کی بنیاد انصاف، نرمی اور شہریوں کی خوش حالی سے وابستہ ہو خلفائے راشدین نے عالم اسلامی فتح کیا اور دولت اسلامی کی بنیاد رکھی اور صرف بیس سال کے عرصہ میں بیشتر آبادی کو رام کر لیا ان کی مرکزی توجہ دین کی طرف تھی اور ان کی قوت تقویٰ، راستی اور کتاب و سنت پر عمل کے سوا کچھ نہ تھا ان کا مطمح نظر دین کی اشاعت آخرت میں اللہ کی رضا جوئی تھی ان کی حکومت انتخابی اور شورائی تھی۔

لیکن اس عہد سعید کے بعد سوء اتفاق سے حکومت کی بھاگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی جو اپنی بہت سی انفرادی و اسلامی خصوصیات کے باوجود سیاسی میدان اور حکومت کے ایوان میں اپنی اجتماعی و اخلاقی اور قانونی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا نہ کر سکے جس کے نتیجے میں بہت جلد اسلامی خلافت شخصی حکومت میں تبدیل ہو گئی اگرچہ ابھی نام خلافت ہی رہا مگر اس میں خلافت کی روح باقی نہ رہی۔ عہد راشدہ میں سیاست مذہب و اخلاق کے تابع تھی اور اب مذہب و اخلاق پر سیاست کو ترجیح ہونے لگی اس سے پہلے خلافت کسی خاندان کی میراث نہ تھی اور اب یہ کسی نہ کسی خاندان کے لئے مخصوص ہو گئی خلفائے راشدین معاشرے کی اصلاح و فلاح کو حکومت کی سب سے بڑی بلکہ ذاتی ذمہ داری سمجھتے تھے اور اب حکومت کا قیام اور اس کی بقا کے لئے سیاسی جوڑ توڑ خلفاء کا سب سے بڑا کام رہ گیا تھا۔

لیکن اس تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ اسلامی معاشرے میں بعض نئی اور بعض دبی ہوئی پرانی برائیاں پھر ابھرنے لگیں اور کئی ایک فتنے رونما ہوئے لیکن ایوان حکومت سے باہر ابھی کچھ صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعین کی پوری جماعت موجود تھی جو صرف امر بالمعروف ہی کو نہیں بلکہ نہی عن المنکر کو بھی اپنی سب سے بڑی ذمہ داری اور سعادت سمجھتی تھی چنانچہ اس مبارک جماعت کے افراد انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے برائیوں کو مٹانے کے لئے

آگے بڑھے اور اس راہ میں انہوں نے وہ سب کچھ برداشت کیا جو اس راہ حق کے راہ نوردوں کو ہمیشہ برداشت کرنا پڑا ہے یعنی کتنے اس راہ میں شہید ہو کر خدا کے حضور سرخرو ہوئے اور کتنوں نے دار ورسن کو لبیک کہا اور کتنے قید و بند کی کڑیاں جھیلتے جھیلتے جاں بحق ہوگئے اور کچھ موقع کی تلاش میں تھے۔

گو تابعین کی یہ کوششیں حکومت کو دوبارہ خلافت میں تبدیل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں مگر ایوان حکومت سے باہر۔

اول : معاشرے کا ذہن خلافت اور حکومت کے جوہری فرق سے آشنا رہا۔

دوم : معاشرے کی اکثریت دین مبین پر قائم رہی۔

سوم : معاشرہ فتنوں کو فتنہ ہی سمجھتا رہا اسے دین نہیں سمجھا۔

عملی اور علمی طور پر دین کی حفاظت میں ان کی جدوجہد اور قربانی کا غیر معمولی اثر ہوا اور ان کی ہر کوشش اس لحاظ سے مشکور ثابت ہوئی اور دراصل ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے۔سعید ابن المسیب کی ذات گرامی ان برگزیدہ شخصیتوں میں سے ایک ہے جن کے دل میں جہاد کی تڑپ اور اقامت دین کا جذبہ موجود تھا عمران بن عبداللہ الخزاعی نے سعید ابن المسیب کی ذات تک صورت حال کی کیسی سچی نقاشی کی ہے اور چند لفظوں میں پوری مجاہدانہ زندگی اور اس کی ساری سرگرمیوں کی عکاسی کردی ہے فرماتے ہیں:

"سعید کی ذات اللہ کی راہ میں ایک مکھی سے بھی زیادہ بے قیمت اور حقیر تھی"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۷)

حادثہ کربلا کے تین سال بعد یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو اہل مدینہ کی اس تحریک کو دبانے کے لئے روانہ کیا جو یزید کے خلاف عبداللہ ابن الزبیر کی قیادت میں بپا ہوئی تھی اور پورے حجاز میں پھیل گئی تھی لیکن مدینے کو اس تحریک میں مرکزی حیثیت حاصل تھی مسلم بن عقبہ جسے مدینے والے مجرم اور مسرف کہتے تھے مدینہ پر حملہ آور ہوا شہری باہر نکل آئے اور مقام حرہ میں مقابلہ ہوا مسلم نے نہ صرف یہ کہ اہل مدینہ کو زیر کیا بلکہ پورے تین روز تک فوج کو قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی چھٹی دے دی۔ ابن العماد حنبلی رقمطراز ہے:

"مہاجرین و انصار کی اولاد میں سے ۳۰۶، صحابہ کرامؓ میں سے ۱۲ جلیل القدر ہستیاں شہید ہو گئیں"۔

مسعودی نے اور ابن العماد نے ان کو نام بنام شمار کیا ہے مدینہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد اوروں کے ساتھ سعید ابن المسیب پر بھی ابتلا آیا۔ ابن مصعب زبیری نے اس ابتلا کی داستان یہ لکھی ہے کہ:

"مسلم بن عقبہ نے مدینہ والوں کو دبانے اور پورے تین روز حرہ والے حادثہ میں لوٹ مار کے بعد شہر کے بڑے بڑے لوگوں کو بلایا ان آنے والوں میں پہلا شخص محمد بن ابی جہم تھا مسلم بن عقبہ نے اس سے کہا کہ یزید کی اس شرط پر تمہیں بیعت کرنی ہو گی کہ تم اس کے غلام ہو۔ چاہے وہ تم کو آزاد کر دے اور مرضی ہو تو غلام بنائے محمد بن ابی جہم نے جواب میں کہا کہ میں تو اس بنیاد پر بیعت کرتا ہوں کہ میں ایک آزاد نیک چچا زاد بھائی ہوں مسلم بن عقبہ نے یہ سنتے ہی گردن زدنی کا حکم دیا بعد ازیں مسلم کے سامنے یزید بن عبداللہ پیش ہوئے ان سے بھی مسلم بن عقبہ نے وہی کچھ کہا جو محمد بن ابی جہم سے کہا تھا اور جواب بھی وہی ملا جو محمد نے دیا تھا ان کو بھی شہید کر دیا نوبت سعید ابن المسیب کی آئی مسلم بن عقبہ نے سعید سے وہی کچھ کہا کہ یزید کی بیعت اسی بنیاد پر کرو کہ تم اس کے غلام ہو چاہے تو وہ تم کو آزاد کر دے اور چاہے تو غلام بنالے سعید نے جواب میں بتایا کہ میں کسی کی بھی بیعت نہیں کروں گا نہ غلام کی نہ آزاد کی۔ مسلم نے لانے والوں کو مخاطب کر کے کہا بخدا دیوانہ ہے لانے والوں نے سعید کی گردن دبادی سعید گردن دبانے کے ساتھ ان کے ہاتھوں میں رہ گئے انہوں نے سمجھا کہ مر گئے چھوڑ دیا سعید گر پڑے ہوش میں آئے تو زبان پر یہ کلمہ تھا: لا واللہ لا واللہ بخدا میں کسی کی بیعت نہیں کروں گا مروان ابن الحکم اور عمرو بن عثمان آگے بڑھے اور ان دونوں کی زبان سے بھی بے ساختہ یہی نکلا کہ دیوانہ ہے واپس مدینے آ گئے مروان اور عمرو بن عثمان سے پھر ملاقات ہوئی انہوں نے ان سے کہا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اے ابو محمد تمہاری جان بچ گئی آپ نے کہا پرے ہٹو سعید سن رہا تھا کہ تم جھوٹی گواہی دے رہے تھے میری شہادت سے محرومی کا باعث تم ہی ہو، جاؤ میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا"۔ (کتاب نسب قریش ج ۱۰ صفحہ ۱۷۲)

مسلم بن عقبہ نے یزید کی بیعت کی خاطر جو کچھ کیا اختیار و آزمائش، امتحان و ایذاء اور اہانت و تشدد کے جو دور اہل مدینہ پر گزرے اس سے کوئی منصف مورخ چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ تاریخ الاسلام السیاسی کے مصنف نے سچ لکھا ہے کہ:

" قد استشهد فی تلک المعرکة التی کانت شرا علی الاسلام والمسلمین زهرة اهل المدینة من الفرسان ومن خیرة اصحاب رسول اللہ ﷺ.

(تاریخ الاسلام السیاسی ج۱صفحہ۲۲۰)

اس جنگ میں جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے بدترین تھی مدینہ کے بہترین شہسوار اور بزرگ ترین صحابہ رسولؐ نے جام شہادت نوش کیا۔

سعید ابن المسیب باقی رہ گئے اس لئے کہ ان کے جسم میں توانائی نہ تھی لیکن جسم کی ساری کمزوریوں کے باوجود ان کے نفس میں عزیمت تھی ان کے قلب میں ایمان تھا استبداد نے ان کو اپنے تیئں عروس مرگ سے ہم کنار کر دیا مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی ان سے کچھ اور کام لینا تھا اس لئے بچ گئے۔ بلاشبہ تاریخ نے سعید ابن المسیب کے ساتھ ان کے شایان شان برتاؤ کیا۔ یزید کے بعد عبدالملک نے بھی سعید ابن المسیب پر وار کیا۔ البلاذری نے اس کی تفصیل لکھی ہے۔

۸۵ ھ میں عبدالملک نے اپنی زندگی میں اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کی ولایت عہد کی تحریک اٹھائی اور ابن کثیر رقمطراز ہے کہ اس تحریک کا باعث حجاج تھا اس نے اسی مقصد کیلئے مدینہ سے ایک وفد عمران بن عصام کی قیادت میں روانہ کیا عمران نے دربار میں اپنی معروضات منظوم پیش کیں۔ ادھر عبدالملک کے بھائی عبدالعزیز بن مروان کا انتقال ہو گیا اب میدان صاف ہو گیا سب سے پہلے ان دونوں بیٹوں کی ولایت عہد کے لئے دمشق دارالخلافہ میں بیعت لی گئی بعد ازیں تمام قلمرو میں بیعت کی تحریک سرکاری طریقے سے پہنچی لیکن یہ تحریک جب مدینہ منورہ میں مدینہ کے حاکم ہشام بن اسماعیل کے ذریعے پہنچی تو کہتے ہیں کہ سعید ابن المسیب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ:

"میں جب تک عبدالملک بقید حیات ہے کسی۔ سے بیعت نہ کروں گا"۔

اگر چہ البلاذری نے انساب الاشراف ج۱۱صفحہ۲۴۴ پر حالات لکھے ہیں۔ البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۶۰ شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۹۵ میں بھی حالات پر تبصرہ ہے لیکن ابونعیم اصفہانی نے حالات کا جس انداز سے تجزیہ کیا ہے اسے پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

عمران بن عبداللہ کہتے ہیں:

"سعید ابن المسیب کو جب ان دو صاحبزادوں کی ولائیت عہد کے لئے بیعت

کی دعوت دی گئی تو ان کا جواب یہ تھا کہ جب تک لیل ونہار کی گردش قائم ہے میں دو کی بیعت نہ کروں گا"۔ (حلیۃ الاولیاء ج صفحہ ۱۷۰)

رجاء بن جمیل کہتے ہیں کہ:

"جب بیعت ولید وسلیمان کی تحریک مدینہ پہنچی اور سعید کے خیالات منظر عام پر آئے تو عبدالرحمٰن عبدالقاری سعید ابن المسیب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں گویا ہوئے کہ میں آپ سے تین باتیں کہتا ہوں ان پر غور فرمایئے اور ان میں سے کسی ایک کو قبول کر لیجئے فرمایا وہ کیا ہیں؟ عبدالرحمٰن نے کہا کہ پہلی بات یہ ہے کہ آپ مدینہ چھوڑ دیجئے اور حاکم مدینہ کی نظروں سے دور ہو جایئے فرمایا کہ میں تو گلہ چھوڑنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں جہاں پر میرا چالیس سال سے ڈیرہ ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ دوسری بات یہ ہے کہ آپ عمرہ کے لئے تشریف لے جائیں فرمایا کہ میں ایسے کام میں نہ اپنی جان کو تکلیف دے سکتا ہوں اور نہ ہی روپیہ خرچ کر سکتا ہوں جس کے لئے مجھے کوئی امنگ نہیں اور نہ کوئی نیت۔ عبدالرحمٰن بولے کہ تیسری بات یہ ہے کہ آپ سرکاری حکم کے مطابق ولایت عہد کے لئے بیعت کر لیجئے۔ فرمایا اگر اللہ نے تم کو دل کی بصیرت سے بھی ایسا ہی محروم کر دیا جیسا آنکھوں کی بصارت سے، تو پھر میرا کوئی قصور نہیں یعنی ایسا کرنا تو درکنار ایسا سوچنا بھی میری رائے میں دل کی بصیرت سے خالی ہونے کی علامت ہے"۔ (حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۷۰)

اس کے بعد کیا ہوا یہ بھی رجاء بن جمیل کی زبانی سن لیجئے ہشام بن اسماعیل نے سعید کو بلایا ان کے سامنے ولایت عہد کی بیعت پیش کی انہوں نے برملا کہہ دیا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں ہرگز کسی کی بیعت نہ کروں گا ہشام بن اسماعیل نے یہ جواب سن کر کیا قدم اٹھایا؟ اس کی تفصیل یحییٰ ابن سعید انصاری نے یہ بتائی ہے کہ:

"والی مدینہ ہشام نے صورت حال سے عبدالملک کو اطلاع دی اور لکھ دیا کہ سعید کے سوا ساری آبادی نے بیعت کر لی ہے۔"

عبدالملک نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا وہ بھی سن لیجئے:

"اعرضه على السيف فان مضى والا فاجلده خمسين جلدة وطف به اسواق المدينة" (۲)

جب والی مدینہ کے پاس خط پہنچا تو والی نے شہر کے سر برآوردہ حضرات کو بلایا

اور ان سے کہا کہ آپ سعید ابن المسیب کے پاس جایئے اور ان کو سمجھایئے ان شہریوں کی ابونعیم نے فہرست دی ہے۔ سلیمان بن یسار، عروۃ ابن الزبیر، سالم بن عبداللہ۔ انہوں نے والی مدینہ کو اس پر راضی کر لیا کہ سعید آئیں اور آپ ان سے بیعت کو کہیں اگر وہ خاموش رہیں تو آپ اصرار نہ کریں۔ والی اس بات پر راضی ہو گیا یحییٰ ابن سعید کا بیان ہے کہ یہ وفد سعید ابن المسیب کی خدمت میں پہنچا اور جا کر انہوں نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا کہ:

"آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بارے میں مرکزی حکومت کے خاص آرڈر آئے ہیں اگر آپ بیعت نہ کریں تو آپ کو قتل کر دیا جائے گا ہم بے حد پریشانی کی حالت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں ہمیں آپ کی زندگی بے حد عزیز ہے اس وقت ہم تینوں صرف تین باتیں لے کر آئیں ہیں ان میں سے کوئی ایک قبول فرما لیجئے اول یہ کہ جب حاکم مدینہ آپ کے سامنے عبدالملک کا خط پڑھے تو آپ براہ نوازش ہاں یا نہیں کچھ بھی نہ کہیں اور خاموش رہیں سعید نے فورا فرمایا تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ کہیں گے سعید نے بیعت کر لی میں تو ہرگز ایسا نہ کروں گا فرمایا اچھا دوسری کیا ہے تینوں بولے دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ گھر میں تشریف رکھئے چند روز کے لئے نمازوں کے لئے مسجد نہ جایئے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنے کانوں سے حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کی آواز سنوں اور مسجد نہ جاؤں یہ میرے بس کی بات نہیں ہے فرمایا کہ اچھا تیسری بات فرمایئے تینوں بولے کہ کچھ دنوں کے لئے مسجد نبوی میں اپنی نشست تبدیل کر لیجئے۔
فرمایا کہ میں مخلوق سے ڈر کر ایک بالشت بھی آگے یا پیچھے ہونے کو تیار نہیں ہوں"۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۱)

تازیانوں کی سزا

تینوں زعماء اور فقہاء واپس آ گئے ظہر کی نماز کا وقت تھا مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی کہ ہشام کے والی نے سب کی موجودگی میں آپ کو بلایا اور یوں گویا ہوا کہ:

"امیر المومنین کا خط آیا ہے کہ اگر آپ بیعت نہ کریں تو آپ گردن زدنی ہیں"۔

سعید ابن المسیب نے نے تمام نتائج سے بے نیاز ہو کر اپنا موقف سب کے سامنے برملا یوں واضح کیا کہ:

"نھی رسول ﷺ عن بیعتین"

اس کے بعد کیا ہوا؟ لکھتے ہوئے قلم کانپتا ہے یحییٰ ابن سعید کا بیان ہے کہ:

"باہر لے جائے گئے گردن ناپ لی گئی تلواریں بے نیام ہو کر فضا میں لہرائیں، کپڑے اتار کر برہنہ کر دیا ٹاٹ ڈال دی گئی اور بر سر عام پچاس کوڑے جلاد نے لگائے مدینہ کے بازار میں اسی ہیئت کذائی میں جلوس نکالا"۔(حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۲)

فیا لـلاسف ویا للعار ! فانا لله والی الله المشتکی ! جب انسان اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر ملک الناس، الہ الناس اور رب الناس بن جاتا ہے تو استبداد وجور کے کتنے نمونے اس کے عمل سے رونما ہوتے ہیں۔

لکھا ہے کہ جب حکومت کی باگ ڈور عبدالملک کے ہاتھ آئی تو ایک روز مدینہ منورہ پہنچ کر حضور اکرمؐ کے منبر سے اس نے اعلان کیا:

"خدا کی قسم میں کمزور خلیفہ نہیں ہوں یعنی حضرت عثمانؓ اور نہ مدارات کرنے والا نخن ساز خلیفہ ہوں یعنی حضرت معاویہؓ۔ تم ہم سے مطالبہ کرتے ہو لیکن اپنے کو فراموش کر جاتے ہو بخدا! آج کے دن کے بعد اگر کسی نے مجھ سے تقویٰ کی فرمائش کی تو اسی وقت گردن اڑا دوں گا"۔(احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۸۲)

الجصاص نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"اول من قطع السنة الناس فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر".

(احکام القرآن ج ۱ صفحہ ۹۳)

ہر شخص کے سر پر ننگی تلوار لٹکی ہوئی تھی زبان سے لفظ نکلتا اور سر تن سے جدا ہو جاتا اسی دور کی خواجہ حسن بصری نے اپنے مخصوص انداز میں اس طرح نقاشی کی ہے:۔

"ھیھات ! واللہ حال دون ذالک السیف والسوط" (احکام القرآن ج ۲ صفحہ ۸۸)

جیل کی سزا

صرف زدو کوب پر ہی بس نہیں بلکہ زدوکوب، اہانت و تذلیل کے بعد قید کی سزا بھی تجویز کی گئی۔ عبداللہ بن جعفر کا بیان ہے کہ:

"اس اہانت و ذلت کی حالت میں شہر کا گشت کرانے کے بعد ایک گھاٹی پر لے

گئے سعید نے دریافت کیا کہ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ پیادوں نے جواب دیا کہ جیل میں"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۶)

جیل میں بھی عبرتناک اور دہشت ناک سزائیں دی گئی لیکن سعید دین کی زندگی میں کوہ استقامت تھے ان کے پائے استقلال میں کسی مرحلے پر جنبش نہیں آئی جیل کی سزاؤں کا اندازہ عبداللہ بن یزید کے اس بیان سے ہو سکتا ہے:

"میں جیل میں سعید کے پاس گیا بکری ذبح کی جاتی اس کی کھال آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی جاتی پھر تازہ قیچیوں سے ان کو سزا دی جاتی سعید اپنی کلائیوں کو دیکھتے تو فرماتے اللھم انصرنی من ھشام"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۶)

دوست اور احباب جیل میں جاتے اور سمجھاتے کہ حکومت جو کچھ کہہ رہی ہے مان لیجئے لیکن سعید ابن المسیب کی گری ایمان میں رتی برابر بھی فرق نہ آیا۔ طلحہ کے والد محترم کہتے ہیں کہ:

"مشہور فقیہہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن حضرت سعید کو سمجھانے کے لئے خود جیل میں تشریف لے گئے۔ آپ نے سعید سے گفتگو کی آپ نے فرمایا کہ آپ تو سٹھیا گئے ہیں سعید نے جواب دیا ابوبکر اللہ سے ڈر اور ہر مرحلہ پر اللہ کو ترجیح دے ابوبکر فرماتے ہیں کہ آپ تو بالکل ہی سخت ہو گئے کچھ تو نرمی فرمایئے سعید نے جواب دیا کہ آپ آنکھ کی بصارت اور دل کی بصیرت سے محروم ہیں ابوبکر وہاں سے واپس آئے ہشام والی مدینہ نے ان کو بلا بھیجا اور دریافت کیا بتاؤ کیا سعید کچھ نرم ہوئے ہیں؟ ابوبکر نے جواب دیا واللہ سعید تو مار کے بعد پہلے سے زیادہ بے نیام تلوار ہو گئے ہیں اس لئے آپ ان سے توجہ ہٹا لیجئے"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۷)

ابن سعد نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے بعد ہشام کے پاس عبدالملک کا خط آیا جس میں ہشام کو ڈانٹ ڈپٹ کی گئی تھی ہشام نے سعید کو رہا کر دیا۔

معاشرتی مقاطعہ

پھر رہائی کے بعد امتحان و ابتلاء کا ایک نیا دور شروع ہوا اگرچہ یہ دور پہلے کی طرح کوڑوں کی مار اور جسمانی ایذا سے خالی تھا کیونکہ ہشام کو معلوم تھا کہ اگر سختی کی گئی تو

رائے عامہ کی نظر میں سعید ابن المسیب کی وقعت اور منزلت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جائے گی اور ان کے افکار و خیالات لوگوں میں پھیل جائیں گے اس نے اگرچہ جسمانی ایذاء کا اعادہ نہیں کیا لیکن لوگوں کا سعید سے ملنا جلنا قانوناً بند کر دیا اور حکم صادر کر دیا کہ سعید سے کوئی نہ ملے عبداللہ القاسم کہتے ہیں کہ:

"میں سعید ابن المسیب کے پاس جا کر بیٹھا آپ نے مجھ سے فرمایا بھائی میرے پاس بیٹھنا منع ہے"۔

قتادہ ابن دعامہ کہتے ہیں کہ:

"جب بھی کوئی شخص سعید ابن المسیب کے پاس آتا تو آپ اس سے کہہ دیتے کہ مجھے سرکار نے سزا دی ہے اور مجھ سے لوگوں کا ملنا جلنا قانوناً بند کر دیا ہے"۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۲)

ابو یونس القزی کہتے ہیں کہ:

"میں مسجد کے اندر گیا تو دیکھا کہ سعید ابن المسیب اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں میں نے دریافت کیا کہ آپ اکیلے کیوں بیٹھے ہیں فرمایا اس لئے کہ حکومت کی جانب سے لوگوں کو مجھ سے ملنے جلنے سے منع کر دیا گیا ہے"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۸)

گرمی کے بعد نرمی

یوں کہئے کہ سعید کی استقامت کے سامنے سرکار نے ہتھیار ڈال دیئے اور حالات یکسر بدل گئے یا یوں سمجھئے کہ سعید کے ابتلاء کی تصویر بدل گئی پہلے مصائب کا ابتلاء تھا اب مال کا ابتلاء تھا۔ امویوں نے غور و فکر کے بعد طے کیا کہ ان طریقوں سے سعید کو دبایا نہ جا سکے گا عمران بن عبداللہ کا بیان ہے کہ:

"عبدالملک بن مروان حج کیلئے آیا مدینہ طیبہ پہنچا مسجد نبویؐ کے دروازے پر ٹھہر گیا اور مسجد کے اندر آدمی روانہ کیا کہ جا کر سعید ابن المسیب کو بلا لو مگر صرف آنے کی دعوت دینا اور کوئی حرکت نہ کرنا ایلچی پہنچا اور پیغام دیا کہ امیر مسجد کے دروازے پر کھڑے آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں فرمایا نہ امیر المومنین کو میری ضرورت اور نہ مجھے امیر المومنین کی ضرورت ——— اگر ان کو کوئی ضرورت ہے تو وہ پایہ تکمیل تک ہرگز نہ پہنچے گی ایلچی نے

آ کر جواب سنا دیا عبدالملک نے پھر ایلچی روانہ کیا اور کہا جا کر کہو کہ امیر المومنین تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں ایلچی آیا مگر سعید نے پہلے ہی جواب پر اکتفا کیا ایلچی نے کہا اگر مجھے ہدایات نہ ہوتیں تو میں تمہارا سر لے جاتا امیر المومنین تم کو بلا رہے ہیں اور تم ایسا ترش جواب دیتے ہو۔ فرمایا کہ ان کا ارادہ خیر کا ہے تو اس سے تم ہی فائدہ اٹھاؤ اگر اس کے علاوہ کوئی اور ارادہ ہے تو میں ایک انچ بھی چلنے کو تیار نہیں ہوں جو کچھ کرنا چاہتا ہے کر لے۔ ایلچی نے آ کر کہانی سنا دی عبدالملک نے کہا ابو محمد تجھ پر اللہ رحم کرے سختی ہی سختی ہے نرمی کا نام ونشان نہیں"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۹)

عبدالملک اس تگ ودو میں تھا کہ کسی طرح سعید کو راضی کیا جائے۔ عبدالملک کا یہ رویہ بدلنے کے ساتھ ہشام نے بھی اپنا طرز بدل لیا اور اسی مقصد کے لئے ہشام نے ابو بکر بن عبدالرحمٰن کو استعمال کیا تھا لیکن وہ ناکام ہوئے اور شاید ہشام کی تبدیلی کا باعث یہ ہو کہ قبیصہ ابن ابی ذؤیب نے عبدالملک کو جا کر یہ بتایا کہ:

"افسوس کی بات ہے کہ ہشام، سعید ابن المسیب جیسی شخصیت کو برسر بازار مارتا ہے اور اس حالت میں ان کا جلوس نکالتا ہے بخدا یہ کردار تو اچھا نہیں"۔

(انساب الاشراف ج ۱۱ صفحہ ۲۴۴)

رشتہ کی درخواست (نیا دام لائے پرانے شکاری)

اسی زمانے میں عبدالملک نے سعید ابن المسیب کے لئے ایک نیا دانہ پھینکا اس خیال سے کہ شاید قبضہ میں آ جائیں دانہ یہ تھا کہ خلیفہ نے کوشش کی کہ سعید ابن المسیب کی لڑکی سے اپنے بیٹے ولید کی شادی کر لے ولید ولی عہد ہو چکا تھا یعنی عبدالملک کے بعد سر براہ مملکت بننے کے لئے اس کے حق میں لوگوں سے بیعت ہو چکی تھی لیکن سعید ابن المسیب اس امتحان میں بھی پورے اترے اور شکاری کے نئے دام میں نئے دانہ کو اٹھانے سے بھی گریزاں رہے حافظ ابو نعیم اصفہانی رقمطراز ہیں:۔

"کانت بنت سعید ابن المسیب خطبها عبدالملک بن مروان لابنه الولید حین ولاه العهد فابیٰ سعید ان یزوجه" (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۹۸)

البدایہ میں حافظ ابن کثیر نے بھی یہ تصریح کی ہے۔

''اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ عبدالملک بن مروان مدینے میں آیا ہوا تھا قیلولہ سے بیدار ہوا بولا دیکھو مسجد میں کوئی ہے جو میرے ساتھ باتیں کرے ملازم مسجد میں اترے مسجد میں سعید کے سوا کوئی نہ تھا ملازم نے ان کو انگلی کے اشارے سے کہا مگر سعید ٹس سے مس نہ ہوئے ملازم پاس آیا اور بولا کیا تم نے میرے اشارے کو نہیں دیکھا فرمایا کیا کام ہے؟ ملازم نے کہا امیر المومنین بیدار ہوئے ہیں فرمایا ہے کہ دیکھو مسجد میں مجھ سے باتیں کرنے والا کوئی ہے سعید نے کہا میں امیر المومنین کے حداث میں سے نہیں ہوں ملازم نے عبدالملک کو آکر بتایا کہ مسجد میں تو صرف ایک بوڑھا آدمی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ امیر المومنین کے حداث میں سے نہیں ہوں عبدالملک نے سن کر کہا چھوڑو وہ تو سعید ابن المسیب ہے۔'' (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۳۰)

سعید ابن المسیب کی معاش اور بودوباش

سعید ابن المسیب کی زندگی فقرو فاقہ، غربت و فلاکت کی زندگی تھی انہوں نے کبھی فراغت اور بے فکری کی زندگی نہیں گذاری وہ بھوکے رہنے کو ایسے حال پر ترجیح دیتے تھے جس میں یہ امتیاز نہ ہو کہ یہ مال حلال خالص ہے یا اس میں کسی عطیے کے ممنون ہونے کی آمیزش ہے یہ بات ان لوگوں پر گراں گزرتی تھی کہ کسی کا عطیہ قبول کریں وہ اپنے جسم کو تکلیف پہنچانا گوارا کر لیتے تھے لیکن اپنے نفس کو مجروح نہ ہونے دیتے تھے زندگی بھر وہ اس طرح دن گذارتے رہے کہ انہوں نے اپنے نفس کی آزادی کی خاطر جسمانی تکلیف کا ہر قدم پر استقبال کیا کسی سے کچھ لینا تو درکنار پانی کا گھونٹ پینا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

عمران بن عبداللہ کا بیان ہے:

''سعید ابن المسیب کسی سے کچھ نہ لیتے تھے نہ دینار نہ درھم بلکہ بسا اوقات اگر پینے کی چیز کی کوئی پیش کش کرتا تو اس سے بھی گریز کرتے تھے''۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۶۷)

پانی تو پانی کسی کی روشنی سے فائدہ اٹھانا بھی گوارا نہ تھا عبدالرحمٰن بن حرملہ کہتے ہیں کہ:

''بارش والی رات تھی اندھیرا ہو رہا تھا رات کو ایک قریشی چراغ لے کر جا رہا تھا آپ بھی مسجد سے گھر جا رہے تھے قریشی نے آپ کو سلام کیا اور حال پوچھا۔ فرمایا الحمدللہ قریشی کا گھر آگیا تو اس نے درخواست کی کہ اجازت دیجئے روشنی آپ کے ساتھ ہی جائے

فرمایا مجھے تمہاری روشنی کی ضرورت نہیں اللہ کی روشنی مجھے تمہاری روشنی سے زیادہ ہے"۔
(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۷۳)

اگرچہ وہ زیتون کی تجارت کرتے تھے لیکن کپڑے کے کاروبار کو بے حد پسند کرتے تھے۔ محمد بن ہلال کہتے ہیں کہ:

"سعید ابن المسیب کہا کرتے تھے کہ کپڑے کا کاروبار بہترین ہے اگر اس میں قسمیں نہ ہوں"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۴)

زیتون کی تجارت ان کو اپنے والد سے ترکہ میں ملی تھی ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ ان کے والد کا کاروبار زیتون کی تجارت تھی:

" کان ابوہ المسیب یتجر بالزیت (معارف صفحہ ۱۹۳)

اس لئے وہ خود اس کا کاروبار کرتے تھے امام ذہبی نے جہاں یہ انکشاف کیا ہے کہ وہ زیتون کی تجارت کرتے تھے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ سعید کا سارا کاروباری سرمایہ چار سو دینار پر مشتمل تھا وہ لکھتے ہیں:

"ولہ اربع مائۃ دینار یتجر فیہا بالزیت" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۵۱، شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۲)

اسی پر ان کی گذر بسر ہوتی تھی کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ یہ کام منافع پر غلام سے بھی کراتے تھے چنانچہ حلیۃ الاولیاء میں ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں:

" کان سعید ابن المسیب یتجر غلاماً لہ فی للثی درھم" (حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۵ ج ۲)

یہ تھی کیفیت سعید ابن المسیب کی معیشت اور کسب رزق کی۔ اگرچہ وہ غربت اور فلاکت کی زندگی بسر کرتے تھے لیکن عطیوں کے قبول کرنے سے گریز کرتے تھے۔ حلیۃ الاولیاء میں جہاں سعید ابن المسیب کا حال لکھا ہے اس میں ایک مقام پر یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ بیگانوں کے علاوہ یگانوں بلکہ قریبی رشتہ داروں سے بھی کوئی امداد نہ لیتے تھے۔ ابونعیم اصفہانی نے احمد بن محمد کی زبانی یہ انکشاف کیا ہے کہ:

" اتاہ ابن عمہ باربعۃ الاف درھم فابیٰ ان یاخذھا" (حلیۃ الاولیاء صفحہ ۱۶۶)

وہ اس بات کا بڑی سختی سے لحاظ رکھتے تھے کہ جو مال ان کے ہاتھ میں آرہا ہے وہ ہر طرح کے شبہ سے پاک ہو اگر اس کے حلال ہونے میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو بے تامل اسے واپس کر دیتے ایسے مواقع پر اپنی مالی دشواریوں کے باوجود جواز کے پہلو پر حرمت کے پہلو کو

ترجیح دیتے تھے۔ حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں:

"کان سعید ابن المسیب من اورع الناس فیما یدخل بیته وبطنه"

(البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۰)

قناعت اور استغنا

ایسے حالات میں جبکہ سعید ابن المسیب کوئی ایسا مال قبول نہ کرتے تھے جو شک و شبہ کی آلودگی رکھتا ہو تو واضح ہے کہ ان کی عفت کردار حکمرانوں کا مال اور سرکاری امداد قبول کرنے پر کسی طرح بھی آمادہ نہ ہو سکتی تھی اگرچہ وہ مالی پریشانیوں سے دوچار تھے اور تنگدستی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

بلاشبہ عبدالملک کے ابتدائی دور میں سعید ابن المسیب کو کوئی پیش کش نہیں کی گئی بلکہ ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور لرزہ خیز اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا اس دور میں ان کا ابتلاء عطائی نہیں بلکہ بلائی تھا لیکن وہ وقت بھی آیا کہ بلایا کا دور ختم ہوا اور عطایا کا دور شروع ہو گیا یہ بھی عبدالملک ہی کا زمانہ ہے پہلے جسم کا امتحان درپیش تھا اب نفس کے لئے آزمائش کی گھڑی آن پہنچی تھی اگرچہ حجاج والی تھا مگر ان کو کچھ نہ کہتا تھا۔ علی ابن زید کہتے ہیں کہ:

"سعید ابن المسیب سے دریافت کیا گیا کہ کیا بات ہے کہ حجاج آپ کو کچھ نہیں کہتا؟ فرمایا بخدا مجھے کوئی علم نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک روز سکون و اطمینان کے بغیر جلدی جلدی نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے کچھ کنکریاں لے کر اس کو ماریں اور بس"۔

(حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۶۵)

عبدالملک بھی ان سے عقیدت رکھتا تھا ابن سعد نے عمر بن حبیب کی زبانی جو خواب کی تعبیر کا واقعہ بیان کیا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ عبدالملک میں یہ تبدیلی کسی طرح آئی لکھا ہے عمر بن حبیب کہتے ہیں کہ:

"میں ایک روز سعید ابن المسیب کے پاس بیٹھا تھا میں معاشی طور پر زمانہ کی ناہمواریوں کا بری طرح شکار تھا اور بے حد مقروض تھا ایک دن سعید کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے آ کر کہا کہ حضرت میں نے ایک خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر چاہتا ہوں فرمایا بولو کیا خواب دیکھا ہے؟ اس نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں نے

عبدالملک کو پکڑا ہے اس کو زمین پر لٹا کر اس کی پیٹھ میں میں نے چار کیلیں ٹھونک دی ہیں آپ نے خواب سن کر فرمایا کہ تم نے یہ خواب نہیں دیکھا اس نے کہا حضرت میں نے دیکھا ہے فرمایا ہرگز نہیں جب تک تم خواب دیکھنے والے کا نام نہیں بتاؤ گے میں تعبیر نہیں بتاؤں گا بولا کہ عبداللہ ابن الزبیر نے یہ خواب دیکھا ہے اور انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس روانہ کیا فرمایا اگر واقعی اس نے یہ خواب دیکھا ہے تو پھر اسے عبدالملک قتل کرے گا اور عبدالملک کی پیٹھ سے چار لڑکے ہوں گے اور چاروں ہی سربراہ مملکت ہوں گے"۔

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۲۳)

اس کے نتیجے میں عبدالملک نے مال و دولت کے ڈھیر سعید ابن المسیب کے قدموں میں ڈالے۔ ابونعیم اصفہانی رقمطراز ہیں کہ:

"سعید کے سامنے تیس ہزار سے زیادہ کی بڑے اصرار کے ساتھ پیش کش کی گئی لیکن سعید نے یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ مجھے ان کی ضرورت ہے اور نہ ہی مروان کی۔ اللہ تعالیٰ ہی روز قیامت میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا"۔

(حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۶۵)

سعید ابن المسیب کا زمانہ اور اس کی کارفرمائیاں

سعید ابن المسیب نے جس دور میں زندگی بسر کی یہ وہ زمانہ تھا جس میں اموی دور کے تمام عناصر پختہ ہو چکے تھے اس دور کا سیاسی پہلو یہ تھا کہ دولت امویہ کی بنیادیں مستحکم ہو چکی تھیں اب کوئی حریف ایسا میدان میں نہیں رہا تھا جس سے کسی طرح کا اندیشہ ہو اگر کچھ تھے تو وہ دب گئے تھے۔

اموی حکومت خارجی طور پر مستحکم ہونے کے ساتھ اپنی وسعتوں اور پہنائیوں میں بھی اپنی مثال آپ تھی حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان جو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی وہ اسی سیاسی شورش کی سب سے پہلی کڑی تھی یہ ہنگامہ عبداللہ ابن الزبیر اور ابن الاشعث کے قتل اور عبدالملک کی کامیابی پر ختم ہوا لیکن یہ کامیابی اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے خوشگوار کم تھی اور ناخوشگوار زیادہ عبدالملک نے کامیابی تلوار کے بل بوتے پر حاصل کی تھی یہ حق و صداقت اور عدل و انصاف کی فتح نہ تھی بلکہ جبر و استبداد کی کامیابی تھی۔

اموی حکومت کے اس استقرار و استحکام کے بعد ولید، جہاد کی طرف متوجہ ہوا اس کے بعد سلیمان بھی اسی ڈگر پر چلا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانے میں فتوحات کے ساتھ اندرون مملکت بھی حق و صداقت اور عدل و انصاف کا بول بالا کر دیا بعدازیں یزید اور ہشام عمر کی بنائی ہوئی راہ پر چلے اس لئے استحکام کے بعد حکومت میں ضعف و انحطاط کے آثار و عوامل کارفرما ہو گئے۔

یہ تھے وہ سیاست کے مظاہر جن میں سے کچھ کو سعید ابن المسیب نے دیکھا اور محسوس کیا۔ وہ ایک عرب نژاد شخص تھے اور قریش قبیلہ کے فرزند۔ ان کے باپ نے اسلام کی خاطر قربانیاں دی تھیں وہ پیدا ہوئے تو عدل فاروقی کی گود دیکھی ان کا بچپنا فاروقی انوار خلافت میں گذرا ان کا لڑکپن آیا تو عثمانؓ ذی النورین کی خلافت تھی عمر کی پوری اکیس بہاریں حضرت عثمانؓ کی خلافت تک گذار چکے تھے۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی خلافت میں وہ جوانی گذار رہے تھے۔ جمل، صفین، کربلا اور حرہ سب ان کی آنکھوں کے دیکھے ہوئے حالات و واقعات تھے امویوں کے زمانے میں انہوں نے حق و صداقت اور عدل و انصاف کے ساتھ اسلام کی شہری زندگی کو بے آبرو دیکھا جسے وہ برداشت نہ کر سکتے تھے اس کے لئے انہوں نے اپنی بساط کے مطابق ہر قسم کی قربانی دی تازیانوں کی عبرتناک سزا، ذلت و اہانت، جیل کی قید اور معاشرتی بائیکاٹ سب کچھ برداشت کیا لیکن باطل سے کبھی اور کسی وقت بھی مفاہمت نہ کی وہ کھلم کھلا برسر بازار خلفاء اور عمال حکومت پر نکتہ چینی کرتے تھے۔

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ مطلب ابن السائب کا بیان ہے کہ:

"میں بازار میں سعید کے پاس بیٹھا تھا کہ امویوں کی گشتی ڈاک والا پیادہ گذرا سعید نے دریافت کیا کہ تم مروانیوں کے ایلچی ہو بولا کہ ہاں فرمایا بتاؤ مروانی کیسے ہیں؟ بولا کہ اچھے ہیں فرمایا کہ تم ان کو ایسی حالت میں چھوڑ کر آئے ہو گے کہ انسانوں کو بھوکا مارتے اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہوں گے ایلچی نے سنا تو آپے سے باہر ہو گیا واقعہ نگار کہتا ہے کہ میں اٹھا اور اس کی خوشامد کرنے لگا تا آنکہ وہ ٹلا، میں نے سعید سے کہا بندہ خدا کیا غضب کرتے ہو خدا تم پر رحم کرے تم تو اپنے خون سے کھیلنا چاہتے ہو فرمایا بے وقوف ہو چپ رہو بخدا اللہ میرا اس وقت تک نگران ہے جب تک میں اس کے حقوق کا نگران ہوں"۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۵۲)

اس طرح سعید ابن المسیب اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے تھے حدیث میں انکار منکر کے جو تین درجے آئے ہیں کہ:

" من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فمن لم یستطیع فبلسانہ و ان لم یستطع فبقلبہ"

ان میں سے وہ دوسرے اور تیسرے پر عمل کرتے تھے ان میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اپنے غم وغصہ کا اظہار جنگ و پیکار کے ذریعے کرتے اس لئے کہ وہ اہل علم تھے صاحب شمشیر نہ تھے ان کے غضب اور غصہ کا مظاہرہ خلفاء اور عمال پر نکتہ چینی اور ملامت کی صورت میں ہوتا تھا وہ خلفاء اور عمال حکومت سے دور رہتے اور ان کے قریب نہ پھٹکتے تھے۔

ابن سعید نے عمرو بن عاصم کے حوالہ سے جو واقعہ ولید بن عبدالملک کا درج کیا ہے اسے پڑھئے اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ حکومت سے کس قدر دور رہتے تھے لکھا ہے کہ:

" ولید سربراہ مملکت بننے کے بعد مدینہ طیبہ آیا مسجد نبوی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک عمر رسیدہ بزرگ کو لوگ گھیرے ہوئے ہیں پوچھا یہ بزرگ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ سعید ابن المسیب۔ اپنی جگہ پر متمکن ہونے کے بعد سعید کو بلانے کے لئے فرستادہ روانہ کیا فرستادہ نے جا کر پیغام دیا کہ آپ کو امیر طلب کر رہے ہیں فرمایا کہ امیر المومنین نے کسی اور کو بلایا ہوگا شاید تمہیں غلطی لگی ہے فرستادہ آیا اور جواب سے ولید کو مطلع کیا ولید کو غصہ آیا اور اس کے ارادے میں فساد رونما ہوا اور بولا آج بھی لوگوں میں بچا کھچا فساد موجود ہے لوگوں نے بتایا امیر المومنین! یہ فقیہہ اہل مدینہ، شیخ قریش اور آپ کے والد کے دوستوں میں سے ہیں آپ کے پیشروؤں میں سے کسی نے ان کو کچھ نہیں کہا اس طرح معاملہ رفع دفع ہوا"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۹)

اثنائے درس میں خلفاء اور عمال حکومت پر نکتہ چینی کرتے تھے انکار منکر میں اس قدر ننگی تلوار تھے کہ اگر والی کو کبھی بھی غلطی کرتے دیکھتے تو ٹوک دیتے حجاج جیسا شخص نماز بے قاعدہ پڑھ رہا ہوتا تو اس کو بھی کنکریاں مار دیتے۔ ابونعیم اصفہانی نے خود حجاج کا اقرار نقل کیا ہے کہ:

" فمازلت احسن الصلوة" (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۶۵)

حکومت اور اراکین حکومت پر ان کی نکتہ چینی انکار منکر کے درجے تک تھی ورنہ وہ

لوگوں کو فتنے کی دعوت نہ دیتے تھے نہ لوگوں کو ان کے خلاف اکساتے تھے انتہائی خفگی اور برہمی کے باوجود یہ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت کا تختہ الٹ جائے حتیٰ کہ ان سے جب مختلف خانہ جنگیوں اور امویوں کی ان استبدادی کاروائیوں کے بارے میں پوچھنے والے پوچھتے جو کربلا، حرہ، حصار کعبہ اور ابن الاشعث کی صورت میں ظاہر ہوئیں تو آپ متین الفاظ میں جواب دیتے۔ ابوبکر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ:

''سعید ابن المسیب سے جب فرماں رواؤں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو فرماتے ان کے بارے میں تو وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے رب نے مجھے کہنے کا حکم دیا ہے یعنی یہ کہ:

" ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۳۰)

ان دعائی فقروں کے ذریعے سعید ابن المسیب نے وہ سب کچھ اپنے مخاطبوں کو سمجھا دیا جو حال کے مصنفین کتابوں میں بھی نہیں سمجھا سکتے انہوں نے خلافت، صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدینؓ اور سیاست ملی کے بارے میں اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا اور بتادیا کہ وہ صحابہؓ کا بے حد احترام کرتے ہیں اور کسی بھی صحابیؓ کے خلاف سب وشتم کرنے والے شخص کے اسلام کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں بلکہ سرے سے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں خواہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہوں یا عثمانؓ و علیؓ، عائشہؓ اور عبداللہ بن الزبیرؓ ہوں یا معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ.......

امام مالک نے شاید اسی آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جو شخص صحابہؓ سے بغض و عناد رکھے اور ان کی بدگوئی کرے اس کا مال فیئ میں حصہ نہیں ہے۔

(احکام القرآن ج۴ صفحہ ۲۲۷)

دراصل سعید ابن المسیب نے دعائی کلمات تلاوت فرما کر پوری آیات کی طرف اشارہ کر دیا ہے پوری آیات یہ ہیں:

للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم (تا) ربنا انک رؤف رحيم

ان آیات میں یہ باتیں بتائی گئیں ہیں:۔

۱۔ مہاجرین کے متعلق تین عقیدے رکھنے چاہئیں:

الف۔ وہ اللہ کے خالص اور مخلص بندے تھے ان کا مقصود زندگی رضائے الٰہی کے سوا کچھ

نہ تھا۔

ب۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کے مددگار تھے۔

ج۔ وہ صادق تھے اور صادق ہونے کی وجہ سے واجب الاقتداء تھے۔

۲۔ انصار کے بارے میں بھی تین عقیدے بتائے گئے ہیں:

الف۔ وہ مہاجرین سے محبت کرتے تھے۔

ب۔ وہ ایسے پاک وصاف تھے کہ حرص وحسد کا دھبہ بھی ان پر نہ تھا۔

ج۔ وہ مطلق فلاح یاب تھے۔

۳۔ مہاجرین وانصار کے بعد جو مسلمان قیامت تک آنے والے ہیں ان کو یہ بتایا گیا ہے کہ:

الف:۔ وہ انصار ومہاجرین کے مقام کو پہچانیں۔

ب:۔ وہ ان کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔

لفظ استغفار لا کر یہ بتایا ہے کہ اگر ان سے زندگی میں کوئی فرگذاشت ہوگئی ہے تو بعد میں آنے والوں کو ان پر طعن وتشنیع کرنا جائز نہیں ہے بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ ان کے لئے استغفار کریں۔

حافظ ابن تیمیہ رقمطراز ہیں:

"یہ آیات قرآنی مہاجرین، انصار اور ان لوگوں کی مدح وثنا میں آئی ہیں جو مہاجرین وانصار کے بعد آئیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگیں کہ اے اللہ ہمارے دلوں میں ان کا کینہ نہ ہو"۔ (منہاج السنہ ج ۱ صفحہ ۱۵۳)

حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے اس موضوع پر صحابہؓ کے کچھ بیانات درج کئے ہیں ان کا درج کرنا بھی یہاں ضروری ہے تاکہ سعید ابن المسیب کا موقف پوری طرح واضح ہو کر سامنے آجائے۔

"سعد ابن وقاص فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے ازروئے قرآن تین طبقے ہیں دو گذر چکے ہیں اب صرف ایک باقی ہے تم اس میں داخل ہو جاؤ یہ کہنے کے بعد قرآن کی یہ آیات تلاوت کی" للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم" فرمایا یہ مہاجرین ہیں اور یہ گذر چکے ہیں۔ بعد ازیں والذين جاء وا من بعدهم يقولون

ربنا اغفرلنا " تلاوت کی اور فرمایا کہ یہ طبقہ باقی ہے اس لئے تمہارا بہترین کردار یہ ہے کہ تمہارا اس طبقہ میں شمار ہو جائے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ حضور انورؐ کے صحابہ کیلئے استغفار کریں مگر لوگوں نے بجائے استغفار کے بدگوئی شروع کر دی یہ کہہ کر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی عبدالرحمٰن بن عمرؓ نے کسی شخص کو مہاجرین میں سے کسی پر اعتراض کرتے سنا انہوں نے فوراً معترض کے سامنے یہ آیت پڑھی۔۔۔۔ للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا " اور اس سے کہا کہ یہ مہاجرین ہیں اور کیا تو ان میں سے ہے۔؟ معترض نے کہا نہیں پھر آپ نے والذين تبوؤ الدار والی آیت پڑھی اور پوچھا کہ یہ انصار ہیں بتا کیا تو ان میں سے ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں پھر آپ نے آخری آیت والذين يقولون ربنا اغفرلنا" تلاوت کی اور دریافت کیا کہ کیا تو ان میں سے ہے؟ معترض نے کہا امید تو کچھ ایسی ہی ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا ہرگز نہیں ان میں سے وہ شخص نہیں ہو سکتا جو مہاجرین اور انصار کی بدگوئی کرے"۔

(ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل ششم)

الغرض اس دعائی فقرے کی تلاوت سے سعید ابن المسیب نے اپنے مسلک کی پوری وضاحت کر دی ہے اور بتایا ہے کہ وہ صحابہؓ کا پورے طور پر احترام کرتے ہیں وہ خلفائے راشدینؓ کی جلالت شان کے پورے طور پر قائل تھے نہ وہ حضرت معاویہؓ پر طعن کرتے اور نہ عمر بن العاصؓ کو برا کہتے۔

ماضی کے بارے میں ان کے معتقدات یہ تھے اور حال کا اندازہ کرنا ہو تو سفیان کا وہ بیان پڑھ لیجئے جو ابن سعد نے قبیصہ ابن عقبہ کے حوالے سے درج کیا ہے کہ:

" ایک شخص نے سعید ابن المسیب سے درخواست کی کہ بنی امیہ کیلئے بددعا کر دیجئے فرمایا اللهم اعز دينك واظهر اولياءك واخز اعداءك في عافيته لامة محمد ﷺ. (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۸)

" فی عافية لامة محمدؐ" کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ سعید نظام کی تبدیلی اور انقلاب کی خاطر فتنوں کو پسند نہ کرتے تھے بالفاظ دیگر سعید ابن المسیب اپنی ذات کی حد تک اگرچہ انقلابی تھے مگر انقلاب وہ آئین کے اندر رہ کر لانا چاہتے تھے۔ اس کے لئے وہ فتنوں کو دعوت نہ دیتے تھے اور نہ لوگوں کو حکومت کے خلاف اکساتے تھے لیکن وہ فرماں

رواؤں پر کھلم کھلا نکتہ چینی کرتے ان سے تعاون نہ کرتے ان کے عطایا قبول نہ کرتے بلکہ ان کے مال سے بیزار رہتے ان کے عطایا سے روگرداں رہ کر پورے طور پر اپنے آپ کو علم کے لئے وقف کر چکے تھے اس کے باوجود وہ حزب اختلاف کے خلاف، ارباب اقتدار سے کچھ سننا کبھی گوارا نہ کرتے تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جو امام زین العابدین کے حوالہ سے ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

"میرے سے سعید ابن المسیب نے کہا کہ اپنے آدمی سے فرمایئے کہ ذرا ٹھہر جائے اور یہ جو شخص سامنے موجود ہے اُسے جا کر پوچھے اس کا چہرہ اور اس کا جسم دیکھے، زین العابدین کا آدمی گیا اس نے شخص مذکور کو بغور دیکھا آکر اس نے بتایا کہ یہ عجیب آدمی ہے چہرہ حبشیوں جیسا کالا ہے اور باقی جسم سفید ہے سعید نے بتایا کہ یہ بندہ خدا ان لوگوں کے حق میں بدگوئی کرتا تھا۔ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ۔ میں نے اس کو روکا باز نہ آیا میں نے اس کے حق میں یہ کہہ کر بددعا کی کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تیرا چہرہ سیاہ کر دے اس کے چہرے پر پھنسیاں نکل آئیں اور اس کے نتیجے میں اس کا منہ کالا ہو گیا"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۶)

سعید ابن المسیب اور حدیث

سعید ابن المسیب کی طلب حدیث کی داستان علم میں یہ بات تو ہم یحییٰ ابن سعید اور امام مالک کی زبانی سن چکے ہیں کہ:

"میں ایک حدیث کی تلاش میں دن رات سفر کرتا تھا" (البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۰)

طلب حدیث کے ساتھ موصوف نے ان صحابہؓ سے جن کی خدمت میں ان کو حاضر ہونے کا موقعہ ملا حفظ حدیث کا کام بھی شروع کر دیا انہوں نے ایک مجاہد کی حیثیت سے اس فرض کو سرانجام دیا ہر تکلیف برداشت کی، ہر دکھ سہا، ہر اذیت برداشت کی اور حدیث کے حفظ کرنے کا کام وہ ساری زندگی کرتے رہے یہ کام انہوں نے اس قدر انہماک کے ساتھ کیا کہ ایک طرف حضور انور ﷺ کے ارشادات کو یاد کیا اور دوسری طرف ابوبکرؓ و عمرؓ کے عدالتی فیصلے اور حوادث سے متعلق فتاویٰ کو بھی محفوظ کر لیا۔ خود ارباب حدیث کے انکے بارے میں تاثرات یہ ہیں:

امام قتادہ، امام زہری اور امام مکحول سے امام ذہبی نے نقل کیا ہے کہ:
''ہم نے سعید سے زیادہ حدیث کا عالم کوئی نہیں دیکھا'' (تذکرۃ الحفاظ ج۱صفحہ۶۲)
سعید ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ خود سعید ابن المسیب کا اپنا اقرار ہے کہ:
''میرے سے زیادہ حضور انورؐ، ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ کے فیصلوں کا عالم کوئی نہیں''۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۵۱)

ابن کثیر دمشقی نے امام ذہبی سے نقل کیا ہے کہ:
''مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ صحابی سعید ابن المسیب کے پاس حضرت عمرؓ کے فیصلے اور انکے فتاویٰ دریافت کرنے کے لئے قاصد روانہ کرتے تھے''۔
(البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۰)
ابن النجار نے الاکمال فی معرفتہ الرجال میں ابن عمرؓ کے بارے میں یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ:
''عبداللہ ابن عمر سے ایک شخص نے ایک بار ایک مسئلہ دریافت کیا فرمایا کہ سعید ابن المسیب کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھ کر آؤ اور مجھے بھی آ کر بتاؤ وہ گئے مسئلہ سعید سے پوچھا اور آ کر حضرت ابن عمر کو بھی بتایا ابن عمر نے سن کر فرمایا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ سعید علماء میں سے ایک ہیں''۔ (الاکمال فی معرفتہ الرجال)
یہ بات بھی ابن النجار نے ابن عمر ہی کے حوالے سے سعید کے بارے میں لکھی ہے کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ:
''اگر سعید کو حضورﷺ دیکھتے تو دیکھ کر خوش ہو جاتے''۔ (الاکمال فی معرفتہ الرجال)
الغرض زندگی کے شب و روز انہوں نے حفظ حدیث کے کام میں صرف کر دیئے یہاں تک کہ محدثین نے ان کی حدیث دانی کا لوہا مانا ہے امام زہری جو سرخیل محدثین ہیں اور جن کو سعید کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے کا شرف حاصل ہے ان کا بیان ہے کہ سعید سے زیادہ حدیث کا عالم کوئی نہیں ہے۔ علی ابن المدینی فرماتے ہیں:
''لا اعلم فی التابعین اوسع علماً منہ'' (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۰)
علم حدیث میں سعید کی امامت، جلالت شان اور ان کے حافظے پر محدثین کو اس قدر اعتماد ہے کہ مرسلات کو ان کے یہاں پذیرائی کا شرف حاصل ہے امام ابوحنیفہ حدیث

مرسل کو قبول کر لیتے ہیں بشرطیکہ ارسال صحابی، تابعی، یا تبع تابعی تک محدود ہو امام مالک بھی مرسلات کو قبول کرتے اور اُن کی بنیاد پر فتویٰ دیتے۔

ان بزرگوں کے مرسلات کو قبول کر لینا تساہل فی الروایت کی دلیل نہیں وہ ہر شخص کے ارسال کو قبول نہ کرتے تھے بلکہ صرف ان کی مرسلات کو اپناتے تھے جن کی ثقاہت اور صداقت معروف ہو۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں:

"جس حدیث کو میں کم از کم چار صحابہؓ سے سن لیتا ہوں اس کو مرسل کر دیتا ہوں"۔
(توضیح الافکار ا صفحہ ۸۸)

تابعین اور اتباع تابعین میں ارسال عام تھا بلکہ محمد بن جریر الطبری نے تو تصریح کی ہے کہ:

" ان التابعين اجمعوا باسرهم على قبول المراسيل ولم يأت عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة الىٰ راس المائتين"۔ (توضیح الافکار ا صفحہ ۸۸)

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ ابن جریر یہ کہنا چاہتا ہے کہ دوسری صدی کے آغاز میں مراسیل کی حجیت کا انکار سب سے زیادہ امام شافعی نے کیا ہے لیکن امام شافعی انکار کے باوجود سعید ابن المسیب کے مراسیل کو قبول کرتے تھے۔ صاحب تنقیح الانظار رقمطراز ہیں:

" قال الشافعي يقبل المرسل ممن عرف انه لا يرسل الا عن ثقة كما ابن المسيب"
(تنقیح الانظار ا صفحہ ۲۸۸)

محمد بن اسماعیل الیمانی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے:

"کیونکہ سعید ابن المسیب جب بھی ارسال کرتے ہیں تو صرف ثقہ سے کرتے تھے ان کی صحابہؓ کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی ہے صحابہؓ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے وہ ازواج مطہراتؓ سے علم حاصل کرتے تھے ان کی زیادہ روایات کا اثاثہ ابو ہریرہؓ کی ذات ہے"۔
(توضیح الافکار ا صفحہ ۲۸۹)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ امام شافعی کو سعید ابن المسیب کے علم، حفظ، ثقاہت اور دیانت پر اس قدر اعتماد ہے کہ ان سے یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی خلاف واقعہ بات کو غلط منسوب کر دیں گے۔

ابن کثیر نے البدایہ میں تصریح کی ہے کہ سعید ابن المسیب صرف عشرہ مبشرہؓ ہی سے ارسال نہ کرتے تھے بلکہ حضور انور ﷺ سے بھی بہت زیادہ ارسال کرتے تھے چنانچہ ان کا بیان ہے:

"ارسل عنهم کما ارسل کثیرا عن النبی ﷺ. (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۹۹)

امام شافعی ہی نے ان کے مرسلات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ امام شافعی کے بعد آنے والے دوسرے محدثین نے بھی ان کے مرسلات کی صحت کو قبول کیا ہے چنانچہ الذہبی نے لکھا ہے:

"قال احمد بن حنبل وغیره مرسلات سعید صحیح" (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۵۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جمیع محدثین کی طرف نسبت کر کے لکھا ہے کہ:

"اتفقوا علیٰ ان مرسلاته اصح" (تقریب التہذیب)

بارگاہ محدثین میں سعید کے مرسلات کی یہ مقبولیت اس بات کا اعلان ہے کہ سعید کے علم، حافظہ، ثقاہت اور دیانت پر محدثین کو کس درجہ اعتماد ہے اور خود سعید کا حدیث میں محدثین کے یہاں کیا مقام ہے حاکم نے علوم الحدیث میں ان بلاد و امصار کے نام بتائے ہیں جن میں مشہور شخصیتیں ارسال سے کام لے کر احادیث روایت کرتی تھیں لکھا ہے کہ:

"مدینہ میں سعید ابن المسیب، مکہ میں عطاء ابن رباح بصرہ میں حسن بصری، کوفہ میں ابراہیم نخعی مصر میں سعید ابن ابی ہلال اور شام میں مکحول سے احادیث کا زیادہ ذخیرہ مرسلات پر مشتمل ہے لیکن ان تمام میں سب سے زیادہ صحیح مراسیل سعید ابن المسیب کی ہیں کیونکہ:

اولاً : یہ اولاد صحابہؓ سے ہیں اور عشرہ مبشرہؓ کو انہوں نے پایا ہے۔

ثانیاً : یہ ان فقہائے سبعہ میں سے ہیں جن کا اجماع امام مالک کے نزدیک پوری امت کے اجماع کے ہم پلہ ہے"۔ (تدریب الراوی صفحہ ۱۲۳)

سعید ابن المسیب اور فقہ

ان کے علم و فضل کا سب سے وسیع میدان یہی ہے اس میں انہوں نے تمام علوم

سے زیادہ اپنی جودت طبع اور جولانی فکر کا ثبوت دیا ہے اور فقیہہ ہی کی حیثیت سے دنیا ان کو جانتی اور مانتی ہے۔ ابن سعد نے اس دور کے اکابر کے جو تاثرات ان کی جلالت فقہی کے بارے میں نقل کئے ہیں ان کے مطالعہ سے ہر ایک منصف مؤرخ دیکھ سکتا ہے کہ فقاہت میں ان کا مقام رفیع کیا ہے؟

قدامہ ابن موسیٰ فرماتے ہیں کہ:

"سعید ابن المسیب صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فتاویٰ کا کام کرتے تھے"۔

محمد بن یحییٰ بن حبان کہتے ہیں کہ:

"سعید ابن المسیب اپنے زمانے میں مدینے کے علماء میں فتاویٰ میں سب سے پیش پیش تھے اور ان کو فقیہہ الفقہاء کہا جاتا تھا"۔

امام علی ابن الحسین کہتے ہیں کہ:

"میں مدینہ طیبہ آیا میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اہل مدینہ میں سب سے بڑا فقیہہ کون ہے؟ سب نے مجھے سعید ابن المسیب کا پتہ دیا"۔

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۲۴ تا صفحہ ۱۲۶)

حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں: الامام شیخ الاسلام فقیہ المدینة"۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۵۱)

امام ذہبی نے اعلام النبلاء میں لکھا ہے:

"سید التابعین احد الفقهاء السبعة جمع بين الحديث والفقه والزهد والورع"۔

(اعلام النبلاء ج۴ صفحہ ۱۰۰)

خزرجی نے تہذیب الکمال کے خلاصہ میں ان کو اس علماء التابعين واعلمهم وفاضلهم وفقيههم (خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۱۲۱) اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے احد علماء التابعين الفقهاء الكبار لکھا ہے۔ (تقریب التھذیب صفحہ ۱۲۹)

الغرض اس دور کے تمام اکابر اور متاخرین محدثین اور فقہاء نے فقہ میں ان کی امامت اور جلالت شان کو مانا اور سراہا ہے اور مشہور اہل فن میں سے کوئی نہیں جس نے ان کے تفقہ کو شک کی نگاہوں سے دیکھا ہے ان کے تفقہ پر بھلا شبہ ہی کون کر سکتا ہے جنہوں نے فقہ میں ان فقہاء صحابہؓ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے جن کا تفقہ امت میں نہ

صرف مسلم بلکہ ضرب المثل ہے صحابہ میں زید ابن ثابتؓ، سعد ابن ابی وقاصؓ، ابن عباسؓ، عائشہؓ، عثمانؓ بن عفان، علیؓ ابن ابی طالب کے فقہ پر کون حرف گیری کر سکتا ہے؟

ابن سعد نے ہشام ابن سعد کے حوالہ سے سعید ابن المسیب کے علم فقہ میں شجرہ علمی کا تذکرہ کرتے ہوئے امام زہری کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

"سعید ابن المسیب کا فقہ میں نسب نامہ زید ابن ثابتؓ سے ملتا ہے ان کو فقہ کے حاصل کرنے میں سعد بن ابی وقاصؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ اور عائشہؓ کی ہم نشینی کا شرف حاصل ہے"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۱)

حضرت عمرؓ کے فتاویٰ اور عدالتی فیصلے ان کو اس قدر محفوظ اور نوک زباں تھے کہ تاریخ نے ان کو "راویۃ عمر" کے لقب سے پکارا ہے حافظ ذہبی کا بیان ہے:

"کان احفظ الناس لاحکام عمر واقضیتہ حتیٰ سمی راویۃ عمر".
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۵۱)

ان تصریحات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فقہ میں سعید ابن المسیب کا مقام کیا ہے؟

سعید ابن المسیب اور علم الانساب

دوسرے علوم کے ساتھ عرب کا مایہ ناز علم "الانساب" بھی ہے ابن حزم نے اس علم کو علم جلیل رفیع لکھا ہے۔ (جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۲)

مسند امام احمد میں انساب کے موضوع پر ایک حدیث بھی آئی ہے ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ:

"جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اتنا نسب ضرور سیکھ لو کہ صلہ رحمی کا فرض انجام دے سکو کیونکہ صلہ رحمی محبت اور وداد، ثروت مال، عمر کی بڑھوتری اور رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے"۔ (مسند امام احمد ج ۲ صفحہ ۳۷۴)

علم الانساب کی ضرورت پر ابن حزم نے جمہرۃ الانساب میں حب الانصار سے بھی استدلال کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ:

"فان لم نعرف انساب الانصار لم نعرف الی من نحسن ولا عمن نتجاوز".
(جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۳)

اگر ہمیں انساب انصار معلوم نہ ہوں تو ہمیں پتہ نہیں لگ سکتا کہ کس کے ساتھ حسن سلوک کریں اور کس کی برائیوں سے نظر کو بچا کر رکھیں۔

سعید ابن المسیب کا علم الانساب میں اپنے دور کے ان ارباب علم میں شمار ہے جن کو اس فن میں درجہ امامت اور زعامت حاصل ہے ـــــــ حافظ ابن حزم رقمطراز ہیں:

کان سعید ابن المسیب وابنہ محمد ابن سعید والزہری من اعلم الناس بالانساب فی جماعۃ من اہل الفضل والفقہ والامامۃ"۔ (جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۵)

الجاحظ نے علماء نسب کا عنوان قائم کر کے جہاں علمائے نسب پر تبصرہ کیا ہے وہاں علم الانساب میں سعید ابن المسیب کا پورا شجرہ علمی قلمبند کیا ہے لکھتے ہیں:

"جبیرؓ عرب کے علمائے انساب میں سے تھے علم الانساب میں جبیرؓ نے ابوبکر الصدیقؓ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے اور جبیر اس علم میں سعید ابن المسیب کے استاد ہیں"۔ (البیان والتبیین)

ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں:

"کان ابوبکرؓ انسب ہذہ الامۃ ثم عمرؓ ثم جبیرؓ بن مطعم ثم سعید ابن المسیب"۔ (البیان والتبیین ج ۱ صفحہ ۳۰۶)

ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں علمائے نسب پر ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے اس میں انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے بعد سعید ابن المسیب کو نساب قرار دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"کان ابوبکرؓ نسابۃ وکان سعید ابن المسیب نسابۃ" (العقد الفرید ج ۳ صفحہ ۲۷۴)

لیکن اس فن میں امامت کے باوجود وہ یہ پسند نہ کرتے تھے کہ رائے عامہ کا اس علم کی طرف رجحان ہو غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ عوامی میلان علوم شرعیہ سے ہٹ کر اس طرف ہو چنانچہ الجاحظ کہتے ہیں کہ:

"ایک بار ان سے ایک شخص نے درخواست کی کہ آپ مجھے علم الانساب کی تعلیم دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ لوگوں کے پیچھے ٹٹولو؟"۔ (البیان والتبیین ج ۱ صفحہ ۲۹۲)

الغرض سعید ابن المسیب علم الانساب میں یگانہ روزگار اور اپنے دور کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

سعید ابن المسیب اور تاویل رویاء

دوسرے علوم کے ساتھ سعید ابن المسیب کو اپنے زمانے میں تاویل الرویاء کے علم میں درستگاہ کامل تھی اس فن میں ان کو ایسا خداداد کمال تھا کہ صرف تاویل ہی مخاطب اور رائی کو نہ بتاتے تھے بلکہ تاویل بتا کر خواب دیکھنے والے کو مطمئن کر دیتے تھے۔ مورخین نے ان کو تعبیر رویاء کے ایک سے زیادہ واقعات لکھے ہیں۔

اس فن میں ان کی مہارت، ان کی طہارت طبع اور نزاہت نفس کی وجہ سے تھی نزاہت ہی سے ان کے نفس اور شخصیت کی تعمیر ہوئی تھی ان کی عفت نفس اور نزاہت طبع حد بیان سے باہر تھی یہاں تک کہ انہوں نے اپنے نفس و طبیعت پر بعض حلال چیزیں بھی حرام کر رکھی تھیں وہ خلفاء کے عطیے قبول نہ کرتے تھے۔ الذہبی نے لکھا ہے کہ:

" لا یاخذ عطاء " . (اعلام النبلاء ج ۳ صفحہ ۱۵۵)

امام زہری نے ان کی نزاہت نفس کی تصویر ان لفظوں میں پیش کی ہے:

" ورع یابس ونزاهة وكلام بحق عندالسلطان وغيرهم ومجانبة السلطان".

(طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۳)

اسی پارسائی، نزاہت نفس کی وجہ سے ان کو تاویل الرویاء میں ایک خاص قسم کا کمال پیدا ہو گیا تھا ابن سعد نے طبقات میں، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اور البلاذری نے انساب الاشراف میں تاویل الرویاء کے متعدد واقعات کا حوالہ دیا ہے جن سے سعید ابن المسیب کے علم تاویل الرویاء کے بارے میں انکشاف کے بعد کہ:

"كان سعيد ابن المسيب من أعبر الناس للرؤياء "

ان کے علمی نسب نامے کا بھی تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں:

" وكان اخذ ذالك عن اسماء بنت ابی بکرؓ واخذته اسماءؓ عن ابيها ابی بکرؓ".

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۴)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سعید بیک واسطہ تاویل رویاء میں جناب صدیق اکبرؓ کے شاگرد اور تلانذہ میں سے ہیں ہم یہاں واقعات کا تفصیلی جائزہ تو نہیں لے سکتے لیکن اجمالی طور پر چند واقعات ہدیہ خدمت کرتے ہیں جن سے ان کے فنی کمال کا قدرے اندازہ ہو سکے۔

البلاذری رقمطراز ہے کہ:

"ابراہیم بن سعد کہتے ہیں کہ عبدالملک نے خواب میں دیکھا کہ اس کی مخزومی بیوی نے اس کا سر پھاڑ دیا اور اس کو بیس بار مارا عبدالملک نے ایک شخص کو خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے سعید کے پاس روانہ کیا آپ نے سنتے ہی فی البدیہہ جواب میں فرمایا کہ عبدالملک کے ایک لڑکا پیدا ہوگا اور وہ لڑکا بیس سال فرماں روائی کرے گا"۔
(انساب الاشراف ج ۱۱ صفحہ ۱۶۰)

ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

"عمر بن حبیب کہتے ہیں کہ میں ایک روز سعید ابن المسیب کے پاس بیٹھا تھا اور میرا حال یہ تھا کہ زمانہ کے ہاتھوں تنگ اور قرض میں دبا ہوا تھا یعنی میں زندگی بڑی کٹھن گزار رہا تھا میں اسی پریشانی میں کہ کیا کروں سعید کے پاس بیٹھا تھا کہ یکا یک ایک شخص آیا اس نے آکر کہا کہ حضرت میں نے خواب دیکھا ہے ارشاد ہوا بتاؤ تو بولا میں نے دیکھا ہے کہ میں نے عبدالملک کو پچھاڑا ہے اس کے پیٹ پر بیٹھا ہوں اور میں نے اس کی پیٹھ میں چار کیلیں گاڑ دی ہیں سعید نے کہا کہ خواب تم نے نہیں دیکھا اس نے کہا حضرت میں نے ہی دیکھا ہے فرمایا جب تک خواب دیکھنے والے کا پتہ نہ دو گے میں تعبیر نہ بتاؤں گا بولا کہ یہ خواب عبداللہ ابن الزبیرؓ نے دیکھا ہے اور مجھے انہوں نے تعبیر دریافت کرنے کیلئے روانہ کیا ہے فرمایا کہ اگر ان کا خواب سچا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبدالملک ضرور ابن الزبیر کو قتل کرے گا اور عبدالملک کے چار لڑکے ہوں گے جو یکے بعد دیگرے چاروں خلفاء ہوں گے"۔

عمر بن حبیب کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں سیدھا شام پہنچا اور عبدالملک کو عبداللہ ابن الزبیرؓ کا خواب اور سعید ابن المسیب کی بیان کردہ تعبیر بتائی بے حد خوش ہوا مجھ سے سعید کے بارے میں دریافت کرنے لگا اور رخصت کے وقت میرا قرض ادا کرنے کا حکم دیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۳)

البلاذری نے ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ:

"عبدالملک نے خواب میں دیکھا کہ کعبۃ اللہ میں پیشاب کر رہا ہے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے ایک شخص کو سعید کے پاس روانہ کیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ نہ بتانا کہ خواب کس نے دیکھا ہے ایلچی نے کہا میں نے ایسے ایسے خواب دیکھا ہے سعید ابن المسیب نے

کہا کہ تیرے جیسا یہ خواب نہیں دیکھ سکتا عبدالملک کے پاس جاکر قاصد نے ساری داستان سنائی عبدالملک نے کہا واپس جاؤ اور ان کو بتاؤ کہ خواب میں نے دیکھا ہے اس نے جاکر حقیقت حال واضح کی سعید نے ماجرا سن کر فرمایا کہ عبدالملک کی پشت سے ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جو خلیفہ ہوگا"۔ (انساب الاشراف ج۱۱ صفحہ ۲۴۳)

ابن سعد نے تاویل الرویاء کے عنوان پر اور بھی واقعات مختلف اکابر کے حوالہ سے لکھے ہیں مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ:

"شریک بن نمیر کہتے ہیں کہ میں نے سعید ابن المسیب سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دانت گر کر میرے ہاتھ میں آگئے فرمایا اگر خواب سچا ہے تو تم اپنے گھر والوں میں سے اپنے ہم عمروں کو اپنے ہاتھ سے دفن کروگے"۔

ایک اور واقعہ ہے:

"مسلم خباط کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سعید ابن المسیب سے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں ہاتھ میں پیشاب کر رہا ہوں سعید نے کہا اللہ سے ڈرو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اہلیہ محرمات سے ہے تحقیق پر معلوم ہوا کہ واقعی بیوی سے شوہر کا رضاعی رشتہ ہے"۔

ایک اور واقعہ ہے کہ:

"ایک شخص نے سعید ابن المسیب سے دریافت کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کبوتر مسجد کے منارہ پر گرا ہے آپ نے خواب سن کر فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ حجاج عبداللہ ابن جعفر کی لڑکی سے شادی کرے گا"۔ (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۲۴)

چونکہ تاویل الرویاء کے فن میں سعید ابن المسیب کو خاص دسترس اور امامت کا شرف حاصل تھا اس سے علمی طور پر اس کے بارے میں ان سے خاص خاص ہدایات بھی منقول ہیں مثلاً:

جب ان سے کوئی خواب بیان کرتا تو آپ کا پہلا جواب یہ ہوتا تھا کہ:

"خیراً رائیت"

تاویل الرویاء میں ضابطہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ:

کھجور خواب میں خواہ کسی حال میں دیکھی جائے اس کی تعبیر رزق ہے نیز آپ

تاویل الرویاء کی عمر کے بارے میں یہ رائے رکھتے تھے کہ:

"اخر الرویاء اربعون سنة"

یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ سعید ابن المسیب کو اس فن میں بہت بڑا ملکہ حاصل تھا اور اس دور کی علمی دنیا ان کا اس علم میں لوہا مانتی تھی۔

سعید ابن المسیب کے اقوال زریں

اوپر کی تفصیل سے زہد واتقاء سے بھرپور زندگی کا ایک خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے مگر ان کی سوانح حیات کے پورے خدوخال دیکھنے کے لئے ان گراں مایہ اقوال پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے جو ان کی حکیمانہ زبان مبارک سے گاہ بگاہ صادر ہوتے رہے ہیں فرماتے تھے:

"شیطان جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو بندگان خدا پر عورتوں کی جانب سے حملہ آور ہوتا ہے"۔ (صفۃ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۴۴)

سعید ابن المسیب جب کبھی کسی مدرسہ سے گزرتے اور بچوں کو پڑھتے دیکھتے تو فرماتے کہ:

"ہمارے بعد یہی لوگ ہیں"۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۴۱)

فرماتے تھے:

"زندگی میں شہری اپنے کو جتنا اللہ کی اطاعت کے ذریعے مکرم کر سکتے ہیں اور جس قدر اللہ کی نافرمانی کے ذریعے اپنے کو ذلیل کر سکتے ہیں ایسی کوئی چیز نہیں اور اللہ کی اپنے بندے کی نصرت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ بندہ اپنے دشمن کو گناہوں میں مبتلا دیکھ لے"۔ (صفۃ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۵۴)

ایک اور ارشاد ہے:

"ہر شریف، ہر عالم اور بزرگ میں کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے لیکن ایسے حضرات کے عیوب کا بیان کرنا ٹھیک نہیں ہے جن کی نیکیوں اور خوبیوں کا پلڑا ان کی برائیوں کے مقابلے میں بھاری ہو ــــ بلکہ اس کی کمزوریوں کو اس کی خوبیوں پر قربان کر دینا چاہئیے"۔
(صفۃ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۴۵)

وفات اور وصیت

عبدالرحمٰن بن حرملہ نے ان کے مرض الوفات کا حال بیان کیا ہے فرماتے ہیں:
"میں نے سعید ابن المسیب کو مرض الوفات میں لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھتے دیکھا"۔ (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۴۳)

انہوں نے اس موضوع پر یہ مسئلہ بھی سنا ہے کہ:
"بیمار میں جب بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو اشارے سے نماز پڑھے اگر سجدہ نہ کر سکے تو یہ نہ کرے کہ کسی چیز کو لیکر اس پر سجدہ کرے"۔ (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۴۳)

یحیٰی ابن سعید الانصاری بیان کرتے ہیں کہ سعید ابن المسیب نے مجھ کو بتایا ہے کہ میں نے اپنے گھر والوں کو وصیت کر دی ہے کہ:۔ جب میری وفات ہو جائے تو ان باتوں سے پرہیز کرنا:

۱۔ کسی قسم کی آگ اور کوئی شعر خوانی میرے جنازے کے ساتھ نہ ہو۔
۲۔ میری تجہیز و تدفین میں جلدی کی جائے۔ (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۴۳)

ابو حازم نے ان کی وفات کا حال بتایا ہے کہ جس بیماری میں ان کی وفات ہوئی اسی بیماری میں انہوں نے وصیت کی کہ:

۱۔ جب میں مر جاؤں تو میری قبر پر کوئی خیمہ نہ لگانا۔
۲۔ میرے جنازے پر سرخ چادر نہ ڈالنا۔
۳۔ جنازے کے ساتھ آگ نہ لے جانا۔
۴۔ میرے جنازے کی کسی کو خبر نہ دینا۔
۵۔ میرے جنازے میں شعر خوانی نہ کرنا۔

عبدالرحمٰن بن حارث کہتے ہیں کہ جب سعید زیادہ بیمار ہوئے اور تکلیف بڑھ گئی تو نافع بن جبیر ان کی عیادت کو تشریف لائے سعید ابن المسیب پر اس وقت کچھ غشی کی کیفیت طاری تھی۔ نافع نے لوگوں سے کہا ان کی چارپائی قبلہ رو کر دو۔ لوگوں نے حکم کی تعمیل کی ہوش آیا تو دریافت فرمایا تمہیں ایسا کرنے کا کس نے کہا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ کہ کسے یہ بات نافع نے کہی ہے نافع نے ہاں میں جواب دیا فرمایا برادر! اگر میں نے زندگی

قبلہ رو اور ملت اسلام پر نہ گذاری ہوتی تو تمہارا اس وقت مجھے قبلہ رو کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دیتا۔۔۔۔ اللہ اکبر! دین حق کی خدمت کی کس قدر تڑپ ہے کہ بیماری اور تکلیف میں مسئلہ کی روح سے غفلت نہیں ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۴۳)

۹۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں ۷۵ سال کی عمر پا کر انتقال فرمایا۔ ابن سعد لکھتے ہیں ۹۴ ھ کے سال کو جس میں سعید کی وفات ہوئی "سنة الفقهاء" کہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

" كان يقال لهذه السنة التي مات فيها سعيد ابن المسيب سنة الفقهاء ". (ایضاً)

2

قاسم ابن محمد

بلند پرواز' یگانگت کی آواز
(۳۶ھ تا ۱۰۷ھ)

نام وکنیت

بالاتفاق نام قاسم، کنیت میں تھوڑا سا اختلاف ہے الذہبی نے ابوعبدالرحمٰن بتائی ہے امام بخاری بھی تاریخ کبیر میں ان کے ہم زبان ہیں لیکن ابن حجر عسقلانی نے دوسری کنیت ابومحمد کی نشاندہی کی ہے۔ فقیہہ لقب اور الامام خطاب ہے۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۹۱، تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۴، تاریخ کبیر ج ۴ صفحہ ۱۵۷)

ماں باپ

والد کا نام محمد، ابوالقاسم کنیت اور ناسک لقب ہے ابن عبدالبر نے انکشاف کیا ہے کہ ان کا نام اور کنیت دونوں حضرت عائشہؓ کی تجویز کردہ ہیں (الاستیعاب ج ۱ صفحہ ۲۳۴) محمد کی والدہ کا نام اسماء بنت عمیس ہے ہجرت سے پہلے ان کا ازدواجی تعلق جعفرؓ بن ابی طالب سے تھا جعفرؓ کی شہادت کے بعد ان کا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا۔ محمد ۲۵ ذیقعدہ کو جبکہ ابوبکر حضور انور ﷺ کی معیت میں حج کو جا رہے تھے مقام ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے محمد کی والدہ چونکہ محرمہ تھیں اور زچگی کی حالت کے بارے میں اسلام کی واضح ہدایت احرام کے متعلق نہ تھی اس لئے حضور انور ﷺ نے ان کو بتایا کہ اس حالت میں سوائے طواف کے سارے اعمال حج کی اجازت ہے گویا یہ مسئلہ شرعی اسلامی قانون میں محمد ابن ابی

بکر کی ولادت کی یادگار ہے حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ۱۳ھ میں وفات پائی محمد ابن ابی بکر کی والدہ نے حضرت علیؓ سے شادی کر لی محمد ابن ابی بکر بھی حضرت علیؓ کے پاس رہے اور ان ہی کی آغوش میں پرورش پائی حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانے میں ان کو مصر کا حاکم بنایا حضرت علیؓ نے بھی ان کو اسی منصب پر رکھا مگر عمرو بن العاصؓ سے تصادم ہو گیا اور اس کے نتیجے میں ۳۸ ھ میں ان کی وفات ہو گئی۔ (الریاض النضرہ فی العشرۃ المبشرہ ج۱ صفحہ ۱۸۶)

حضرت علی محمد ابن ابی بکر کے بہت مداح تھے اور لواحقین نے مدح کی وجہ یہ لکھی ہے کہ:

"کانت له عبادة واجتهاداً".

اگر چہ مورخین نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ قتل عثمانؓ میں ان کا ہاتھ تھا مگر ابن عبدالبر نے تصریح کی ہے کہ:

"لم ینل محمد ابن ابی بکر من دم عثمان بشئی."

اور اہل علم کی ایک بہت بڑی جماعت کی طرف نسبت کر کے اس الزام کی نفی کی ہے۔ (الاستیعاب ج۱ صفحہ ۲۲۳) والدہ کا نام سودہ ہے۔ (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۷) ابن خلکان نے تصریح کی ہے کہ سودہ یزدگرد شاہ ایران کی بیٹی ہے اور ان کی کنیت ام سلمہؓ ہے۔ (وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۴۵۲) ابن کثیر نے زمخشری کی ربیع الابرار کے حوالہ سے یہ بھی بتایا ہے کہ ایرانی قیدیوں میں یزدگرد کی تین لڑکیاں قید ہو کر آئیں حکومت کی جانب سے ایک محمد ابن ابی بکر، ایک حسین ابن علی اور ایک عبداللہ ابن عمر کو ملی۔ محمد کے یہاں قاسم، عبداللہ کے ہاں سالم اور حسین کے زین العابدین پیدا ہوئے تینوں خالہ زاد بھائی ہیں (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۴) تینوں اپنے وقت کے امام تھے علم و فضل، تقویٰ و طہارت اور ریاضت و مجاہدہ میں ان تینوں کے برابر مدینہ منورہ میں مشکل ہی سے کوئی شخص تھا لکھا ہے کہ ان تینوں صاحبزادوں کو دیکھ کر کنیز کی اولاد کے بارے میں عربوں کا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا تھا اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اصمعی کہتا ہے کہ اہل مدینہ کنیزوں کی اولاد کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے لیکن ان تینوں کی موجودگی اور ان کی فقہ و علم میں برتری نے اہل مدینہ سے اس عار کو مٹا دیا۔ کسی شاعر نے اسی سے متاثر ہو کر کہا ہے:

فانما امهات القوم اوعية　　مستودعات وللاحساب آباء

(العقد الفرید ج۷ صفحہ ۲۵۵)

قوم کی مائیں اگر امانت بردار برتنوں کی حیثیت میں ہیں تو حسب وشرف کا مدار باپ ہوتے ہیں ابن العماد حنبلی بھی ابن عبدربہ کے اس معاملے میں ہم زبان ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"کان اھل المدینة یکرھون السّرٰی نشافیھم ھولاء الثلاثة وفاقوا فقھاء المدینه فرغبت الناس فی السّرٰی" (شذرات الذہب صفحہ ۱۰۵)

مدینہ کے شہری کنیزوں سے تعلق کو اچھی نظروں سے نہ دیکھتے تھے تا آنکہ ان میں یہ تینوں حضرات منصہ شہود پر آئے اور اپنے ہم چشم فقہاء مدینہ سے فوقیت لے گئے اس کے نتیجے میں لوگوں کا کنیزوں کے بارے میں نظریہ بدل گیا۔

نسب اور خاندان

قاسم کا اپنے والد کی جانب سے نسب یہ ہے:

قاسم بن محمد ابن عبداللہ ابی بکر بن عثمان ابن قحافہ ابن عامر ابن عمر بن کعب بن تیم بن مرہ۔ (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۷) ماں کی جانب سے ان کے نسب کا حال گرچہ معلوم نہیں مگر اتنا ثابت ہے کہ قاسم ماں کی جانب سے عجمی ہیں ان کے نسب کی برتری کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی نسبت سے تاریخ میں دوسروں کی نجابت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ابن عبدربہ نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک روز اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ ایسا کوئی شخص بتاؤ جو ماں باپ، باپ دادا، پھوپھا پھوپھی، خالہ خالو سب کی طرف سے نجیب ہو لوگوں نے کہا آپ ہی بہتر جانتے ہیں حضرت معاویہؓ نے حضرت حسنؓ کا ہاتھ پکڑا بولے ان کے باپ علیؓ ان کی ماں فاطمہؓ ان کے نانا رسول اکرمؐ ان کی نانی خدیجہؓ ان کے چچا جعفرؓ ان کی چچی ہالہؓ ان کے خالو قاسم بن محمد ان کی خالہ زینب بنت محمد۔

(العقد الفرید ج۵ صفحہ ۳۶۷)

ولادت

ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ قاسم کی وفات ۱۰۸ھ میں ہوئی اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی عمر ۷۲ سال ہے اس اعتبار سے ان کی ولادت کی تاریخ ۳۶ھ ہوتی ہے ورنہ قاسم کی ولادت سے تاریخ وسیر کی عام کتابیں خاموش ہیں۔ بالفاظ دیگر قاسم کی ولادت حضرت

علیؓ کے زمانہ خلافت کے دوسرے سال ۳۶ھ یعنی ۶۵۷ء میں ہوئی جس گھرانے میں قاسم نے آنکھیں کھولی ہیں یہ وہ برج سعادت تھا جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں اس بنا پر قاسم اسلام کے ان برگزیدہ لوگوں میں سے ہیں جن کے کانوں نے کبھی کفر و شرک کی آواز نہیں سنی۔

طفولیت/بچپن

ابن عبدالبر نے الاستیعاب (الاستیعاب ج۱صفحہ۲۲۳) اور الطبری نے الریاض النضرہ (الریاض النضرہ ج۱صفحہ ۱۸۶) میں ان کے والد محمد ابن ابی بکر کی تاریخ وفات ۳۸ھ بتائی ہے اس لحاظ سے قاسم کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت صرف دو سال تھی چونکہ حضرت عائشہؓ ان کی پھوپھی تھیں اس لئے یتیمی کا سارا زمانہ پھوپھی کی آغوش میں گزرا۔ امام بخاری نے تصریح کی ہے:

" بقی القاسم یتیماً فی حجر عائشة " (تہذیب التہذیب ج۵ صفحہ ۳۳۴)

اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی تربیت حضرت عائشہؓ ہی نے فرمائی:

" فربی یتیماً فی حجر عمته وتفقهم بها " (تذکرۃ الحفاظ ج۱صفحہ۹۱)

سارا بچپن حضرت عائشہؓ کے پاس بسر ہوا، بچپنے کا زمانہ کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے لیکن اس غیر شعوری زمانے کو بھی حضرت عائشہؓ شعوری دور بنانے کی کوشش فرماتیں اور بچپن میں دین کی عملی تربیت کا خاص خیال ہوتا' عید پر بہت بڑا اہتمام کرتیں' ایک روز پہلے ان کی حجامت کا انتظام کرتیں، کپڑے پہناتیں اور بڑے شغف کے ساتھ عیدگاہ روانہ کرتیں دوسرے روز قربانی کرتیں' قربانی میں بھی بچوں کے پاس ہونے کا خاص خیال رکھتیں۔

(طبقات ج۱صفحہ ۱۸۷)

تعلیم و تربیت

اگرچہ زمانہ خلافت فاروقی میں تعلیم میں کافی ترقی ہو چکی تھی تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مدارس قائم ہو چکے تھے جن میں قرآن حکیم، اخلاقی اشعار اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی بڑے بڑے صحابہ اضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم پر مقرر تھے معلمین اور مدرسین کی تنخواہیں بھی مقرر تھیں خاص مدینہ منورہ میں بچوں کی تعلیم کیلئے جو مدرس مقرر تھے ان کی

تنخواہ پندرہ درہم ماہوار تھی خانہ بدوش بدؤوں کے لئے قرآن کی تعلیم جبری تھی۔ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ابو سفیان نامی شخص کو ممتحن مقرر کیا اور ہدایت کی کہ جس کو قرآن یاد نہ ہو سزا دے (الاصابہ ج۲ صفحہ ۸۷) ہر جگہ تاکیدی احکام بھیجے کہ قرآن کے ساتھ صرف اور نحو کی تعلیم دی جائے یعنی صحت الفاظ اور صحت اعراب ۔۔۔ ان کے خاص الفاظ حسب روایت ابن الانباری یہ ہیں:

" تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظهم "
اعراب قرآن کی بھی ایسے تعلیم دو جیسے ان کو قرآن حفظ کراتے ہو۔

قرآن کے ساتھ ان مدارس میں فرائض و سنن کی بھی تعلیم ہوتی تھی۔ مسند دارمی میں یہ الفاظ ہیں:

" تعلموا الفرائض والسنن کما تعلمون القرآن "
فرائض اور سنن بھی سیکھو جیسے قرآن سیکھتے ہو۔

یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ اس وقت مدارس میں قرآن ہی نہیں بلکہ فقہ، حدیث، لغت، ادب اور عربیت کی تعلیم بھی ہو رہی تھی۔ قاسم بن محمد نے جس دور میں آنکھ کھولی اس وقت تعلیم کا گھر گھر چرچا تھا بلکہ تصنیف اور تالیف کی بھی صبح صادق نمودار ہو چکی تھی اگرچہ خلافت و حکومت کا سیاسی مرکز مدینہ سے کوفہ اور دمشق منتقل ہو گیا تھا تاہم مدینہ منورہ کی روحانی عظمت اور غیر فانی مرکزیت ان انقلابات سے نہ مٹ سکی۔ قاسم بن محمد کے زمانے میں مدینہ کی علمی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اس وقت یہاں تفسیر، حدیث اور فقہ کی درسگاہیں تھیں دور دور سے طلبہ چل کر یہاں آتے تھے۔ ابن الاثیر رقمطراز ہے کہ:

" عبدالعزیز بن مروان نے اپنے بیٹے عمر بن عبدالعزیز کو دمشق سے مدینہ منورہ علم کی خاطر روانہ کیا اور صالح بن کیسان کے سپرد کیا ایک روز عمر نماز میں ذرا دیر سے آئے تو فوراً باز پرس کی فوراً بتایا کہ ذرا بال ٹھیک کر رہا تھا صالح نے یہ بال بنانے کی کہانی عبدالعزیز کو لکھ دی عبدالعزیز نے دمشق سے ایک شخص روانہ کیا جس نے بال بنانے کا قصہ ہی ختم کر دیا یعنی ان کا سر مونڈھ دیا"۔ (فجر الاسلام صفحہ ۱۷۳)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ:

مدینہ طیبہ عہد صحابہؓ میں علم کا بہت بڑا مرکز تھا اور زمانہ تابعین میں یہاں فقہائے

سبعہ ہوئے ہیں صغار تابعین کے دور میں عبیداللہ ابن عمر، ابن ابی ذئب، ابن عجلان اور جعفر صادق ہوئے ہیں پھر امام مالک مشہور قاری نافع، ابراہیم بن سعد، سلیمان بن بلال اور اسماعیل۔اس کے بعد ذہبی کی تصریح ہے۔

"ثم تناقص العلم جداً بها ثم تلاشیٰ". (الاعلان بالتوبیخ صفحہ ۱۳۶)

پھر وہاں علم بہت کم ہوگیا اور اس کے بعد تو بالکل ہی ناپید ہوگیا۔

لیکن ان درسگاہوں میں سب سے بڑی درسگاہ قاسم کا وہ گھرانہ تھا جس میں وہ پرورش پارہے تھے یعنی مسجد نبوی کا وہ حجرہ جس میں حضرت عائشہؓ رہتی تھیں جو ان کی سب سے بڑی مربیہ اور معلمہ تھیں۔

حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

" فربی یتیماً فی حجر عمته وتفقه بها".

حضرت عائشہؓ کی درسگاہ

لڑکے، عورتیں اور جن مردوں سے پردہ نہ تھا وہ حجرے میں آکر مجلس میں بیٹھتے اور لوگ مسجد میں ہوتے۔خود پردے کی اوٹ میں تشریف فرما ہوتیں (طبقات ابن سعد ذکر عائشہ) لوگ سوالات کرتے یہ جوابات دیتیں۔(مسند امام احمد ج۶ صفحہ ۵۵) اپنے شاگردوں کی زبان، طرز ادا اور صحت تلفظ کی دوران تعلیم سخت نگرانی کرتی تھیں۔ایک بار قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق دونوں خدمت گرامی میں تھے قاسم کی زبان چھٹپنے میں صاف نہ تھی اعراب میں غلطیاں کرتے تھے حضرت عائشہؓ نے ان کو ٹوکا اور فرمایا:

"تم ایسی زبان کیوں نہیں بولتے جیسے میرا یہ برادر زادہ بولتا ہے میں سمجھ گئی اس کو اس کی ماں نے اور تم کو تمہاری ماں نے تعلیم دی ہے"۔(مسلم کتاب الصلوۃ)

حضرت عائشہؓ نے ماں بن کر تعلیم دی تھی قاسم، ابوسلمہ، مسروق، عمرہ اور صفیہ کی تعلیم انہوں نے اسی مادرانہ شفقت سے کی تھی اور قاسم بن محمد تو ان کے عزیزوں میں سے تھے یعنی ان کے برادر زادے تھے۔

تعلیم کا طریقہ

اس دور میں مساجد تعلیم گاہوں کا کام دیتی تھیں استاد مسجد میں ایک جگہ بیٹھ جاتا

طلبہ اس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھتے۔ السیوطی رقمطراز ہے:

"حضرت عبداللہ بن عباس حرم میں تشریف فرما ہوتے اور قرآنی تفسیر کے طلبہ کا ان کے گرد ہجوم ہوتا۔" (الاتقان فی علوم القرآن صفحہ ۸۲)

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ:

"ربیعۃ الرائے حضور انور ﷺ کی مسجد میں بیٹھتے ان کے پاس لوگوں کا عظیم حلقہ ہوتا۔" (فجر الاسلام بحوالہ وفیات الاعیان صفحہ ۱۶۵)

اس دور میں تعلیم میں املائی طریق رائج تھا ابوبکر عتیق بن داؤد یمانی کا بیان ہے کہ:

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت علیؓ کا ورود کوفے میں ہوا یہ وہ زمانہ ہے کہ کوفے میں فقہ کی تعلیم ہوتی تھی حضرت علیؓ نے کوفہ کی مسجد میں آ کر دیکھا تو چار سو کے قریب دواتیں رکھی ہوئی ہیں طلبہ اساتذہ کی تقریریں نوٹ کر رہے تھے۔"

ابن مسعودؓ کے اس لگائے ہوئے باغ کو دیکھ کر حضرت علیؓ کا تاثر یہ تھا:

" لقد ترک ابن مسعود هولاء سرج الکوفة". (المناقب للموفق ج ۲ صفحہ ۱۴۵)

بلاشبہ ابن مسعودؓ نے ان لوگوں کو کوفہ کا چراغ بنا کر چھوڑا ہے۔

دور اموی کے بعد دور عباسی میں اس املائی طرز تعلیم کو اس قدر ترقی ہوئی کہ خاص اساتذہ کی مجلس علمی میں طلبہ کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی۔ علی بن عاصم واسطی کے درس میں تیس ہزار اور ان کے صاحبزادے کے یہاں ان سے زیادہ ہوتی۔ الذہبی لکھتے ہیں:

" قدم بغداد املی بها وتزاحموا علیه " (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۱۲۵)

ان ہی کے متعلق "عجلی" کہتے ہیں کہ ایک بار میں عاصم کی مجلس میں شریک تھا اس روز لوگوں نے حاضرین کا اندازہ لگایا تو ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۱۸۲)

قاسم ابن محمد کے شیوخ و اساتذہ

امام قاسم کے شیوخ اور اساتذہ میں ان تمام لوگوں کا شمار ہے جن سے انہوں نے فقہ کا فن یا سنت نبویؐ کا علم حاصل کیا یا کوئی حدیث روایت کی۔ ابن سعد نے طبقات میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ ان اکابر کو اساتذہ میں شمار کیا ہے: ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ،

عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، اسلم مولیٰ عمرؓ، صالح بن خواتؓ، (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۸۷) حافظ عسقلانی نے عبادلہ اربعہ عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ عبداللہ بن جعفرؓ، عبداللہ بن خبابؓ، معاویہؓ، رافع بن خدیجؓ، عبدالرحمٰن بن یزیدؓ، فاطمہؓ بنت قیس کو بھی ان کے شیوخ میں لکھا ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۳۳۲)

ان سب پر تبصرہ کرنا اور یہ بتانا کہ ان سب نے قاسم بن محمد کو متاثر کیا ہے ازبس دشوار ہے یہاں مشتے از خروارے صرف خاص اساتذہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ امام قاسم کی حیات علمی کے بارے میں یہ اندازہ ہو سکے کہ جن لوگوں نے ان میں شوق حدیث کی نشوونما کی یا جن کے فیض صحبت سے ان میں فقہ کا ذوق پیدا ہوا ان کا علمی مقام کیا ہے؟

امام قاسم کی تاریخ میں ایسی دو شخصیتیں ابھری ہوئی نظر آتی ہیں جنہوں نے امام قاسم میں حدیث کا ولولہ اور فقہ کا ذوق پیدا کیا ہے یہی وہ دو شخصیتیں ہیں جن کا رنگ امام موصوف کی شخصیت میں رچ گیا اور جن کی وجہ سے ان کو فقہ و حدیث کی امامت ملی اور تاریخ نے ان کو فقیہہ کے لقب سے پکارا میری مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ ہیں۔

عائشہ صدیقہؓ

حضرت عائشہؓ شوال ۹ ھ قبل از ہجرت بمطابق ۶۱۴ء میں پیدا ہوئیں اور ۱۷ رمضان ۵۷ ھ بمطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء وفات پا گئیں۔ انہوں نے اپنے والد مکرم ابوبکر صدیقؓ سے جو تمام قریش میں انساب اور شعر و سخن میں ماہر تھے تعلیم پائی۔ (صحیح مسلم مناقب حسان) اس لئے شاعری کا ذوق اور انساب کی واقفیت خاندانی ورثہ تھا۔ (مستدرک حاکم ذکر عائشہ) دین سے واقفیت کلام الٰہی کی معرفت، اسرار شریعت سے آگاہی، احکام نبویؐ کے علم سے پورے طور پر حضور انور ﷺ کی صحبت سے بہرہ اندوز ہوئیں، علوم دینیہ کے علاوہ تاریخ، ادب اور طب میں ان کو مہارت تھی۔ (مستدرک حاکم ذکر عائشہ) علمی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کو نہ صرف عام عورتوں پر بلکہ باستثنائے چند صحابہؓ پر فوقیت عام حاصل تھی اس کی تصدیق ابوموسیٰ اشعریؓ کے اس بیان سے ہوتی ہے:

"ہم کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی درپیش نہیں آئی جن کے بارے میں ہم نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا ہو اور اس کے متعلق ہمیں معلومات نہ ملی ہوں۔"
(ترمذی مناقب عائشہ، طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۳۷۵، منقول از ابوموسیٰ اشعری)

امام حاکم نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں مشہور استاذ الائمہ، جلیل تابعی عطاء ابن ابی رباح کا یہ بے لاگ فیصلہ نقل کیا ہے:

"عائشہ سب سے زیادہ فقیہہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور سب سے زیادہ مقبول عام تھیں۔" (مستدرک ذکر عائشہ)

اپنے زمانے میں امام زہری جو سرخیل تابعین ہیں جنہوں نے بڑے بڑے اکابر صحابہؓ کی آغوش میں تربیت پائی تھی حضرت عائشہؓ کی جلالت شان کے بارے میں قبیصہ ابن ابی ذؤیب سے نقل کرتے ہیں:

"عائشہؓ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں بڑے بڑے صحابہؓ ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔" (طبقات ج۲ صفحہ ۳۷۴)

ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن کی رائے بھی حضرت عائشہؓ کے بارے میں قابل شنید ہے فرماتے ہیں:

"میں نے احادیث نبویؐ اور فقہ و رائے اور قرآن کا عالم ان سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔" (مستدرک حاکم ذکر عائشہ، طبقات ج۲ صفحہ ۳۷۵)

قرآنی تفسیر کے متعلق حضرت عائشہؓ کی وسعت نظر کا مطالعہ کرنا ہو تو حدیث و فقہ اور کلام سے متعلق ان کی آراء پڑھیئے حدیث میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی تعداد ۲۲۲۰ ہے لیکن یہ کثرت روایت ان کی فضیلت کا معیار نہیں اصل چیز جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے وہ انکی دقت نظر اور نکتہ فہمی ہے روایت میں تفقہ اور استنباط کے علاوہ ایک خصوصیت عائشہ صدیقہؓ کی یہ بھی ہے کہ جن احکام و واقعات کو نقل کرتی ہیں بسا اوقات ان کے اسباب و علل بھی بیان کرتی ہیں۔ امام حازمی نے کتاب الاعتبار میں روایت و تحدیث کے متعلق حضرت عائشہؓ کے تدوین کردہ اصول کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مذہب اسلام پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے آنے والوں کے لئے آزاد تنقید کا دروازہ کھولا ہے وہ اپنے معاصرین کی مسامحات (فروگزاشت) پر

نہایت سختی سے مواخذہ کرتیں محدثین کی زبان میں اس کا نام استدراک ہے۔ ائمہ محدثین نے حضرت عائشہؓ کی ان تنقیدات پر کتابیں لکھی ہیں۔ ابو منصور بغدادی نے اس موضوع پر ایک رسالہ لکھا ہے امام بدرالدین زرکشی نے "الاجابه لا يراد ما استدركته عائشةؓ على الصحابةؓ" کے نام سے اور حافظ جلال الدین السیوطی نے "عين الاصابه فی استدراک عائشةؓ على الصحابةؓ" کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے۔

غرضیکہ علم وفضل میں حضرت عائشہؓ کی شخصیت کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا ان کی اسی شان امتیازی اور جامعیت کے پیش نظر مدینہ کے مشہور بالغ نظر عالم عروہ ابن زبیر کا ان کے بارے میں یہ فیصلہ تھا:

"میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ وادب اور شاعری، طب، تاریخ عرب اور نسب کا عائشہؓ سے زیادہ کوئی عالم نہیں دیکھا۔" (مستدرک حاکم ذکر عائشہ صفحہ)

اور زہد وتقوی عائشہؓ کا اندازہ قاسم بن محمد کے اس بیان سے ہوسکتا ہے جو ابونعیم نے بحوالہ قاسم بن محمد نقل کیا ہے:

"ان عائشه كانت تصوم حتىٰ يذ لقها السموم". (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۴۷)

حضرت عائشہ لگاتار روزے رکھا کرتی تھیں تا آنکہ گرم لو کمزور کردیتی۔

عبداللہ ابن عباسؓ

ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے اور ۶۸ ھ میں طائف میں وفات پائی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۳۸) حضور انور ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال کی تھی اور حضور انورؐ نے ان کے لئے قرآن دانی اور تفقہ فی الدین کی ان الفاظ میں دعا فرمائی تھی:

"اللهم فقهه فى الدين و علمه التاويل"

ان کو اسی وجہ سے "حبر الامۃ" کہا جاتا ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج۱ صفحہ ۲۷۴)

چھوٹے ہونے کے باوجود ان کی قرآن دانی پر اکابر صحابہ کو اعتماد تھا فاروق اعظمؓ ان کی جلالت علمی کے معترف تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۵ صفحہ ۸۶) حدیث میں ان کا مقام اس قدر بلند ہے کہ امام نووی لکھتے ہیں کہ:

"یہ ان چھ صحابہؓ میں سے ایک ہیں جن سے روایات حدیث زیادہ منقول ہیں۔"
(تہذیب الاسماء واللغات ج۱ صفحہ ۲۷۴)

ان کی مرویات کی تعداد محدثین نے چھ سو سات بتائی ہے (توضیح الافکار ج۱ صفحہ ۲۶۰) لیکن ان کی مایہ ناز چیز روایت نہیں بلکہ فقہ و اجتہاد ہے اس میں ان کو ایسا ید طولیٰ حاصل تھا کہ امام احمد نے ان کو اکثر الصحابۃ فتوی قرار دیا ہے اور علی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ:

"حضور انورؐ کے صحابہؓ میں صرف تین صحابہؓ ایسے ہیں جن کی فقہ کو ان کے شاگردوں کے ذریعے عموم اور شرف قبول حاصل ہوا ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور زید بن ثابتؓ" (تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۲۷۴) بلکہ حافظ ابن حزم نے تو ابن عباسؓ کے فتاویٰ کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے کہ:

"مامون الرشید کے پوتے ابو بکر محمد بن موسیٰ نے عبداللہ بن عباسؓ کے تمام فتاویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا اور ابو بکر حدیث کے بہت بڑے امام ہیں۔"
(الاحکام فی اصول الاحکام ج۵ صفحہ ۶۶۶)

اسی جامعیت کی بنا پر ان کو ترجمان القرآن، حبر الامت اور ربانی الامت جیسے القاب سے امت نے نوازا مشہور امام جن کا شمار فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے یعنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کی رائے ان کے بارے میں یہ ہے:

"میں نے سنن، ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں کا عالم ان سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا ان سے زیادہ فقہ، تفسیر کا عالم، ادب و شعر، حساب و فرائض کا ماہر مجھے کوئی نہیں ملا۔" (تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۲۷۴)

انہوں نے اپنے تعلیمی پروگرام میں دنوں کو مضامین کے لحاظ سے تقسیم کر رکھا تھا ایک روز تفسیر ایک روز مغازی ایک روز ادب ایک روز ایام عرب اور دو روز احکام و مسائل کے لئے مخصوص کر رکھے تھے۔ (طبقات ج۲ صفحہ ۳۶۸) قاسم بن محمد کے ان دو ممتاز اور سربر آوردہ اساتذہ عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے ذکر سے یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ دوسرے اساتذہ جن سے امام موصوف نے سنن اور آثار کا علم حاصل کیا خدانخواستہ کچھ کم تھے ان میں سے ہر ایک علم و کمال میں یکتائے روزگار تھا۔ مذکورہ دو اساتذہ کا ذکر ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہمارا خیال ہے کہ ان دونوں کا قاسم بن محمد کے محدثانہ اور فقہی ذہن بنانے میں خصوصی دخل

ہے اور یہی وہ چیز تھی جس کے قاسم بن محمد شائق تھے۔

قاسم ابن محمد کا علم

حضرت قاسم کی زندگی میں ہی آپ کے علم کی شہرت عام ہو گئی تھی بلکہ فقہ و حدیث میں ان کی شہرت اس وقت شروع ہو گئی تھی جس وقت وہ نو جوان تھے اور شیوخ وقت سے کسب فیض کر رہے تھے امام یحییٰ ابن سعید انصاری نے اپنا اور اس دور کے دوسرے علماء نے ان کے بارے میں یہ بتایا ہے:

''ہم نے اپنے زمانہ میں مدینہ میں علم و فضل میں قاسم سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔'' (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۹۱)

مشہور تابعی حضرت ابوالزناد فقیہہ مدینہ ان کے متعلق یہ فرماتے تھے:

''میں نے کسی نوجوان کو فقہ و سنت کا اتنا بڑا عالم اور ذہنی طور پر نکتہ رس نہیں پایا جتنا قاسم بن محمد کو۔'' (تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۴)

خالد بن نزار اور ابن عیینہ کا متفقہ بیان ہے کہ:

''دنیا میں حدیث عائشہؓ کے سب سے بڑے عالم تین ہیں قاسم، عروہ، اور عمرۃ۔'' (تہذیب الاسماء ج ا صفحہ ۵۵)

امام ابن عون بصرہ کے مشہور امام اور حفاظ میں سے ہیں اور جن کو حضرت قاسم سے تلمذ حاصل ہے اور جن کے بارے میں عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ:

''پورے عراق میں عون سے زیادہ دانائے سنت کوئی نہ تھا۔'' (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۱۴۷)

ان کی اپنے استاد کے بارے میں رائے یہ ہے کہ:

''تین آدمی ایسے ہیں کہ مجھے ان جیسا کوئی نہیں ملا میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ انہوں نے اکٹھے ہو کر علم و فضل سمیٹا ہے عراق میں ابن سیرین، حجاز میں قاسم بن محمد اور شام میں رجاء ابن حیوہ۔'' (النجوم الزاہرہ ج ا صفحہ ۲۷۱)

حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں ''ثناء القرانہ علیہ با لعلم والزھد'' کا عنوان قائم کر کے ان کی علمی حیثیت کے بارے میں ان کے معاصرین کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

یہ اپنے زمانے کے بڑے علماء، مجتہدین اور ائمہ کے اقوال ہیں اور یہ ان کی جوانی کی داستان ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ ان کا علم ماہ وسال کی گردش سے بڑھتا ہی رہا اور فراست و دانائی میں اضافہ ہوتا رہا ان کا نام مشہور ہوا اور ان کا چرچا بڑھتا رہا۔ اقتباسات بالا سے جو امام قاسم کی ثناء وصفت میں دوسرے اجل علماء سے نقل کیے ہیں تھوڑے سے فکر والا آدمی اندازہ کر لیتا ہے کہ آپ نے کس طرح اپنے نفس کی تربیت اور تکمیل کی۔ کس طرح احادیث نبوتؐ اور صحابہؓ کے فتاویٰ کو یاد کیا اور کس طرح ان کی روایات کو سمجھا اور سمجھایا ـــــ مسائل کا استنباط کیا اور فقاہت کو جن بنیادوں پر حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ نے قائم کیا تھا ان کو کیسے پروان چڑھایا۔ غرض قرآن، احادیث نبوی اور صحابہؓ کے فتاویٰ ہی آپ کے منتہائے مقصود تھے۔

وہ عوامل جنہوں نے قاسم بن محمد کی شخصیت اور کردار میں حصہ لیا چار ہیں:

۱ :۔ خصائل حمیدہ ـــــ خواہ وہ کسبی ہوں یا خلقی۔

۲ :۔ شیوخ واساتذہ کی توجہات اور ان کا حلقہ درس۔

۳ :۔ حیات شخصی اور دراسات خاصہ۔

۴ :۔ وہ گھرانہ جس میں انہوں نے تربیت پائی ـــــ وہ زمانہ جس میں انہوں نے زندگی بسر کی اور وہ ماحول جس میں انہوں نے شب وروز گزارے۔

امام قاسم کی صفات

قاسم بن محمد میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو ایک شخص کی ہر دلعزیزی اور شہرت کا ذریعہ ہوسکتی ہے اس گراں مایہ علم پر جسے انہوں نے ابن عباسؓ اور عائشہؓ جیسے علمی مصادر سے حاصل کیا تھا جس کے باعث ان کو "اعلم بالسنة" کہا جاتا تھا ان میں کچھ صفات ایسی تھیں جو ان کو موہبت الٰہی کی صورت میں ملی تھیں۔

قوت حفظ وضبط

ان صفات میں پہلی صفت ان کا قوی حافظہ تھا قوی الحافظہ ہونا اس دور کی عام خصوصیت ہے لیکن وہ لوگ جو مرتبہ امامت پر فائز ہیں ان کا حافظہ خاص طور پر زیادہ قوی ہوتا ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ فقہ وحدیث، آثار صحابہؓ اور استنباط ونظر میں وہ مثالی شخصیت تھے

اللہ تعالیٰ نے قاسم کو یہ صفت بڑی فراوانی سے عطا کی تھی اس سلسلے میں جو واقعات ملے ہیں وہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ حافظ عسقلانی رقمطراز ہیں:

"ابو الزناد کہتے ہیں کہ میں نے قاسم سے زیادہ سنت کا حافظ اور ذہین کہیں نہیں دیکھا۔" (تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۴)

قاسم بن محمد کی قوت حفظ وضبط کو ان کے ہم عصروں نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ ان کے ایک ہم عصر عبداللہ ابن العلاء لکھتے ہیں:

"میں نے قاسم بن محمد سے کہا کہ مجھے احادیث لکھوایئے آپ نے مجھے احادیث لکھنے سے منع فرمایا۔" (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۸۸)

حدیثیں لکھنے سے منع کرنا اس دور کے مذاق کی بنا پر تھا اس دور میں احادیث کو زبانی یاد کرنے کا چونکہ اسی طرح رواج تھا جیسے مسلمان آج کل قرآن یاد کرتے ہیں اس لئے آپ نے لکھنے سے روک دیا۔

امام مالک فرماتے ہیں:

"اگلے لوگ لکھتے نہ تھے بس زبانی یاد کر لیتے تھے اور جو کوئی کچھ لکھتا تو یاد کرنے کے لئے، یاد کرنے کے بعد اسے پھاڑ دیتا۔" (جامع بیان العلم صفحہ ۸۸)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص دوسروں کو حفظ کی تلقین کر رہا ہے وہ خود اپنے دور میں مثالی حافظہ رکھتا ہے۔

علم کی گہرائی

صرف یہی نہیں کہ قاسم محمد کا حافظہ ہی اچھا تھا بلکہ ان کو جو کچھ یاد تھا اس کا کماحقہ علم وعرفان بھی تھا وہ عائشہ صدیقہؓ کی احادیث اور صحابہؓ کے فتاویٰ کے حافظ بھی تھے اور ان کے ایسے اچھے عالم تھے کہ ان بنیادوں پر استنباط مسائل کی عمارت قائم تھی اپنے اس فہم کے لحاظ سے اپنے زمانے میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے وہ روایت و درایت دونوں پر عبور رکھتے تھے روایت میں اگر اونچے درجے کے حافظ تھے تو درایت میں ان کو فقاہت کا ممتاز مقام حاصل تھا امام مالک فرماتے ہیں:

"قاسم بن محمد اس امت کے فقہاء میں سب سے بڑے فقیہہ ہیں۔"

(طبقات الفقہاء صفحہ ۴۷)

حافظ ابونعیم اصفہانی لکھتے ہیں:

"دقیق مسائل کی گہرائیوں میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔" (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۸۳)

علم میں اگر کوئی گہرائی ہو تو آدمی کی زبان آوارگی سے بھی بچ جاتی ہے امام قاسم کا علم درجہ کمال پر پہنچا ہوا تھا اس کا اندازہ کرنا ہو تو ان کے مشہور شاگرد یحییٰ ابن سعید الانصاری کی زبانی سنیئے:

"میں نے قاسم بن محمد کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم سے جو کچھ بھی پوچھا جائے ضروری نہیں کہ ہمیں سب کچھ معلوم ہو حقوق الٰہی کا علم حاصل کرنے کے بعد ایک شخص کیلئے ناواقف رہنا ہی اس سے اچھا ہے کہ بے خبری کی حالت میں اندازے کے تیر چلائے۔"

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۸۳)

حافظ ابن حبان نے ثقات تابعین کے تذکرہ میں قاسم بن محمد کا تعارف کراتے ہوئے جو یہ بات بتائی ہے کہ:

"کان من سادات التابعین من افضل اھل زمانہ علما و ادبا
و فقھا و کان صموتا" (تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۴)

قاسم بڑے سربرآوردہ تابعین سے تھے اور علم، ادب اور فقہ میں اپنے دور کے فضلاء میں ان کا شمار تھا' خاموش رہتے تھے۔

علم و ادب اور فقہ میں افضل اہل زمان ہونے کے ساتھ "صموت" کی صفت علم کی گہرائی کی غمازی کر رہی ہے۔

نزاہت نفس

قاسم بن محمد کا تیسرا وصف جس میں آپ ممتاز تھے وہ نزاہت نفس تھی اس کی مختلف صورتیں اور مظاہرہ ان کی زندگی کے مختلف گوشوں میں نمایاں تھا آپ بڑے خوددار تھے کسی دوسرے کا مال لینا کسی صورت میں پسند نہ کرتے تھے اس اعتبار سے آپ تعفف کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھے ان کے دیکھنے والوں نے ان کی اس نزاہت نفس کی

شہادت دی ہے۔ سلیمان ابن قتہ کہتے ہیں :۔

"میرے ہاتھ عمر بن عبیداللہ نے ایک ہزار درہم قاسم بن محمد اور عبداللہ ابن عمر کے پاس روانہ کیئے میں لیکر عبداللہ ابن عمر کے پاس پہنچا غسل فرمارہے تھے انہوں نے لے لئے قاسم کے پاس گیا پیش کیئے لینے سے انکار کر دیا۔" (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۵۹)

اسی نزاہت نفس کا عملی مظاہرہ آپ کے لباس سے بھی ہوتا تھا آپ بہت زیادہ خوش پوش رہتے تھے۔ آپ کے مشہور شاگرد ابوایوب سختیانی مشہور تابعی نے اپنا مشاہدہ بتایا ہے :

"قاسم بن محمد کا لباس سبز "خز" کی ٹوپی سابری پھول دار چادر ہوتا تھا۔"

ابومعشر اور خالد ابن الیاس کے بیان کے مطابق آپ خز کا جبہ، خز کی چادر اور خز کا عمامہ پہنتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۸۹) خز ایک قسم کا ایک خاص کپڑا ہوتا ہے جس کے بانے میں اون کتان اور روئی ہوتی اور تانے میں ریشم کا سوت ہوتا۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ) امام ابوحنیفہ کو اسی کی دکان اور کارخانہ کی وجہ سے خزاز کہتے ہیں۔ (المؤفق ج ۱ صفحہ ۲۱۸)

صبر جمیل

قاسم بن محمد کا ایک وصف صبر و ضبط بھی ہے ایسا صبر جو شکوہ و شکایت، صدمہ اور قلق رنج و الم سے یکسر خالی ہو خود بھی مصائب اور اذیتوں پر صبر کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے اس موقعہ پر حضرت موصوف کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے' اس سے معلوم ہوگا کہ وہ کس خوش اسلوبی سے دوسروں کو صبر کی تلقین کرتے اور اس کا ان پر کیسے اثر ہوتا تھا۔

افلح بن حمید کہتے ہیں :

"عبدالملک بن مروان کی وفات کو عمر بن عبدالعزیز نے بے حد محسوس کیا اتنا کہ زندگی کی لذتوں سے کنارہ کش ہو گئے رات کی نیند اڑ گئی ستر راتیں ایسی ہی گزریں قاسم بن محمد نے ان کو دلاسا دیا اور صبر کی اس طرح تلقین کی کہ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے اسلاف مصائب کا صبر جمیل کے ذریعے اور نعمتوں کا نیاز مندی کے ذریعے استقبال کرتے تھے۔"

اس وعظ کا عمر بن عبدالعزیز پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ واقعہ نگار لکھتا ہے کہ :

"پھر اسی روز شام کو بازار جاکر آٹھ سو دینار کی یمنی چادریں خریدیں اور غم کی

حالت کو بالکل خیر باد کہہ دیا۔"(۱)

جب تک آدمی خود صبر کا خوگر نہ ہو دوسروں پر اس کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

قاسم ابن محمد کے افکار و آراء

قاسم بن محمد اپنی جلالت علمی کی بنا پر ہر قسم کے جدل کو ناپسند کرتے تھے خواہ وہ کسی نوعیت کا ہو کیونکہ جدل و پیکار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جذبات کے ہنگاموں میں حقائق ناپید ہو جاتے ہیں وہ کم گو اور خاموش طبع شخص تھے سیاسی مناقشات میں حصہ لینے سے گریز کرتے تھے حکام وقت سے ٹکراتے نہ تھے صرف حصول علم میں لگے رہتے تھے حالات میں خواہ کیسی ہی ناخوشگواری ہوئی اور سیاسی حالات خواہ کیسے ہی بگڑے لیکن انہوں نے ان کا زبان آوری سے کبھی مقابلہ نہیں کیا کیونکہ علمی طمانینتوں اور جذباتی آویزشوں میں کبھی ہم آہنگی نہیں ہوتی حالات کے بگاڑ کا اندازہ کرنا ہو تو ان کے اس بیان کو پڑھئے جس میں انہوں نے دور حجاج کی نقاشی کی ہے:

" كان الحجاج بن يوسف ينقض عرى الاسلام عروة عروة ".

(العقد الفرید ج ۵ صفحہ ۳۲۳)

لیکن حالات کے اس المناک دھارے کے باوجود خود ان کا کیا حال تھا ابن حبان نے لکھا ہے کہ ان حالات کے باوجود" کان صموتا" اس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ امام قاسم اپنی علمی مصروفیتوں کے باعث حکومت کے خلاف کسی حال میں کوئی اقدام پسند نہ فرماتے تھے ان کے اسی عمل کا حضرت امام مالک اور اس دور کے دوسرے تابعین پر بھی اثر تھا یہی شخصیت جو استبداد کے دور میں ایک خاموش علمی شخصیت کا روپ لئے ہوئے تھی حالات کے بدلنے اور نیکی کے برسر اقتدار آنے پر ایک بولنے والی زبان بن گئی جونہی عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے تو قاسم بن محمد کے بارے میں اہل مدینہ کا تاثر یہ تھا:

" اليوم تنطق العذراء " (تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۱۲۳)

قاسم بن محمد کا مسلک صحابہؓ کے بارے میں بڑا صاف اور واضح تھا وہ صحابہؓ کو ان کے مقام پر رکھتے تھے ان پر کسی قسم کی طعن و جرح نہ کرتے تھے اس معاملے میں ان کا

مسلک بالکل دوسرے تابعین کا سا تھا وہ صحابہؓ کے اختلافات کو امت کے لئے رحمت بتاتے تھے۔ افلح بن حمید نے اختلاف صحابہؓ کے موضوع پر ان کا یہ تاثر لکھا ہے:

"کان اختلاف اصحاب رسول الله ﷺ رحمة للناس".

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۹)

کلامی مسائل قضا و قدر، خیر و شر سے متعلق اختلافات امام قاسم ہی کے زمانے میں پیدا ہو گئے تھے وہ تقدیر پر ایمان رکھتے تھے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تھے لیکن اس مسئلہ میں جدل و پیکار کو صحیح نہ سمجھتے تھے وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کی قدرت اور ارادے کا نتیجہ ہے اس طرح قاسم بن محمد فرقہ قدریہ کے مسلک سے اختلاف رکھتے تھے جن کا عقیدہ ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے اپنی قدرت سے کرتا ہے اس میں اللہ کی ذات کا دخل نہیں قدریہ کے نزدیک قدر اور ارادہ لازم و ملزوم ہیں امام قاسم اس مسلک کے سخت مخالف تھے اور اس مسلک میں ان کے خالہ زاد بھائی سالم بھی ان کے ہم خیال تھے عکرمہ ابن عمار کہتے ہیں:

"میں نے قاسم اور سالم دونوں کو قدریہ پر لعنت کرتے سنا ہے۔"

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۸)

اور جیسا کہ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ یہ مسئلہ سخت پیچیدہ اور مشکل ہے اسے وہی حل کر سکتا ہے جو "منجر من اللہ" ہو ایسے ہی امام قاسم عوام کو اس مسئلہ کی پیچیدگی اور تعقید کے پیش نظر یہ مشورہ دیتے تھے:

"کفوا عما کف الله عنه". (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۸)

گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ امام قاسم کی رائے میں قدر اور اس کے خیر و شر پر ایمان لانا تو واجبات دین سے ہے لیکن ان کی تفصیل پر غور و خوض کرنا بدعت ہے۔

قاسم ابن محمد کی علوم میں جامعیت

قاسم بن محمد کے علمی کمالات کے سلسلے میں یہ سوال قدرتاً پیدا ہوتا ہے کہ قاسم بن محمد اپنے جہاد علمی میں اگر یگانہ روزگار تھے تو ضروری ہے کہ ان کے پاس کوئی خاص منہاج

سلف ہو اور نیز ان میں اور ان سے پہلوں میں یقیناً کوئی ایسی نفسی مماثلت ہو جس نے ان کو فقہ و استنباط میں راستہ چلنے کی ترغیب دی ہو یہ حقیقت ہے کہ قاسم بن محمد اور ان کے پیشرو اکابر کے درمیان ایک طرح کی ذہنی اور نفسی مماثلت تھی جس کی وجہ سے قاسم ان کے نقوش قدم پر چلے اور اس مشاکلت نے ان میں ایک خاص قسم کا قرب پیدا کر دیا ہو قاسم نے ان کی مرویات کی پیروی کی اور وہ ان سے اچھی طرح آشنا تھے سوانح اور تراجم کی کتابوں میں صوری مماثلت اور تشابہ کی حد تک مورخین نے بتایا ہے کہ:

"ما رایت ابابکر ولد ولدا اشبه من هذا الفتی"۔ (تہذیب التہذیب ج ۸ صفحہ ۳۳۴)

یعنی ابوبکر کی اولاد میں قاسم سے زیادہ ابوبکر کے مشابہ کوئی نہ تھا یہ صرف ظاہری تشابہ کا نہیں بلکہ معنوی مناسبت اور مشاکلت کا بھی اعلان ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ کی وساطت سے علوم ابوبکر بھی قاسم بن محمد میں منتقل ہوئے ان کو کم و بیش پورے بائیس سال حضرت عائشہؓ کے پاس رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ خالد ابن نزار ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت عائشہؓ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تین تھے قاسم بن محمد، عروۃ اور عمرۃ۔" (تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۲۳۸)

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ یحییٰ ابن معین نے قاسم بن محمد کی راہ سے آئے ہوئے علوم عائشہ کو "مسبكه بالذهب" قرار دیا ہے۔

قاسم بن محمد کو اپنے زمانے میں یہ خصوصی مقام علوم میں جامعیت کی وجہ سے ملا ہے۔ ان علوم میں ان کو صرف فضل و کمال ہی حاصل نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص مجتہدانہ شان سے نوازا تھا۔ الذہبی نے ابن عیینہ سے نسبت کر کے ان کے متعلق جو بات لکھی ہے کہ:

"كان القاسم اعلم اهل زمانه"۔

تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے دور کی بے مثال علمی شخصیت تھے اور صرف علمی نہیں بلکہ بتانے والوں نے یہاں تک نشاندہی کی ہے کہ علم کی اس فراوانی کے ساتھ ورع و تقویٰ، زہد و پارسائی، پاکبازی اور بزرگی میں بھی یکتائے روزگار تھے علوم میں جامعیت اور یگانگت کا اندازہ ان کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ:

زمانہ ابوبکرؓ و عمرؓ ہی سے عائشہؓ مسند افتاء پر فائز تھیں میں ان کے پاس ہی رہا

عبداللہ ابن عباسؓ سے میں نے استفادہ کیا ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے علوم سے بہت زیادہ بہرہ یاب ہوا ہوں۔" (تہذیب الاسماء واللغات)

ان کی عابدانہ زندگی معلوم کرنے کے لئے امام عجلی کا یہ فیصلہ پڑھئے کہ:

"ثقة نزه رجل صالح" (تہذیب الاسماء واللغات)

امام ابن سیرین کو ان کے زہد و پارسائی پر اس درجہ اعتبار تھا کہ بصرہ سے جو لوگ حج کو جاتے ان کو تلقین کرتے کہ قاسم بن محمد کی زندگی کا مطالعہ کرنا اور اس کی پیروی کرنا۔ (تہذیب التہذیب ج۸ صفحہ ۳۳۲)

اس دور کے دینی علوم میں قرآن و سنت، فتاویٰ صحابہؓ، قضایائے خلفاء اور فقہ وقیاس رائج تھے ان تمام میں امام قاسم کو دستگاہ کامل تھی ان کے کمال علمی اور اجتہادی شان جلالت کا صحیح اندازہ ہو نہیں سکتا جب تک ہم ان میں سے ہر ایک پر بحث نہ کریں۔

قرآن اور قاسم ابن محمد

صحابہ کرامؓ سے قرآن کی تفاسیر بطریق صحیح بہت کم منقول ہیں یہی حال تابعین کا ہے امام بخاری نے جامع میں تفسیر کا بہت بڑا حصہ درج کیا ہے لیکن اس میں زیادہ ذخیرہ تابعین کی روایات سے حل لغات پر مشتمل ہے ورنہ اصل تفسیر بہت کم ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی حد تک تابعین میں دو قسمیں پیدا ہو گئی تھیں۔ احمد امین رقمطراز ہے:

"تابعین میں قرآن کی حد تک دو قسمیں ہیں کچھ وہ ہیں جو قرآن کی تفسیر سے دامن بچا کر رہتے ہیں سعید ابن المسیب سے جب تفسیر کے موضوع پر کچھ دریافت کیا جاتا تو فرماتے "انا لا اقول فی القرآن شیئاً" ہشام کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت عروہ سے کبھی قرآن کی تفسیر نہیں سنی۔" (فجر الاسلام صفحہ ۲۰۰)

حماد ابن زید نے عبداللہ کے حوالے سے اسی قسم کی تصریح قاسم بن محمد کے بارے میں کی ہے کہ:

"کان القاسم لایفسر یعنی القرآن" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۹)

بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مجتہد ہونے کی حیثیت میں عقائد، فقہ اور احکام پر زیادہ سے زیادہ قرآن سے استدلال کرتے تھے ہمارے عرف کے مطابق

اس دور میں قرآن کی تفسیر کا کوئی رواج نہ تھا اور ان کو یہ چیز یعنی قرآن سے استنباط اور استدلال خود اپنے شفیق استاد حضرت عائشہؓ سے میراث میں ملی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے تفسیر کا جو کچھ حصہ منقول ہے اس کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ چیز سامنے آجائے گی۔ قاسم بن محمد اور ان کے دوسرے شاگردوں کا بھی یہی اصول تھا وہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کی طرز قراءت، محمل معنوی، موقع استدلال اور طریق استنباط پر قدرت کامل رکھتے تھے وہ ہر مسئلہ کے جواب کیلئے قرآن کی طرف رجوع کرتے تفسیر کی حد تک وہ صرف نقل پر اکتفاء کرتے امام بخاری نے "ھو الذی انزل علیک الکتاب" کی تفسیر مرفوع بحوالہء عائشہ صدیقہؓ قاسم بن محمد کی زبانی نقل کی ہے روایت یہ ہے:

"عن القاسم بن محمد عن عائشة قالت تلیٰ رسول الله ﷺ هذه الأية "هو الذی انزل علیک الکتاب منه ایات محکمات هن ام الکتاب واخر متشابهات" قال رسول الله ﷺ فاذا رایتم الذین یتبعون ماتشابه منه فاولئک الذین سمی الله فاحذروهم". (ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۳۴۶)

علم الحدیث اور قاسم ابن محمد

علم الحدیث کا موضوع دراصل ذات نبویؐ ہے اس لئے لازماً اس فن کی واقفیت کے ذرائع سب سے زیادہ اس کو حاصل ہیں جس کو حضور انور ﷺ کا شب و روز سب سے زیادہ قرب حاصل ہے قاسم بن محمد کی مربیہ اور معلمہ جن کے پاس انکو کم وبیش بائیس سال رہنے کا اتفاق ہوا ہے حضرت عائشہؓ اگر چہ کثیر الروایت ہیں لیکن صرف کثرت روایت ان کی فضیلت کا باعث نہیں ہے بلکہ اصل چیز دقت رسی اور نکتہ فہمی ہے قلیل الروایت بزرگوں میں بڑے بڑے صحابہؓ داخل ہیں عموماً وہ اشخاص جو ہر شخص سے ہر قسم کی روایت کر دیا کرتے ہیں فہم و درایت سے عاری ہوتے ہیں مکثرین روایت میں جن سات بزرگوں کے نام داخل ہیں ان میں سے پانچ اصحاب اصولیین کے نزدیک روایت کش سمجھے جاتے ہیں ان کا شمار فقہاء صحابہؓ میں نہیں ہے چنانچہ روایت کا جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے اس میں حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ سے کوئی اجتہاد فقہی اور قرآن وسنت سے کسی قسم کا استنباط عقلی مروی نہیں ہے یہ مخصوص فضیلت

مکثرین روایت میں صرف قاسم بن محمد کے دو استادوں عائشہؓ اور ابن عباسؓ کو حاصل ہے جو کثرت روایت کے ساتھ تفقہ، اجتہاد اور قوت استنباط میں بھی ممتاز تھے۔

قاسم بن محمد کی محدثانہ شان کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انہوںؒ سے جو حدیثیں سنی ہیں یا صحابہؓ کے جو آثار ان کے علم میں تھے اس دور کے مذاق کے مطابق وہ انکی یادداشت میں کتاب پر نہیں بلکہ صرف حافظہ پر بھروسہ رکھتے تھے تحریر کو نہ اپنے لئے اچھا سمجھتے اور نہ دوسروں کو اسکی اجازت دیتے۔

علم حدیث میں انکی جلالت قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب

صفر ۹۹ھ میں عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے تو امام قاسم کی عمر کی تریسٹھ بہاریں گزر چکی تھیں عمر بن عبدالعزیز نے تمام ممالک محروسہ کے گورنروں کے نام یہ سرکلر جاری کیا:

"کتب عمر بن عبد العزیز الی الافاق انظر واحادیث رسول اللہؐ فاجمعوہ". (فتح الباری ج ا صفحہ ۱۰۸ بحوالہ تاریخ اصفہان لابی نعیم)

اسی سلسلے میں مدینہ کے قاضی ابو بکر حزمی کو بھی یہ حکم جاری کیا:

"انظر ما کان من حدیث رسول اللہؐ او سنتہ او حدیث عمر او نحوھذا فاکتبہ". (مئوطا امام محمد صفحہ ۸۲)

امام مالک فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے قاضی صاحب کے نام جو سرکلر جاری کیا تھا اس میں یہ بھی تحریر تھا:

"عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد کے پاس جو علم ہے اس کو لکھ کر روانہ کریں۔"

حافظ عسقلانی نے امام مالک کا یہ فیصلہ ان الفاظ میں لکھا ہے:

"کان ولاہ عمر بن عبد العزیز و کتب الیہ ان یکتب لہ من العلم من عند عمرۃ بنت عبد الرحمن والقاسم بن محمد". (تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۹)

اس آئینے میں قاسم بن محمد کی علم حدیث میں جلالت شان کا چہرہ نظر آسکتا ہے قاضی ابو بکر نے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل میں قاسم بن محمد کے علوم پر مشتمل متعدد کتابیں لکھیں لیکن افسوس ہے کہ جب قاضی صاحب کا یہ علمی کارنامہ پایہ تکمیل کو پہنچا یا بالفاظ دیگر قاسمی علوم مدون ہوئے تو عمر بن عبدالعزیز وفات پا چکے تھے۔ ابن عبدالبر نے التمہید میں

امام مالک کی زبانی نقل کیا ہے:

" فتو فی عمر بن عبد العزیز وقد کتب ابن حزم کتباً قبل ان یبعث بھا الیھا ". (مقدمہ تنویر الحوالک صفحہ ۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں یہ انکشاف کیا ہے کہ امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے ان کتابوں کے متعلق قاضی صاحب کے صاحبزادے ابن ابی بکر سے دریافت کیا انہوں نے جواب دیا کہ " فضاعت ".

(تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۹)

خود امام محمد بن مسلم زہری کو بھی قاضی ابو بکر کی طرح اسی قسم کا حکم آیا تھا کیونکہ امام زہری بھی امام قاسم کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں یہ بھی قاسم بن محمد اور عمرہ بنت عبد الرحمٰن دونوں علمی چشموں سے سیراب ہوئے تھے قاسم بن محمد ہی نے امام زہری کو عمرہ سے استفادے کا مشورہ دیا تھا۔ الذہبی امام زہری کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

مجھ سے قاسم بن محمد نے فرمایا میں تمہیں علم کا شوقین پاتا ہوں لیکن کیا میں تم کو علم کا خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں فرمایا عمرہ کا آستانہ پکڑ لو کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کی آغوش میں بڑھی اور پلی ہیں چنانچہ جب میں ان کے ارشاد کے مطابق ان کے پاس گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو علم کا نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں۔"

"فو جدتھا بحرًا لا ینزف" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۶)

چونکہ امام زہری کے پاس قاسم اور عمرہ دونوں کا علم تھا اور حدیث عائشہؓ کا ان دونوں سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا اس لئے عمر بن عبد العزیز نے امام زہری کو بھی تدوین سنن کا حکم دیا تھا حافظ ابن عبد البر نے امام زہری کا بیان نقل کیا ہے:

" ہم کو عمر بن عبد العزیز نے سنن جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور پھر عمر بن عبد العزیز نے اپنی قلمرو میں ایک ایک دفتر روانہ کیا۔" (جامع بیان العلم صفحہ ۸۲)

امام زہری کے ان دفاتر یا قاسمی علوم کا اندازہ کرنا ہو تو امام معمر کا حسب ذیل بیان پڑھیئے:

" پہلے ہم یوں سمجھتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن جب ولید بن یزید قتل ہوا تو سرکاری خزانے سے زہری کے علمی دفاتر سواریوں پر لاد کر لائے

گئے۔" (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۱۰۶)

یاد رہے کہ ان دفاتر سے مراد کتابیں نہیں بلکہ اصل کتابوں کی وہ نقلیں ہیں جو سرکاری طور پر تیار کی گئی تھیں یہ تصریحات بتا رہی ہیں کہ یہ علوم قاسم کا خزانہ تھا اور اس کی تدوین کا اولین سہرا مدینہ میں امام زہری کے سر ہے۔

چنانچہ حافظ ابن عبدالبر نے امام مالک کی تصریح نقل کی ہے:۔

"اول من دون العلم ابن الشهاب"

حدیث میں قاسم ابن محمد کی احتیاط

امام قاسم کا زمانہ زبانی یادداشت کا زمانہ ہے علم جو کچھ بھی تھا عرب قاعدے کے مطابق سینوں میں محفوظ تھا قاضی عیاض کی مدارک کے حوالہ سے شیخ محمد ابو زہرہ نے یہ انکشاف کیا ہے کہ امام زہری فرماتے ہیں:

"لوگوں کا حافظہ خراب ہو گیا ہے میں سعید ابن المسیب، عروہ، قاسم بن محمد، ابو سلمٰی وغیرہ کے پاس باری باری جاتا ان میں سے ہر ایک سے پچاس سے سو تک حدیثیں سنتا پھر واپس ہوتا اور تمام کی تمام زبانی یاد کر لیتا بغیر اس کے کہ ایک کی بیان کی ہوئی حدیث دوسروں سے ملاؤں۔" (مدارک صفحہ ۲۱)

قاسم بن محمد حدیث کے معاملہ میں بہت محتاط تھے وہ روایت بالمعنٰی کے قائل نہ تھے جو الفاظ اپنے اساتذہ سے سنتے ان ہی کو یاد رکھتے اور ان ہی کو دہراتے ان کے مشہور شاگرد عبداللہ ابن عون جن کے بارے میں عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ان سے زیادہ دانائے سنت کوئی نہیں فرماتے ہیں:

"كان القاسم بن محمد يحدث با لحديث على حروفه".

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۸)

یہ اللہ کے دین میں بہت بڑی احتیاط ہے اور یہ نعمت بھی ان کو صحابہ کبارؓ سے ملی تھی۔

درس و تحدیث کی دو مجلسیں

قاسم بن محمد کے درس و تحدیث کا پہلا وقت عام طور پر نماز صبح کے بعد ہوتا شاید یہ وقت اس لئے اختیار کیا تھا کہ دن شروع ہونے کا وقت ہے خلو معدہ کی وجہ سے ذہنوں میں تازگی

ہوتی ہے اور کام وکاج سے فرصت کا وقت بھی یہی ہے اس وقت حدیث کے متعلق جو باتیں سنی جاتی ہیں نفس انسانی ان کو بشاشت اور مسرت کے ساتھ قبول کرتا ہے اور اس طرح باتیں دل کی گہرائی میں اتر جاتی ہیں۔ طبقات ابن سعد میں عبدالرحمٰن بن عبدالموالی کے حوالہ سے منقول ہے کہ:

"قاسم گھر سے مسجد میں تشریف لاتے تھے نماز کے بعد بیٹھ جاتے اور لوگ بھی صبح سویرے آپ کے گرد حلقہ بنا لیتے۔" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۹)

اس کے علاوہ رات کو بھی درس و تدریس کیلئے تلامذہ کو وقت دیتے تھے لیکن یہ مجلس خاص تلامذہ کے لئے ہوتی اور اسے بہ نسبت مجلس درس کہنے کے مجلس مذاکرہ کہنا زیادہ مناسب ہے یحیٰی ابن سعید جو خود امام قاسم کے تلامذہ خاص میں سے ہیں فرماتے ہیں:

"قاسم بن محمد اور ان کے اصحاب عشاء کی نماز کے بعد حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے۔" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۹)

مسجد نبوی میں درس کی جگہ

مسجد نبوی میں قاسم بن محمد اور ان کے خالہ زاد بھائی سالم دونوں درس دیتے تھے اور دونوں ایک ہی جگہ بیٹھتے تھے ابن سعد نے اس مقام کی تعیین کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے درس کی یہ جگہ تاریخی بن گئی۔ فرماتے ہیں:

"قاسم اور سالم حضور اقدس ﷺ کی مسجد میں درس دیتے تھے یہ جگہ جہاں وہ دونوں حضرات تشریف فرما ہوتے قبر اور منبر کے درمیان فاروق اعظمؓ کے حجرو کے سامنے ہے بعد میں اسی جگہ قاسم کے فرزند عبدالرحمٰن نے بھی درس دیا ہے ان کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر امام مالک بن انس کو بھی درس دینے کی فضیلت حاصل ہوئی۔"

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۹)

قاسم ابن محمد کی احادیث

امام قاسم کے حوالے سے موجودہ ذخیرہ حدیث میں کافی احادیث ہیں۔ ابونعیم اصفہانی لکھتے ہیں:

"ان کی مسند احادیث بہت زیادہ ہیں اور عموماً یہ احکام اور مناسک سے متعلق

ہیں۔" (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۸۳)

امام علی ابن المدینی نے ان کی احادیث کی تعداد دوسو بتائی ہے۔

(خلاصہ تہذیب الکمال ج۱ صفحہ ۲۶۳)

اگر یہ صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہے جبکہ ابن المدینی جیسا حافظ کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ احکام سے متعلق ان کی وساطت سے جو احادیث آئی ہیں ان کی تعداد دوسو ہے ورنہ مطلق احادیث کی تعداد تو کہیں ان سے زیادہ ہے صاحب حلیۃ الاولیاء نے احادیث میں قاسم بن محمد کے "غرائب" اور "مفاریذ" کی بھی نشاندہی کی ہے اور اس پر "من مفاریده و غرائب حدیثه" کا عنوان قائم کرکے "مفاریذ" کی تفصیل بتائی ہے۔ امام قاسم سے اگرچہ کافی احادیث مروی ہیں مگر ہم یہاں مشتے از خروارے چند نقل کرتے ہیں۔

احادیث

۱ :. مالک عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابیه عن عائشةؓ ام المؤمنین انها قالت خرجنا مع رسول اللهؐ فی بعض اسفاره حتی اذا كنا بالبيداء اوبذات الجيش انقطع عقدلی فاقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه واقام الناس معه وليسوا علىٰ ماء وليس معهم ماء فاتى الناس الىٰ ابى بكر الصديق فقالوا الاترىٰ ما صنعت عائشه اقامت برسول الله صلى الله عليه وسلم وبالناس وليسوا على ماء وليس معهم ماء قالت فجاء ابوبكر ورسول الله صلى الله عليه وسلم واضع راسه علىٰ فخذى قد نام فقال حبست رسول الله صلى الله عليه وسلم والناس وليسوا علىٰ ماء وليس معهم ماء قالت عائشه فعاتبنى ابوبكر وجعل يطعن بيده فى خاصرتى فلايمنعنى من التحرك الامكان راس رسول الله صلى الله عليه وسلم على فخذى فنام رسول اللهؐ حتى اصبح على غير ماء فانزل الله تعالىٰ اٰيته التيمّم فقال اسيد بن الحفير ماهي باول بركتكم يااٰل ابى بكر قالت فبعثنا البعير الذى كنت عليه فوجدنا العقد تحته .

۲ :. عن عبدالرحمن ابن القاسم عن ابيه عن عائشة زوج النبى صلى الله عليه

وسلم انها کانت تقول اذا تشهدت التحيات الطيبات الصلوٰت الزاكيات لله اشهد ان لااله الاالله وحده لاشريک له وان محمد عبدالله ورسوله السلام عليک ايهاالنبی ورحمته الله وبركاته السلام علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين السلام عليكم.

۳ :. مالک عن يحيی ابن سعيد عن القاسم بن محمد عن صالح بن خوات الانصاری ان سهل بن ابی حثمة الانصاری حدثه ان صلوٰة الخوف ان يقوم الامام ومعه طائفة من اصحابه وطائفة مواجهة العد وفيركع الامام ركعة ويسجد باللذين معه ثم يقوم فاذااستوی قائماً ثبت واتموالا نفسهم الركعة الباقية ثم يسلمون وينصرفون والامام قائم فيكونون وجاه العد ولم يقبل الأخرون الذين لم يصلوا فيكبرون وراء الامام فيركع بهم ويسجد ثم يسلم فيقومون فيركعون لانفسهم الركعة الثانية ثم يسلمون.

۴ :. مالک عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابيه ان عائشة زوج النبی صلی الله عليه وسلم كانت تلی بنات اخيها يتامی فی حجرها لهن الجلی فلاتخرج من حليهن الزكوٰة .

۵ :. يحيیٰ عن مالک بن انس عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابيه عن اسماء بنت عميس انها ولدت محمد بن ابی بكر بالبيداء فذكر ذالک ابوبكر لرسول الله صلی الله عليه وسلم فقال مرها فلتغتسل ثم لتهلل.

٦ :. مالک عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابيه عن عائشة ام المؤمنين ان رسول الله صلی الله عليه وسلم افر دالحج .

۷ :. مالک عن عبدالرحمن بن القاسم عن ابيه عن عائشة ام المؤمنين انها خطبت علی عبدالرحمن بن ابی بكر قريبه بنت ابی امية فزوجوه ثم انهم عتبوا علی عبدالرحمن وقالوا مازوجنا الاعائشة فارسلت عائشة الی عبدالرحمن فذكرت ذالک له فجعل امرقريبه بيدها فاختارت زوجها فلم يكن ذالک طلاقاً .

قاسم ابن محمد اور فقہ واجتہاد

• علمی حیثیت سے قرآن وسنت فقہ کیلئے دلائل کی حیثیت رکھتے ہیں اور فقہ ان دلائل سے پیدا شدہ نتائج کا نام ہے قاسم بن محمد مسائل میں استنباط کا یہ اصول رکھتے تھے کہ سب سے پہلے قرآن حکیم پھر سنت پھر صحابہ کرامؓ کے فیصلے پھر قیاس عقلی سے کام لیتے تھے۔

قرآن حکیم سے استدلال

امام قاسم نے یہ مسئلہ بتایا کہ قانونی اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں ہوتا یعنی اعتکاف کی صحت کیلئے روزہ ناگزیر شرط ہے اور اعتکاف کے لئے روزہ کے شرط ہونے پر قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا: ''ثم اتموا الصیام الی اللیل''

وجہ استدلال یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کا روزے کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اس لئے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے اور علامہ باجی کے خیال میں وجہ یہ ہے کہ چونکہ لاتباشروھن میں مخاطب ہی روزے دار ہیں اتموا الصیام الی اللیل کے قرینہ کی وجہ سے اس لئے اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ اس کو ائمہ اربعہ نے اپنایا ہے صحابہ میں یہی مذہب علی مرتضیٰؓ، ابن عباسؓ، عائشہؓ کا اور تابعین میں شعبی، نخعی، مجاہد، نافع اور ابن المسیب کا ہے۔ (اوجز المسالک ج۳ صفحہ۱۲۲)

حدیث سے استدلال

قرآن کے بعد حدیث کا درجہ ہے مسئلہ یہ پیش ہوا کہ صلوٰۃ خوف کیسے پڑھی جائے اس موقعہ پر قاسم نے سہل ابن ابی حثمہؓ کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی جس میں صلوٰۃ خوف کی پوری ترکیب ہے فرمایا:

صلوٰۃ خوف یہ ہے کہ امام کچھ ساتھیوں کو لیکر نماز پڑھے اور باقی دشمن کے سامنے ڈٹے رہیں امام ان کے ساتھ ایک رکعت ادا کرے دوسری رکعت میں امام کھڑا رہے ساتھی رکعت پوری کر لیں سلام پھیر کر دشمن کے سامنے چلے جائیں باقی ساتھی آ کر امام کے ساتھ مل جائیں امام ان کے ساتھ دوسری رکعت ادا کر کے سلام پھیر دے اور یہ مسبوق کی طرح نمازی پوری کر لیں اور سلام پھیر لیں۔'' (مؤطا امام مالک)

صلوٰۃ خوف کی یہ ترکیب جو امام قاسم نے بتائی ہے امام مالک نے مؤطا میں درج کرنے کے بعد اپنا یہ فیصلہ دیا ہے کہ:

" حدیث القاسم بن محمد احب ماسمعت الیّ من صلوٰۃ الخوف "

(تنویر الحوالک ج ا صفحہ ۱۴۹)

احادیث میں بعض استنباطات ان کے ایسے لطیف ہیں جن کی خود انہوں نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی لیکن ان کے انداز بیان میں ایسے اشارات ہیں جن پر فقہاء نے بڑی بڑی عمارتیں بنالی ہیں مثلاً حجتہ الوداع کے موقعہ پر اثنائے حج میں حضرت عائشہؓ معذور ہوگئیں ان کو صدمہ ہوا حضور اکرم ﷺ نے ان کی تشفی کی اور آپؐ کے حکم سے تنعیم جا کر نئے احرام سے طواف کیا۔ قاسم بن محمد نے یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے سنا اور قاسم ہی کی زبانی یہ واقعہ حدیث کی کتابوں میں منقول ہے ان کے محدثانہ اور پھر ساتھ فقیہانہ انداز بیان سے فقہاء اور مجتہدین نے حج کے چند عظیم الشان اصول وقواعد مستنبط کئے۔۔۔ ابن القیم زادالمعاد میں لکھتے ہیں:

" حدیث عائشۃ ھذا یؤخذ منه اصول عظیمة " (زادالمعاد ج ۲ صفحہ ۸۲)

حضرت صفیہ کا ایک واقعہ قاسم کی زبانی بحوالہ عائشہؓ آیا ہے کہ وہ آخری طواف سے پہلے معذور ہوگئیں انہوں نے حضور انور ﷺ سے دریافت کیا حضور انورؐ نے بتایا اگر پہلے طواف کرلیا تو کوئی حرج نہیں۔ (تنویر الحوالک ج ا صفحہ ۸۲)

اس مسئلہ سے یہ استنباط کیا گیا کہ آخری طواف ضروری نہیں اور معذور عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اعمال صحابہ سے استدلال

مسئلہ یہ ہے کہ کیا حالت احرام میں چہرے پر کپڑا لینا جائز ہے؟ علمائے تابعین کا اس میں اختلاف ہے مجاہد، طاؤس وغیرہ جواز کے قائل ہیں قاسم بن محمد بھی جواز کے قائل ہیں چنانچہ ان سے جب یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ کیا حالت احرام میں مرد کے لئے چہرہ چھپانا جائز ہے؟ تو انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا اور حضرت عثمانؓ کے عمل سے استدلال کیا فرماتے ہیں:

"مجھے فرافصہ ابن عمر حنفی نے بتایا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو حالت احرام میں چہرہ ڈھانپے ہوئے دیکھا۔" (مؤطا امام مالک ج ا صفحہ ۲۴۰)

قیاس شرعی سے استدلال

قیاس شرعی سے مقصود یہ ہے کہ وہ علماء جو شریعت کے راز داں اور علوم دینی کے ماہر ہوں کتاب و سنت کی ممارست سے ان میں یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہو تو وہ تاڑ لیتے ہیں کہ مزاج شریعت کے مطابق اس کا جواب یہ ہے شریعت کے نظائر اور فیصلوں سے جس قدر امام قاسم آگاہ تھے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں اس لئے ان کا قیاس بھی بے مثال ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ:

"اگر ایک شخص نے شادی سے پہلے ہی اپنی مخطوبہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر میں تجھ سے شادی کروں تو میرے لئے تو میری ماں کی پیٹھ جیسی ہوگی۔"

اس میں امام قاسم کا فیصلہ یہ ہے کہ شادی کرے گا تو ظہار ثابت ہو جائے گا اور اسے عورت کے پاس جانا اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک کفارہ ظہار ادا نہ کرے سلیمان بن یسار اور ان سے پہلے فاروق اعظمؓ کا بھی فیصلہ یہ ہے۔ (تنویر الحوالک)

ظاہر ہے کہ یہ خالص قیاس ہے اور معلّق کو غیر معلّق پر قیاس کر لیا گیا ہے یا بالفاظ دیگر تعلیق کو تنجیز پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ ایسے ہی اگر ایک شخص نے طلاق کی قسم اٹھالی تو قیاس ہی کی بنیاد پر امام قاسم کا فیصلہ ہے کہ جب نکاح ہوگا طلاق پڑ جائے گی۔ فاروق اعظمؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن مسعودؓ، سالم بن عبداللہ، زہری اور سلیمان بن یسار بھی یہی کہتے ہیں۔ (مؤطا امام مالک ج ۲ صفحہ ۲۳۲)

قاسمی مجلس ارشاد

گذشتہ صفحات میں قاسم بن محمد کے کمالات علمی کی مختلف شاخیں سامنے آچکی ہیں لیکن علم کی غایت یہ بھی ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ اس سے تزکیہ نفوس اور اصلاح امت کا کام لیا جائے قاسم بن محمد کا مسجد نبوی میں اپنا مدرسہ تھا اور اس مدرسہ کی تین جماعتیں تھیں۔

علم حدیث کی عام جماعت اور مذاکرہ حدیث کی جماعت کا تذکرہ آپ اس سے

پہلے سن چکے ہیں یہ تعلیم کی جماعتیں تھیں۔ آیئے پھر مسجد نبوی چلیں اور قاسمی مجلس ارشاد میں بیٹھیں اور دیکھیں کہ عائشہ صدیقہؓ کی روشن کی ہوئی یہ شمع مبارک اس بزم ارشاد میں کس طرح جلوہ افروز ہے چاشت کے وقت پھر مسجد میں تشریف لاتے ہیں دو رکعت نماز ادا کرکے لوگوں میں بیٹھ جاتے ہیں قسم قسم کے لوگ موجود ہیں طرح طرح کے سوالات کررہے ہیں آپ سب کو جواب دے رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں:

"میں نے قاسم بن محمد کو دیکھا ہے کہ وہ دن چڑھے مسجد آتے دو رکعت نماز ادا کرتے لوگوں میں گھل مل کر بیٹھ جاتے اور لوگ ان سے سوال کرتے۔"

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۹)

اگرچہ واقعہ نگار نے تو صرف یہ بتایا ہے کہ لوگ ان سے سوال کرتے تھے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ سوالات ہی کے نتیجہ میں اس مجلس ارشاد میں تزکیہ اور اصلاح کے سارے کام نہ ہوتے ہوں مسلمانوں اور ایرانیوں میں اختلاط عہد فاروقی میں ہوا لیکن حضرت عمرؓ کے زور وقوت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں عجمی جراثیم سرایت نہ کرسکے عہد عثمانی میں اس اختلاط نے عرب کی آب و ہوا مسموم کرنا شروع کروی تھی بالآخر عبدالملک کے زمانے میں کبوتر بازی، شطرنج بازی، نرد بازی اور گانے بجانے کا عام رواج ہوگیا تھا قاسم بن محمد ان سب باتوں پر مجلس میں گرفت کرتے تھے غنا و سماع جس میں بعض اکابر اور تابعین معاشرہ میں عام ہونے کی وجہ سے اغماض سے کام لیتے تھے لیکن قاسم بن محمد اس پر بھی سخت گرفت کرتے تھے۔ الجاحظ رقمطراز ہے:

"ابن عون کہتے ہیں کہ مجھے تین آدمی ایسے ملے جو سماع اور غناء میں متساہل تھے اور تین حضرات اس میں سخت گیری سے کام لیتے تھے متساہلین میں الحسن، نخعی اور شعبی تھے اور متشددین میں محمد ابن سیرین، قاسم بن محمد اور رجاء ابن حیوہ تھے۔"

(البیان والتبیین ج۲ صفحہ ۳۲۳)

قاسم ابن محمد مشاورتی کونسل میں

ان اوصاف جمیلہ کی وجہ سے امام قاسم اس وقت اسلامی معاشرہ میں ایک خاص عظمت کے مالک تھے اور عام و خاص کی نگاہوں کے مرجع تھے عمر بن عبدالعزیز جس وقت

مدینہ کے والی تھے اپنے زمانہ ولایت میں انہوں نے ایک مشاورتی کونسل بنائی تھی یہ کونسل جن دس ارکان پر مشتمل تھی ان میں قاسم بن محمد بھی تھے اور لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ ابن کثیر رقمطراز ہے:

"مدینہ کی زندگی میں زمانہ ولایت میں جب عمر بن عبدالعزیز کو کوئی معاملہ پیش آتا تو فقہائے مدینہ کی میٹنگ بلاتے فقہائے مدینہ میں عمر نے مشورہ کیلئے دس حضرات مقرر کئے ہوئے تھے کوئی کام بھی ان سے مشورہ کئے بغیر نہ کرتے یہ دس حضرات درج ذیل تھے:

عروہ، عبیداللہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان بن یسار، القاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عامر، خارجہ ابن زید اور سعید ابن المسیب۔"

(البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ۱۹۴)

یاد رہے کہ یہ فقہائے سبعہ نہیں بلکہ وہ فقہائے عشرہ ہیں جو عمر بن عبدالعزیز کی مشاورتی کونسل کے ارکان تھے۔

قاسمی بزم افتاء

یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ عمومی فیضان کی خاطر قاسم بن محمد نے مسجد نبوی میں ایک مجلس عمومی قائم کر رکھی تھی لیکن آپ کی ذات گرامی آپ کی جامعیت اور فضل و کمال کی وجہ سے اس قدر بلندی پر پہنچ چکی تھی کہ اب آپ کی ذات رائے عامہ میں صرف ایک علمی شخصیت بن چکی تھی آپ اس فقہی اکادمی کے رکن رکین تھے جن کی تشکیل خود حالات نے مدینہ میں کر دی تھی جس کے متعلق علمائے مورخین نے تصریح کی ہے کہ یہ جماعت علم و فتوٰی میں سوسائٹی میں حرف آخر کی حیثیت رکھتی تھی اور جس کو تاریخ کی زبان میں "فقہائے سبعہ" کہتے ہیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

"قد ذکرہ غیر واحد فی الفقہاء السبعۃ الذین ینتھی الی قولھم"

(البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ۲۰۲)

منصب خلافت اور قاسم ابن محمد

اسی جلالت کا نتیجہ تھا کہ عوام تو عوام بلکہ خواص اور خواص میں سے اخص الخواص تک ان کے بارے میں پاکیزہ خیالات رکھتے تھے اور ان کے اس درجہ معتقد تھے کہ امام

مالک فرماتے ہیں:

''عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ اگر حکومت وفرماں روائی کے بارے میں میرے بس میں کچھ بھی ہوتا تو بار خلافت قاسم بن محمد کے سپرد کر دیتا۔'' (صفۃ الصفوہ ج۲ صفحہ ۴۹)

الذہبی لکھتے ہیں:

''عمر کی بے بسی کی وجہ یہ تھی کہ سلیمان کے مرتبہ عہد نامے میں خلافت عمر کے بعد یزید بن عبدالملک کے لئے خلافت مقرر تھی۔''

''فان الخلافة من بعده كانت معهودة ليزيد بن عبدالملك ''

(تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۹۱)

اسی لئے مجبوری تھی ورنہ اہلیت، قابلیت، صلاحیت اور علم وتقویٰ کی ساری باتیں جو ایک ملک کے سربراہ میں ہونی ضروری ہیں وہ سب عمر بن عبدالعزیز کے خیال کے مطابق قاسم بن محمد میں موجود تھیں اسی لئے کہنے والوں نے کہا ہے:

''كان ثقة رفيعاً عالماً (عاليا) اماماً فقيهاً ورعاً كثير الحديث ''

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۹۱)

قاسم بن محمد کے تلامذہ

جن لوگوں نے امام قاسم سے علم حاصل کیا ہے اور ان کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے ان کا شمار کرنا اور پھر ان کے حالات لکھنا بہت دشوار ہے اس لئے ہم صرف ان چند مشاہیر ائمہ کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا امام قاسم کے علوم پھیلانے میں حصہ ہے ان میں سے چند مشہور یہ ہیں:

عامر بن شراحیل الہمدانی شعبی، امام سالم، یحییٰ ابن سعید، نافع، محمد ابن مسلم، ابن شہاب زہری، عبداللہ بن عون، ابن ابی ملیکہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، عبیداللہ بن عمر، سعد بن ابراہیم، عبیداللہ بن مکتم، ایوب سختیانی، ربیعۃ الرائے، ابوالزناد، افلح بن حمید، حنظلہ بن ابی سفیان، عاصم بن عبداللہ، عباد بن مسعود، عبداللہ بن العلاء، عکرمہ ابن عمار، عمر بن عبداللہ بن عروہ، ابوبکر بن محمد بن ابی الحرم، مالک بن دینار، عیسیٰ بن محمود وغیرہ وغیرہ ---- ان تلامذہ میں سے ہم صرف ان مشاہیر کا تعارف کراتے ہیں جو قاسم بن محمد کے خاص تلامذہ

میں سے ہیں:

عامر شرحبیل الہمدانی

ذہبی نے ان کو علامۃ التابعین کے لقب سے نوازا ہے حدیث، فقہ، ادب، شعر اور حساب کے بہت بڑے عالم تھے ان کا خود بیان ہے کہ مجھے پانچ سو صحابہ کرامؓ سے ملاقات کا شرف حاصل ہے ابن سیرین کہتے ہیں کہ شعبی صحابہؓ کی موجودگی میں افتاء کا کام کرتے تھے ابوالجابیہ کہتے ہیں کہ امام شعبی فرماتے تھے کہ:

"ہم فقہاء نہیں ہیں ہمارا کام حدیث سن کر فقہاء کے سامنے پیش کرنا ہے۔"

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۸۰)

امام شعبی نے تدوین حدیث کا کام بھی کیا ہے حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ:

"اما جمع حدیث الیٰ مثلہ فقد سبق الیہ الشعبی فانہ روی عنہ انہ قال ھذا باب من الطلاق جسیم"۔ (تدریب الراوی صفحہ ۲۴)

حدیث جمع کرنے کا یہ کام انہوں نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے کیا کیونکہ امام یحییٰ ابن معین نے تصریح کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کو عہدہ قضا تفویض کیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۸۲)

علم حدیث میں یہ امام اعظم کے اکابر شیوخ میں شمار کیے جاتے ہیں چنانچہ الذہبی نے جہاں تلامذہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا نام لیا ہے ساتھ ہی یہ بھی تصریح کی ہے:

"وھو اکبر شیخ لابی حنیفۃ" (تذکرۃ الحفاظ ا صفحہ ۸۰)

ان کی وفات ۱۰۳ھ اور ۱۱۰ھ کے درمیان ہوئی۔

عبدالرحمٰن ابن قاسم بن محمد

یہ قاسم بن محمد کے صاحبزادے ہیں امام شعبہ، امام مالک اور سفیان ثوری، امام اوزاعی اور ابن عیینہ کے استاد ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۱۱۹) امام نووی لکھتے ہیں:

"اتفقوا علیٰ جلالتہ و امامتہ وفضیلتہ و صلاحتہ" (تہذیب الاسماء صفحہ ۳۰۲)

ان کی وفات ۱۲۶ھ میں ہوئی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ:

"یہ امام مالک کے اکابر شیوخ میں سے ہیں۔" (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ صفحہ ۲۱)

یحییٰ ابن سعید الانصاری

الذہبی نے ان کو الحافظ اور شیخ الاسلام لکھا ہے امام شعبہ، امام مالک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، عبداللہ ابن المبارک اور یحییٰ ابن سعید القطان کے استاد ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۴۰) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ:

"اجمعوا علی توثیقه جلالته و امامته" (تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۱۵۴)

ان کی تاریخ وفات ۱۴۵ھ ہے۔

نمونہ کے طور پر چند شاگردوں کا تذکرہ کیا گیا ورنہ کتب رجال میں قاسم بن محمد کے شاگردوں کے تفصیلی حالات موجود ہیں:

بیماری اور وفات

آخری عمر میں آپ بینائی سے محروم ہو گئے تھے ابن سعد کہتے ہیں:

"کان ذهب بصره". (طبقات ج ۵ صفحہ ۱۹۴)

رجاء ابن ابی سلمی کہتے ہیں کہ حج سے واپسی پر آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان بیمار ہوئے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۱ صفحہ ۱۸۳) بیماری کے زمانے میں عیسیٰؑ ابن حفص ان کی عیادت کو گئے وہ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

"آپ صاحب فراش تھے اور آپ ایک رنگین لحاف اوڑھے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ آپ کی ٹانگیں لحاف سے باہر تھیں۔" (طبقات ج ۵ صفحہ ۱۹۴)

وفات سے پہلے آپ نے درج ذیل وصیتیں فرمائیں:

"مجھے میرے ان کپڑوں ہی کا کفن پہنانا جن کو پہن کر نماز ادا کرتا تھا یعنی کرتہ، ازار اور چادر۔ صاحبزادے نے دریافت کیا ابا جان! کیوں نہ ہم آپ کے کفن کے لئے دو کپڑے اور لے آئیں؟ فرمایا برخوردار ہمارے دادا ابو بکر کو بھی اسی طرح دفنایا گیا تھا زندہ کو بہ نسبت مردے کے نئے کپڑے کی زیادہ ضرورت ہے۔"

خالد بن ابی بکر کہتے ہیں یہ بھی وصیت فرمائی:

"میری قبر پر کوئی مدح و ثنا نہ کی جائے۔" (طبقات ج ۵ صفحہ ۱۹۲)

بعد ازیں کاتب کو بلایا اور کہا کہ وصیت لکھو وصیت نامے کی عبارت صرف یہ تھی:

"ھذا ما اوصی القاسم بن محمد یشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ"۔

یہ لکھوانے کے بعد فرمایا کہ ہماری کور بختی کا اس وقت کیا حال ہوتا اگر ہم ماضی میں اس شہادت کی نعمت سے مالا مال نہ ہوتے۔ (طبقات ج۵ صفحہ ۱۹۲) ۷۲ بہتر سال کی عمر میں بمقام "قدید" انتقال فرمایا آپ کو مقام مشلل میں دفن کیا گیا۔

اولاد و امجاد

قاسم بن محمد کی شادی اپنی چچا زاد بہن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی لڑکی "قریبہ" سے ہوئی۔ حافظ ابن حزم رقمطراز ہیں:

"تزوج اختھا قریبة القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق"۔

(جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۳۷)

قاسم بن محمد کے قریبہ سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی لڑکے کا نام عبدالرحمٰن اور لڑکی کا نام ام فروہ ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

"فولد القاسم بن محمد عبدالرحمن بن قاسم وام فروة"۔

(المعارف صفحہ ۱۷۶)

عبدالرحمٰن کے تین لڑکے ہوئے اسماعیل، عبداللہ اور عبدالرحمٰن (جمہرۃ الانساب صفحہ) ام فروہ کی شادی زین العابدین کے لڑکے محمد سے ہوئی۔ (المعارف صفحہ ۷۶)

حلیہ اور لباس

قاسم بن محمد صورت و مشابہت میں اپنے دادا ابوبکر الصدیقؓ سے ملتے تھے۔

زبیر ابن بکار لکھتے ہیں کہ:

"ابوبکر کی اولاد میں ابوبکر کے مشابہہ صرف قاسم تھے"۔

(تہذیب التہذیب ج۸ صفحہ ۳۳۵)

بہت زیادہ خوش پوش اور نازک اندام تھے لباس میں عموماً چادر، جبہ، عمامہ، ٹوپی اور ازار ہوتا، چادر، عمامہ اور ازار خز کے کپڑے کا ہوتا تھا، کپڑے کبھی رنگین اور کبھی سفید استعمال کرتے، قمیض باریک ہوتی تھی ٹوپی سبز رنگ کی اور چادر پھول دار رنگین پسند فرماتے تھے کرتا اور قمیض کی آستین قدرے لمبی ہوتی تھیں، ڈاڑھی کو خضاب نہ کرتے حجامت بنواتے

تو لبوں کو بالکل صاف نہ کرواتے ہاتھ میں انگشتری پہنتے تھے انگشتری کے نگینے میں قاسم بن محمد نام کندہ ہوتا تھا جو بوقت ضرورت مہر کا کام دیتا تھا۔ (طبقات صفحہ ۱۹۰ تا صفحہ ۱۹۲)

قاسم ابن محمد کا اختلافی مسائل میں مسلک

شہری زندگی سے متعلق وہ مسائل جن میں صحابہ کرامؓ سے اختلاف منقول ہے بعد میں آنے والوں کے لیے بہت بڑی پریشانی کا سامان ہیں اور ایسے حالات میں اکثر کا مذہب یہی ہے کہ دلیل کی قوت کو دیکھا جائے اور معاملہ کو دلائل کی ترازو میں رکھ کر تولا جائے۔ امام شافعی، امام مالک، لیث ابن سعد، اوزاعی اور ابوثور کا فیصلہ یہ ہے کہ:

"کسی مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو تو کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی ترازو میں تولا جائے۔" (جامع بیان العلم ج۲ صفحہ ۸۰)

لیکن اس قسم کے معاملات میں جہاں صحابہ کرامؓ کے علمی طبقہ میں اختلاف ہو قاسم بن محمد کے مشرب میں بے مثال رواداری تھی وہ صحابہ کے اختلافات کو اللہ کی جانب سے دی ہوئی وسعت قرار دیتے تھے۔ افلح بن حمید کہتے ہیں کہ:

قاسم بن محمد کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے اعمال میں اختلاف کے ذریعے امت کو بہت نفع پہنچایا ہے جو شخص بھی اپنی عملی زندگی میں کسی صحابی کے نقش قدم پر چلتا ہے اس کیلئے اس میں وسعت بھی ہے اور خیر بھی ہے۔" (جامع بیان العلم ج۲ صفحہ ۸۰)

ایک دوسرا بیان ان سے منقول ہے کہ:

"حضور انور ﷺ کے صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لئے رحمت ہے۔"

(طبقات ج۵ صفحہ ۱۸۹)

حافظ ابن عبدالبر نے قاسم بن محمد اور عمر بن عبدالعزیز کی ایک مجلس کا تذکرہ کیا ہے اس مجلس میں خود قاسم بن محمد نے اپنا تاثر یہ بتایا ہے کہ:

"مجھے عمر بن عبدالعزیز کی یہ بات بڑی پسند آئی کہ مجھے تو صحابہ کرامؓ کا اختلاف ہی اچھا معلوم ہوتا ہے ان میں اگر مسائل میں اختلاف نہ ہوتا تو لوگوں کی زندگی بڑی تنگ ہو جاتی صحابہؓ ائمہ ہیں ان کی پیروی ہونی چاہیے اگر کوئی شخص کسی صحابیؓ کے قول پر بھی عمل کرتا ہے تو اس کے لئے گنجائش ہے۔" (جامع بیان العلم ج۲ صفحہ ۸۰)

قاسم بن محمد کی اس رواداری سوچ کا معاملہ جو تاریخ میں محفوظ ہے صرف اتنی بات پر ختم نہیں ہوتا بلکہ جاندار مسائل میں اس کا مظاہرہ بھی آپ سے منقول ہے۔ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بعد میں آنے والوں کے لئے مہمات مسائل میں سے ہے۔ ابن عبدالبر نے اسامہ ابن زید کی زبانی نقل کیا ہے کہ:

"میں نے قاسم بن محمد سے دریافت کیا کہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کرنی چاہئے یا نہیں جواب میں ارشاد فرمایا اگر پڑھ لو تو اصحاب رسول اللہ ﷺ میں تمہارے لئے مقتدیٰ موجود ہیں اگر نہ پڑھو تو پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں تمہاری پیروی کے لئے نمونہ موجود ہے۔" (جامع بیان العلم ج۲ صفحہ ۸۰)

قاسم بن محمد کی رواداری کا یہی اسوہ ہے جو ہمیں فقہائے عراق میں نظر آتا ہے۔ دراصل اس کی بنیاد یہ ہے کہ جس طرح آپ ایک مسئلہ میں کسی نتیجے پر پہنچے ہیں اسی طرح ایک دوسرا شخص بھی کسی خاص نتیجہ پر پہنچا ہے اب آپ کا طرز عمل دوسرے شخص کی نسبت کیا ہونا چاہیے ہماری طرح اسے بھی اپنی راہ پر چلنے کا حق ہے یا نہیں؟ رواداری یہ ہے کہ اپنے حق اعتقاد و عمل کے ساتھ دوسرے کے حق اعتقاد و عمل کا بھی اقرار کیا جائے۔

فتاویٰ بزازیہ میں قاضی ابو یوسف عراقی فقیہہ کے بارے میں لکھا ہے:

"جمعہ کے روز حمام سے غسل کر کے نماز پڑھا دی نماز ختم ہو گئی لوگ چلے گئے بعد کو کسی نے بتایا کہ حمام کے کنویں سے مرا ہوا چوہا نکلا ہے فرمایا کوئی بات نہیں ہم مدنی بھائیوں کے اس ارشاد پر عمل کر لیں گے۔"

"اذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثاً". (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۹)

خون نکلنے سے حنفی مدرسہ میں وضو ٹوٹ جاتا ہے ہارون رشید نے پچھنے لگائے اور نماز پڑھا دی قاضی ابو یوسف نے بھی ہارون کی اقتداء میں نماز پڑھی کسی نے قاضی ابو یوسف سے دریافت کر لیا کہ خون نکلا ہو اور امام وضو نہ کرے کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے؟ فرمایا کیوں نہیں کیا میں امام مالک اور سعید ابن المسیب کے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا؟

مسائل میں رواداری کی یہ شاہراہ قاسم بن محمد کی قائم کردہ ہے۔

اقوال زریں

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی نے "صفۃ الصفوۃ" میں، ابن عبدربہ نے "العقد الفرید" میں ان کی کچھ حکیمانہ باتیں بھی لکھی ہیں ان کے چہرے کی تکمیل کی خاطر کچھ یہاں لکھی جاتی ہیں:

فرماتے:

اللہ سبحانہ کی حد تک حقوق شناسی کے بعد ایک شخص کے لئے بے خبری اور ناواقفیت کے ساتھ کچھ کہنے سے جاہل ہو کر زندگی گزارنا ہی اچھا ہے۔

فرماتے:

بخدا تمہارے سب سوالوں کا جواب ہمیں نہیں آتا ہے اگر ہمیں جواب آتا تو ہم ہرگز نہ چھپاتے اور چھپانا ہمارے لئے روا بھی نہ ہوتا۔

===========

3

عروۃ ابن الزبیر

سب سے پہلے سیرت نگار
جن سے آئی چمن میں بہار

(۲۳ھ تا ۹۴ھ)

نام وکنیت

عروہ نام ہے کنیت میں تھوڑا سا اختلاف ہے زرکلی نے اعلام میں، ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں، ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور تقریب میں، خزرجی نے خلاصہ میں، ذہبی نے تذکرہ میں، ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں، یوسف ابن تغری بردی نے النجوم الزاہرہ میں اور مصعب ابن عبداللہ زبیری نے نسب قریش میں ابوعبداللہ بتائی ہے لیکن ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب میں ابومحمد لکھی ہے فقیہہ لقب اور الامام خطاب ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۱۳، تذکرۃ ج صفحہ ۵۸)

ماں باپ

والد کا نام زبیر بن العوامؓ ہے لکھا ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں ہجرت کی۔ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ (صفتہ الصفوۃ ج ا صفحہ) مورخین نے ان کی چند خصوصیات لکھی ہیں مثلاً سعید ابن المسیب اور ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ اسلامی زندگی میں کفر کے مقابلے میں سب سے پہلے تلوار سونتنے والے زبیرؓ ہیں۔
(حلیۃ الاولیاء ج ا صفحہ)

جابرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کا ایک حواری بنایا ہے میرے حواری زبیرؓ بن العوام ہیں۔ (بخاری و مسلم ج ۲)

ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ بدر والے دن زبیرؓ زرد عمامہ باندھے ہوئے تھے اور فرشتے بھی اس روز زرد ہی عماموں میں آئے تھے۔ (الریاض النضرہ صفحہ ۲۱۵)

زبیرؓ ان صحابہ میں سے ہیں جن کے متعلق دنیا ہی میں حضور انور ﷺ نے جنتی ہونے کی نہ صرف بشارت بلکہ شہادت دی ہے العسقلانی رقمطراز ہیں:

"احد العشرة المشهود لهم بالجنة" (الاصابہ ج ۳ صفحہ ۵)

ان کی والدہ نے اگر چہ ان کی کنیت ابو الطاہر رکھی تھی لیکن خود انہوں نے اپنی کنیت ابو عبداللہ تجویز کی۔ (الریاض النضرہ ج ۲ صفحہ ۲۶۸) عروہ کی والدہ ماجدہ کا نام اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ ہے حضرت زبیرؓ کے حضرت اسماءؓ سے عبداللہ، منذر اور عروہ ہوئے۔

ابن حزم رقمطراز ہے:

"فولد الزبير ابا ابوبكر عبدالله امير المومنين له صحبة والفقيه عروة والمنذر ابو عثمان قتل مع اخيه عبدالله امهم اسماء بنت ابى بكرؓ" (جمهرة انساب العرب صفحہ ۱۲۳)

نسب اور خاندان

عروہ کا اپنے والد کی جانب سے نسب یہ ہے:

عروۃ ابن الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب۔ اس لحاظ سے عروہ اسدی اور قریشی ہیں۔ (کتاب نسب قریش صفحہ ۱۰۲، طبقات ج ۵ صفحہ ۱۸۷)

ماں کی جانب سے ان کا نسب یہ ہے:

اسماء بنت ابی بکر الصدیق ابن عثمان ابن قحافہ ابن عامر ابن کعب ابن تیم ابن مرۃ

عروہ نجیب الطرفین ہیں والد اگر ان کے زبیرؓ ہیں تو والدہ اسماء بنت ابی بکرؓ ہیں اور خالہ ان کی حضرت عائشہؓ ہیں ان کی دادی حضور انور ﷺ کی پھوپھی صفیہؓ ہیں۔

(وفیات الاعیان صفحہ ۲۴۴)

ولادت

ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ ان کی پیدائش خلافت عمر کے بعد ۲۳ھ میں ہوئی۔

"والصحيح انه ولد بعد عمر فى سنة ثلاث و عشرين". (البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۳)

ابن سعد کی اس روایت سے جس میں ہشام نے حضرت عروہ کی زبانی جنگ جمل میں عروہ کے شریک نہ ہونے کی وجہ بتائی ہے، کی تائید بھی ہوتی ہے عروہ کہتے ہیں کہ مجھے اور ابو بکر بن عبدالرحمٰن کو جمل والے دن چھوٹا ہونے کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۷۹)

اگر جنگ جمل ۳۶ھ مطابق ۶۵۶ء ۳۰ جون کو ہوئی ہے تو اس وقت تک عروہ نے عمر کی تیرہ بہاریں دیکھیں ہوں گی تیرہ سال کی عمر واقعی سپاہیانہ خدمات کے لائق نہیں ہوتی ہے۔ ابواسحاق الشیر ازی نے ان کی تاریخ ولادت ۲۶ھ بتائی ہے علامہ خزرجی نے خلاصہ میں مصعب کے حوالہ سے ۲۹ھ لکھی ہے لیکن زیادہ قرین صواب یہی ہے کہ عروہ کی تاریخ ولادت ۲۳ھ ہے جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ میں لکھا ہے حافظ ابن حجر نے مصعب کی بیان کردہ تاریخ کی تغلیط کی ہے۔

تعلیم و تربیت

عروۃ ابن الزبیر کو حضرت عائشہؓ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کرنے کا شرف حاصل ہے بچپنے ہی سے تعلیم و تربیت کی کفالت حضرت عائشہؓ نے کی تھی حضرت عائشہؓ کے ان تلامذہ میں سے ہیں جن سے حضرت عائشہؓ بے حد پیار کرتی تھیں شاگرد اپنے اساتذہ کے کمالات کا آئینہ ہوتا ہے حضرت عائشہؓ کی علمی وسعتوں کا حال امام زہری نے بتایا ہے کہ:

"لو جمع علم عائشة الى علم جميع امهات المؤمنين وعلم جميع النساء لكان علم عائشة افضل". (الاصابہ ج ۴ صفحہ ۳۴۹)

اپنے بچوں کو چھٹپنے میں علم حاصل کرنیکی تلقین کرتے تھے اور فرماتے کہ ہم نے بھی بچپنے میں علم حاصل کیا ابن سعد نے ایک زریں سند سے بحوالہ ہشام بتایا ہے کہ عروہ فرمایا کرتے تھے کہ:

"جو کچھ سیکھنا چاہتے ہو سیکھ لو اب تم چھوٹے ہو اس کے بعد بڑے ہو جاؤ گے ہم نے بھی علم چھٹپنے میں حاصل کیا تھا اور اب بڑے ہیں اور لوگوں کے لئے مرکز سوالات ہیں۔" (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۷)

بتانے والوں نے بتایا ہے کہ مجلسی زندگی میں ہمیشہ اپنے ہم چشموں میں اس لئے میدان علم میں برتر رہتے تھے کہ ان کو حضرت عائشہؓ سے استفادہ کا زیادہ موقعہ ملا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت میں حضرت عائشہؓ کا ہاتھ رہا ہے۔ البلاذری نے قبیصہ ابن ذؤیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''ہم خلافت معاویہؓ کے آخری دور میں مسجد میں علمی مجلس منعقد کرتے اور اس میں جمع ہوتے تھے مصعب، عروہ، ابو بکر بن عبدالرحمٰن، عبدالملک بن مروان، عبدالرحمٰن بن المسور، ابراہیم بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ اکٹھے ہوتے۔ میں نے زید بن ثابتؓ سے بھی استفادہ کیا تھا لیکن ان علماء کے اجتماع میں حضرت عروہ کو علمی غلبہ حاصل ہوتا تھا کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ سے استفادہ کرتے تھے اور اس بنا پر وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھے۔'' (انساب الاشراف ج ۱۱ صفحہ ۲۵۷)

عروۃ ابن الزبیر کے شیوخ و اساتذہ

حضرت عائشہؓ کے تلمذ، اپنے والد حضرت زبیرؓ، اپنے بھائی عبداللہ اور اپنی والدہ اسماءؓ کی خدمت میں رہنے کے بعد ان کو کسی دوسرے صاحب کمال کے سامنے زانوئے شاگردی طے کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

''لقد رایتنی قبل موت عائشة باربع حجج او خمس حجج وانا اقول لو ماتت الیوم ما ندمت علی حدیث عندها الا وقد وعیته''

(تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۱۸۲)

لیکن ہر استاد فن کی کچھ نہ کچھ خصوصیت ہوتی ہے اس لئے متقدمین میں عام دستور تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اساتذہ فن کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے استفادہ کرتے چنانچہ حضرت عروہ بھی بے شمار شیوخ اور اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے چشمۂ علم سے تشنگی بجھائی۔

عروۃ ابن الزبیر نے جن شیوخ و اساتذہ سے علمی استفادہ کیا ہے اگر چہ ان کی صحیح تعداد کا پتہ نہیں ہے لیکن ہم صرف ان چند مشاہیر کا نام درج کرتے ہیں جن کا ذکر ابن سعد نے طبقات میں اور ابن حجر نے تہذیب میں کیا ہے ابن سعد نے ان شیوخ کے نام لکھے ہیں:

"زید ابن ثابتؓ، اسامہ ابن زیدؓ، عبداللہ ابن الارقمؓ، ابوایوب انصاریؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابوہریرہؓ، معاویہؓ، عبداللہ ابن عمروؓ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، مروان بن الحکمؓ، عبداللہ ابن الزبیرؓ، عائشہؓ، زینب بنت ابی سلمہؓ، عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؓ، بشیر بن ابی مسعودؓ، زبید ابن الصلتؓ، یحییٰ ابن عبدالرحمٰنؓ۔" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۷۹)

ابن حجر نے ان کے اساتذہ کی فہرست میں یہ نام بتائے ہیں:

"زبیر بن العوامؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، عائشہ صدیقہؓ، علی بن ابی طالبؓ، حکیم بن خزامؓ، عبداللہ بن جعفرؓ، حجاج الاسلمیؓ، سفیان بن عبداللہؓ، عمرو بن العاصؓ، محمد بن مسلمہؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، ہشام بن حکیمؓ، عمر بن ابی سلمہؓ، ام سلمہؓ، ام ہانیؓ، ام حبیبہؓ، جابر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن عدیؓ، حمران مولیٰ عثمانؓ، عبداللہ بن زمعہؓ، نافع بن جبیرؓ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؓ۔" (تہذیب ج۷ صفحہ ۱۸۱)

ابن حجر نے اس کے بعد لکھا ہے **وخلق کثیر** یعنی ان کے اساتذہ صرف یہی نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی ان گنت اور بے شمار ہیں۔ ان کے اساتذہ کا اندازہ کرنا ہو تو حدیث و فقہ کی کتابیں پڑھیے ان اساتذہ میں سے عروہ کی حیات علمی میں جنہوں نے شوق حدیث کی نشوونما کی یا جن کے فیض صحبت سے ان میں فقہ کا ذوق پیدا ہوا وہ صرف دو شخصیتیں ہیں عائشہؓ اور علی بن ابی طالبؓ۔ عروہ نے عمر کی سترہ بہاریں حضرت علیؓ کے زمانے میں گذاری ہیں عروہ کی عمر حضرت علیؓ کے انتقال کے وقت سترہ سال کی تھی آپ تیرہ سال کے تھے جب حضرت علیؓ کوفہ گئے حافظ ابن حزم نے فضائل اندلس پر جو رسالہ لکھا ہے اس میں حضرت علیؓ کے قیام کوفہ کی مدت اگرچہ پانچ سال چند ماہ بتائی ہے لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے حاشیہ پر تصریح کی ہے کہ:

"صوابہ اربعۃ اعوام" (نفح الطیب ج۴ صفحہ ۱۷۱)

حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں دعویٰ کیا ہے کہ:

"حضرت علیؓ کا علم اور فقہ کوفہ میں اسی قدر ظاہر ہوا ہے جتنا کہ آپ نے مدت خلافت میں کوفہ میں قیام کیا۔" (منہاج السنہ ج۴ صفحہ ۱۳۷)

شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے عدالتی فیصلوں کا مقام کوفہ ہے:

"کان اغلب قضایاہ فی الکوفۃ".

ورنہ جہاں تک آپ کے علم وفقہ، فتاویٰ و مسائل اور احادیث کا تعلق ہے اس کا مرکز مدینے ہی کی گلیاں ہیں اور حضرت عروہ نے یہاں تیرہ سال کی عمر تک اس سے استفادہ کیا ہے بہرحال عروہ کے اساتذہ میں حضرت علیؓ کی شخصیت کا ان پر گہرا اثر ہے۔ خود حضرت عائشہؓ کا حضرت علیؓ کے بارے میں تاثر یہ تھا:

"انہ لاعلم الناس بالسنۃ". (تاریخ التشریع صفحہ ۱۲۳)

عروہ ابن الزبیر کا علم

حضرت عروہ اپنے ہم چشموں میں علمی وسعتوں کے لحاظ سے ممتاز تھے اور اس درجہ ان کو علم میں امتیازی مقام حاصل تھا کہ بعد میں آنے والے اہل علم کے لئے ان کی شخصیت صرف علمی نہیں بلکہ استدلالی ہوگئی تھی امام زہری جو ان کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں ان کا بیان ہے کہ:

"مجھ سے عروہ حدیث بیان کرتے تو میں عائشہؓ کے پاس جاتا تو وہ بھی مجھ سے حدیث بیان کرتیں دونوں کی حدیثیں ہم آہنگ ہوتی تھیں لیکن جب میں نے عروہ کی علمی سطح کا تقابلی مطالعہ کیا تو میرے مطالعہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ عروہ بحر لاینزف تو ایک ناپیدا کنار علم کا سمندر ہیں۔" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۱)

ان کے صاحبزادے ہشام بڑے جلیل القدر علماء میں سے ہیں جن کو ابو حاتم الرازی نے امام فی الحدیث لکھا ہے ان کا بیان ہے:۔

"عروہ کے علم کو اگر دو ہزار پر تقسیم کیا جائے تو بخدا ہم نے دو ہزار میں سے ایک حصہ بھی عروہ سے علم حاصل نہیں کیا۔" (تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۳۳۲)

عبدالرحمٰن بن حمید نے ایک واقعہ میں بتایا ہے کہ:۔

"یہ میرا آنکھوں دیکھا سماں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہؓ حضرت عروہ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔" (تہذیب التہذیب ج۷ صفحہ ۱۸۳)

ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان جن کو سفیان ثوری "امیر المؤمنین فی الحدیث" اور مصعب زبیری" فقیہہ اہل المدینہ" کہتے ہیں ان کی رائے حضرت عروہ کے بارے میں یہ

ہے کہ" من اہل فقہ و فضل" یعنی فقیہہ اور فاضل ہیں۔ خالد بن نزار اور ابن عیینہ کا متفقہ بیان ہے کہ:

" دنیا میں حدیث عائشہؓ کے سب سے بڑے عالم تین ہیں عروہ، عمرہ اور قاسم۔"

(تہذیب الاسماء ج ا صفحہ ۳۳۲)

ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث، فقیہہ، عالم، مامون اور ثقہ کہا ہے امام نووی کا ان کے بارے میں فیصلہ ہے:۔ مجمع علی جلالته وعلومرتبته ووفور علمه."

(تہذیب ج ا صفحہ ۳۳۲)

حضرت عروہ کی علمی جلالت اور نزاہت کا سب اعتراف کرر ہے ہیں یہ جلالت علمی اسباب کی دنیا میں تو سب ہی کو حاصل ہوئی ہے لیکن یہ جو خلاف معمول لکھنے والے لکھ رہے ہیں اور بتانے والے بتارہے ہیں کوئی کہتا ہے بحر لاینزف اور کسی کا اقرار ہے کہ بحر لاتکدرہ الدلاء اور کوئی ان کے علم کی پنہائیوں کو ناپ کر اندازہ لگارہا ہے کہ ایک اور دو ہزار کی نسبت ہے دراصل اس کا باعث صرف کسب اور اکتساب نہیں ہے بلکہ علم کی یہ وسعتیں عروہ کیلئے اللہ کی خاص موہبت ہیں۔

ابن خلکان اور ابن العماد حنبلی نے عروہ کی علمی شخصیت بننے کا جو واقعہ لکھا ہے وہ سننے کے قابل ہے:

" ایک روز مسجد حرام میں مصعب، عروہ، عبداللہ اور عبدالملک بن مروان سارے جمع تھے یہ حضرت معاویہؓ کا زمانہ تھا باہم گفتگو میں یہ بات چل پڑی کہ آج ہم میں سے ہر ایک کو اپنی زندگی کی آخری تمنا کا اظہار کرنا چاہیے۔ عبداللہ بولے زندگی میں میری آرزو یہ ہے کہ حرمین پر میرا قبضہ ہو اور خلافت کا بار میرے کاندھوں پر ہو------ مصعب نے بتایا کہ میری خواہش یہ ہے کہ عراقین پر میرا قبضہ ہوا اور سکینہ دختر حسنؓ، عائشہ دختر طلحہؓ میرے نکاح میں ہوں------ عبدالملک نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ حکومت کی باگ ڈور میرے ہاتھ میں ہو اور معاویہؓ کا جانشین ہوں۔ عروہ نے خیال ظاہر کیا کہ میرا ان میں سے کسی بھی بات کو جی نہیں چاہتا میں تو صرف چاہتا ہوں کہ دنیا میں زاہدانہ زندگی، آخرت میں جنت میں مقام ہونے کے ساتھ علم دین کی مرکزی شخصیت بنوں-----

" قدرت کی نیرنگیاں دیکھیئے کہ ہر ایک اپنی آرزو کا ہم دوش ہوکر دنیا سے

روانہ ہوا۔" (وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۳۴۴)

عبداللہ کا حرمین پر قبضہ ہوا۔ مصعب نے عراق لیا اور عائشہ اور سکینہ سے شادی کی، عبدالملک کو معاویہؓ کی جانشینی ملی اور عروہ کو اس دنیا میں علمی اور استدلالی شخصیت ہونے کا مقام رفیع ملا عروہ کی دو تمناؤں سے ہمدوش ہونے کا تماشہ دنیا والوں نے دیکھا یعنی زاہدانہ زندگی اور علمی شخصیت کی دونوں نعمتیں ان کو یہاں مل گئیں تیسری تمنا یعنی آخرت میں جنتی ہونے کا مسئلہ بھی ان دو ہی سے حل ہو گیا۔ ابن العماد حنبلی نے عبدالملک بن مروان کی طرف نسبت کر کے یہ انکشاف کیا ہے کہ:

"عبدالملک کہتا تھا کہ جسے دنیا میں جنتی دیکھنے کی تمنا ہو وہ عروہ کو دیکھ لے۔"

(شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۴)

حافظ ابو نعیم نے عروہ کا چہرہ لکھتے ہوئے کیا اچھی بات فرمائی ہے:

"المعطی ما تمنی حمل العلم عنه اذفیه تعنیٰ مکنّ من الطاعة فاکتسب وامتحن بالمحنة فاحتسب عروة الزبیر". (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۶)

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ علم کی یہ پہنائی عروہ کیلئے اللہ کا خاص انعام تھا ـــــ عروہ کی زندگی ہی میں آپ کے علم کی شہرت چار دانگ عالم میں ہو گئی تھی۔ الجاحظ نے جو واقعہ ابو ایوب السختیانی کی طرف نسبت کر کے لکھا ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابو ایوب السختیانی کہتے ہیں:

"کوئی شخص اپنے استاد کی غلطیوں کی اس وقت تک گرفت نہیں کر سکتا جب تک وہ فقہ و مسائل نہ پڑھے میں عقبہ محدث کے پاس جاتا تھا ایک روز میں نے ان سے ایک مسئلہ فقہی دریافت کیا بولے کیا تمہیں کچھ درپیش آیا ہے؟ اگر ضرورت ہے تو تمہیں اس بارے میں سعید ابن المسیب کے پاس جانا چاہیے میں ان کے پاس گیا میرا خیال تھا کہ ان کے سوا عالم کوئی نہیں پھر میں عروہ ابن الزبیر سے ملا ان سے ملاقات کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ تو سمندر میں اٹھی ہوئی موجوں کا الاوہ ہیں۔" (البیان والتبیین ج ۲ صفحہ ۸۳)

ابن شہاب الزہری عروہ کے تلامذہ میں سے ہیں ان کا اور ان کے ساتھ عبدالملک کا تاثر عروہ کے علم کے بارے میں یہ ہے کہ امام زہری کہتے ہیں:

"میں دربار خلافت میں دمشق سے مدینہ چل کر گیا کچھ اور بھی دوست ساتھ

تھے۔ میں ان سب میں نوخیز تھا عبدالملک نے میری طرف روئے سخن کیا پوچھا کہ کون ہو؟ میں نے نام ونسب بتایا عبدالملک بولا کہ تمہارا باپ اور چچا ہماری حکومت کے خلاف ابن الاشعث کی تحریک میں شریک تھے میں نے عرض کیا امیرالمومنین! آپ جیسے کا یہ مقام نہیں ہے کہ معافی کے بعد پھر تذکرہ کرے اور درگزر کے بعد جتائے عبدالملک کو میری بات پسند آ گئی بولے کہاں نشوونما پائی ہے؟ میں نے کہا مدینہ میں بولے۔ زانوئے شاگردی کس کے سامنے طے کیا ہے؟ میں نے کہا اپنے اساتذہ سعید، سلیمان اور قبیصہ کے سامنے فرمایا کہ عروہ سے علم حاصل کیوں نہیں کیا؟ وہ تو علم کا ایک ایسا سمندر ہے جسے ڈول گدلا نہیں کر سکتے جب میں مدینہ واپس آیا تو میں نے عروہ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان کی وفات تک ان سے جدا نہیں ہوا۔" (العقد الفرید ج۲ صفحہ ۱۹)

مواہب شخصی

اللہ تعالیٰ کی جانب سے عروہ کو مواہب کا وہ حصہ وافر ملا تھا جس نے ان کو منصب قیادت اور فقہ کا سالار کارواں بنا دیا۔

زہد وعبادت

عروہ کی شخصیت قوی المدارک تھی ان کے قوائے ذہنی اور عقلی ہر اعتبار سے قوی اور مضبوط تھے اس کے ساتھ ان میں پہلی اور اہم ترین حقیقت ان کی زاہدانہ زندگی تھی اللہ کے سوا کسی کے عظمت کے وہ قائل نہ تھے ان کی زندگی میں شان جلال سے زیادہ شان جمال تھی وہ اچھا لباس پہنتے۔ عبداللہ ابن ضمیر کہتے ہیں:

"عروہ موسم گرما میں شاندار ریشمین لباس زیب تن فرماتے" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸) داڑھی کو ایسا خضاب کرتے کہ دیکھنے والے کو داڑھی کے سیاہ ہونے کا شبہ ہوتا۔ محمد بن عمر کہتے ہیں:

"کان عروۃ یخضب قریباً من السواد"

لیکن اس کے ساتھ عبادت وریاضت کا حال یہ تھا کہ روزہ عیدین کے علاوہ کبھی افطار نہ کرتے ان کے صاحبزادے ہشام کا بیان ہے کہ:

"ان اباہ کان یصوم الدھر کلہ الا یوم الفطر ویوم النحر"

حضر تو حضر سفر میں بھی روزہ کبھی نہ چھوڑتے:

"کنا نسافر مع عروۃ فنصوم و نفطر فلا یامر بالصیام ولا یفطر ھو"

بلکہ بتانے والوں نے یہاں تک بتایا ہے کہ مات وھو صائم روزہ کی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

عزت نفس

دوسرا وصف جو ان میں سب سے نمایاں تھا وہ خودداری اور عزت نفس تھی آپ بڑے خوددار تھے کسی درجے میں وہ اپنی عزت نفس کا پامال ہونا گوارا نہ کرتے تھے اس کا اندازہ کرنا ہو تو وہ واقعہ پڑھیے جو ابن خلکان نے لکھا ہے:

"جب ان کے بڑے بھائی عبداللہ ابن الزبیر قتل کر دیئے گئے تو ایک روز عروہ دربار خلافت میں عبدالملک کے یہاں آئے عبدالملک نے ان سے کہا کہ میں آپ کے بھائی عبداللہ کی تلوار لینا چاہتا ہوں فرمایا کہ وہ تلواروں میں ملی ہوئی ہے لے آیئے میں شناخت کر لوں گا تلواریں پیش کر دی گئیں عروہ نے تلواروں میں سے ایک ایسی تلوار اٹھائی جس کی دھار قطعاً پامال ہو چکی تھی اور فرمایا کہ یہ میرے بھائی کی تلوار ہے عبدالملک نے دریافت کیا' کیا آپ پہلے سے اسے پہچانتے تھے؟ فرمایا کہ نہیں عبدالملک نے کہا پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ تلوار ہے' جواب میں کچھ نہیں فرمایا صرف نابغہ ذبیانی کا یہ شعر پڑھ دیا:

"ولا عیب فیھم غیران سیوفھم بھن فلول من قراع الکتائب"

(وفیات الاعیان ج۱ صفحہ۳۴۴)

استقامت

عروہ استقامت اور جرات کا مثالی نمونہ تھے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے لیکن نہ ان کی زبان پر حرف شکایت آیا نہ انہوں نے صدمہ وقلق کا اظہار کیا انہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ ہر تکلیف کو برداشت کیا ہر دکھ سہا نہ طیش وغضب نہ التجائے رحم وکرم اس موقعہ پر ہم حضرت عروہ کے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتے ہیں اس سے اندازہ ہو گا کہ وہ کیسے ثبات واستقامت کا پیکر تھے۔ واقعہ یہ ہے:

"عروہ ایک بار ولید بن عبدالملک کے پاس گئے آپ کے ہمراہ آپ کے

صاحبزادے محمد بھی تھے محمد اصطبل میں گئے اتفاق سے گھوڑے نے ایک دولتی لگائی چاروں خانے چت گر گئے اور انتقال ہو گیا اور اسی سفر میں یہ حادثہ بھی پیش آیا کہ عروہ کے پاؤں میں کچھ نکالا نکل آیا لیکن اس کے باوجود آپ نے اس رات بھی اپنے روزمرہ کا معمول نہیں چھوڑا ولید نے کہا پاؤں کٹوا دیجئے عروہ نے کہا ہرگز نہیں ولید نے آپ کو سمجھایا کہ کٹوا دیجئے ورنہ سارا جسم اس کا شکار ہو جائیگا زمانہ پیری تھا باتیں کر رہے تھے اور جراح اپنے آلات جراحی کے ذریعے پاؤں کاٹ رہا تھا نہ کوئی تھامنے والا تھا اور نہ سہارا دینے والا آپ روزے کی حالت میں تھے۔"

بلکہ بتانے والوں نے بتایا ہے کہ **فما تضور وجهه** آپ کے چہرے کا رنگ بھی نہیں بدلا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۶)

یہ بھی ابونعیم اصفہانی نے انکشاف کیا ہے کہ جس دن ان کا پاؤں کاٹا گیا ساری عمر میں وہی ایک رات تھی جس میں آپ نے اپنا معمول یعنی ساڑھے سات پارے کی تلاوت نہیں کی تھی اور صبح کو اس معمول کے نہ ہونے کا افسوس کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے:

لعمرث ما اهويت كفي لريبة ولا حملتني نحو فاحشة رجلي

ولا قادني سمعي ولا بصري لها ولا دلني رائي عليها ولا عقلي

واعلم اني لم تصبني مصيبة من الدهر الا قد اصابت فتىً قبلي

جود وسخا

عروہ دوسری خوبیوں عفت کردار، حزم و احتیاط، استقامت وعزت نفس کے ساتھ ذاتی سخاوت کی صفت سے بھی موصوف تھے۔

ان کی جود وسخا کا اندازہ کرنا ہو تو وہ واقعہ پڑھئے جو ابونعیم اصفہانی نے ابن شوذب کی زبانی لکھا ہے حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں، ابن سعد نے طبقات میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ابن شوذب کہتے ہیں:

"جب کھجوروں کا موسم آتا اور پک جاتیں تو عروہ ابن الزبیر کا دستور یہ تھا کہ اپنے باغ کی باڑ گرا دیتے اور سارے حفاظت و نگرانی کے وسائل ہٹا دیتے لوگوں میں اعلان

عام کر دیتے لوگ باغ میں جاتے خوب کھاتے اور گھر لے کر آتے۔"

دیہاتی لوگ جو باغ کے پاس رہتے تھے وہ بھی اس تقریب سے فائدہ اٹھاتے آپ جب اپنے باغ میں قدم رنجہ فرماتے تو قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرماتے:۔

" ولو لاإذ دخلت جنتک قلت ماشاء الله لاقوة الا بالله"

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۶)

جودوسخا اور کشادہ دستی میں آپ اپنی مثال آپ تھے اور آپ اپنی اس صفت کی وجہ سے بہتوں کے لئے سامان رشک تھے۔

عروۃ ابن الزبیر کے افکار و آراء

عروہ ابن الزبیر اپنی جلالت شان کی وجہ سے سیاسی جھمیلوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے کیونکہ علم کی طمانیتوں کے ساتھ سیاسی شورشیں کبھی بھی ہم آہنگ نہیں ہوتی ہیں ان دونوں میں مفاہمت عام عادت کے خلاف ہے علم چاہتا ہے سکون---- اور سیاست کا تقاضا ہے ہنگامہ اور شور---- شور اور سکون کو یک جا کرنا گرمی وسردی میں صلح و آشتی کے مترادف ہے ان کی ذات سرتا سر علمی تھی علم میں ان کی جلالت قدر کا برسر اقتدار طبقہ بھی لوہا مانتا تھا عبدالملک بن مروان کے تاثرات ان کی شان علمی کے بارے میں پہلے گذر چکے ہیں مشہور اموی خلیفہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز ان کی علمیت کا خاص لوہا مانتے تھے ان کو اس درجہ عقیدت تھی کی فرماتے تھے:

" مااحد اعلم من عروۃ " (البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۲)

ان کے زمانے میں نت نئے سیاسی شاخسانے پیدا ہوئے خود ان کا سارا گھر اس اکھاڑے میں کودا ہوا تھا عبداللہ بن الزبیر امویوں کے خلاف تحریک کے قائد تھے اور ان کی تحریک کو ابتداء میں اس درجہ کامیابی بھی ہوگئی تھی کہ حرمین پر ان کا قبضہ ہوگیا تھا ادھر ان کے دوسرے بھائی مصعب بھی میدان سیاست کے بہت بڑے کھلاڑی تھے اور تاریخ بتاتی ہے کہ ان کا عراقین پر قبضہ ہوگیا تھا لیکن اس کے باوجود مورخین کا فیصلہ ہے کہ:

لم یدخل نفسه فی شئی من الفتن". (خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۲۲۴)

اس کا دوسرے لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ عروہ اپنی علمی مصروفیتوں کے باعث

حکومت کے خلاف کسی حال میں کوئی اقدام پسند نہ کرتے تھے سیاسیات سے ان کی اسی بے رخی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جو ابن سعد نے طبقات میں عبداللہ بن حسن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"علی بن الحسین، زین العابدین اور عروہ ابن الزبیر روزانہ نماز عشاء کے بعد مسجد نبوی میں بیٹھتے میں بھی ان کے پاس بیٹھتا تھا ایک رات حکومت کے جورو استبداد کا ذکر شروع ہوا ان کے مظالم اور ان مظالم کی موجودگی میں ان کے ساتھ رہنے کا تذکرہ ہوا اپنی بے کسی اور بے بسی کا ان کو احساس ہوا اور اس کے ساتھ اس بات کا بھی اندیشہ ہوا کہ اس بے بسی کی حالت میں کسی درجے میں ان سے میل ملاپ اللہ کی ناراضگی اور عقوبت کا باعث ہوگا عروہ نے زین العابدین سے کہا اے علی! جو شخص ان ظالموں سے الگ تھلگ رہے اور اللہ کو علم ہو کہ میرا یہ بندہ ان کے اعمال سے ناراض ہے تو مجھے امید ہے کہ اگر ان پر اللہ کی جانب سے کوئی عذاب آئے تو اپنی جان بچ جائے گی۔ اس کے بعد عروہ نے مدینہ چھوڑ دیا اور عقیق میں ڈیرا لگا لیا۔" (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۸۱)

دراصل یہ شہری زندگی کے وہ معاشرتی جرائیم تھے جو معاشرہ میں حکومت کے زیر سایہ ابھرتے ہیں اور جن کی حکومت سرپرستی کرتی ہے مثلاً گانا بجانا، فحاشی عیش و طرب کے دوسرے سارے سامان جو دولت کی فراوانی کے نتیجے میں رونما ہوجاتے ہیں حکومت خود بھی اس میں مبتلا ہوتی ہے اور لوگ النّاس علیٰ دین ملوکھم کے قاعدے کے مطابق اسے فیشن بنا لیتے ہیں۔

اس کی تائید ان کے صاحبزادے ہشام بن عروہ کے اس بیان سے ہوتی ہے جو ابو نعیم نے درج کیا ہے ہشام کہتے ہیں:

"جب حضرت عروہ نے عقیق میں اپنا محل بنایا تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ مسجد نبویؐ سے دور ہوگئے فرمایا کہ میں نے دیکھ لیا کہ ان کی مساجد لہو، ان کے بازار لغو کا اڈہ ہیں اور ان کے مکانات فواحش کی آماجگاہ ہیں جہاں میں رہتا ہوں وہاں ان سے عافیت ہے۔" (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۶)

مطلب ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ:

جب عروہ عقیق میں مکان بنا رہے تھے تو ایک روز ابن ابی ربیعہ کا وہاں سے گذر

ہوا فرمایا اے ابوعبداللہ! کیا بھاگ آئے ہو؟ بولے کہ نہیں لیکن مجھے یاد آیا ہے کہ شہر پر کوئی افتاد آنے والی ہے اس سے میں نے خیال کیا کہ اس موقعہ پر اس سے بچ جاؤں۔"

(جامع بیان العلم ج۲ صفحہ ۲۰۱)

عبداللہ ابن الزبیر کی تحریک کا خاتمہ خود حضرت عبداللہ کے قتل پر ہوا عروہ نے یہ تماشا دیکھا تو فوراً دمشق کے لئے رخت سفر باندھا۔ عبداللہ ابن زبیر کا سرمایہ عروہ کی تحویل میں تھا سرمایہ کی خاطر حجاج کو ان کی تلاش ہوئی مگر عروہ دمشق مرکزی گورنمنٹ میں پہنچ چکے تھے حجاج نے پیچھے پیچھے خط روانہ کیا کہ عروہ کو روانہ کیا جائے۔ لکھتے ہیں کہ:

" جب حجاج کا خط عبدالملک کو ملا تو عبدالملک نے چوبدار سے کہا کہ عروہ کو گرفتار کرلو عروہ بولے میں اس لئے نہیں آیا ہوں عبدالملک نے کہا کہ حجاج کا خط آیا ہے اور اس کے پاس آپ کا جانا ضروری ہے عروہ مجلس سے اٹھے اور بولے ذلیل وہ نہیں ہے جسے تم نے قتل کردیا بلکہ ذلیل وہ ہے جو تمہارا ہوجائے عبدالملک بے چارا کھسیانہ ہوگیا اور چوبدار سے کہا کہ جاؤ چھوڑ دو حجاج کو فوراً خط لکھ دیا کہ عروہ کے بارے میں آئندہ کچھ نہ لکھنا۔" (انساب الاشراف ج۱۱ صفحہ ۶۴)

عروہ ابن الزبیر کی علوم میں جامعیت

عروہ اپنے زمانے میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے چھوٹے اور بڑے ان کی جامعیت کے معترف تھے اس دور میں قرآن وسنت، فتاویٰ صحابہؓ، قضایائے خلفاء اور فقہ وقیاس، عربیت، انساب، شعروشاعری اور تاریخ وسیر رائج الوقت علوم وفنون تھے ان تمام میں عروہ کو دستگاہ کامل حاصل تھی ہشام بن عروہ کا یہ کہنا درست ہے کہ:

" علم تین آدمیوں سے ایک کے لئے سجتا ہے صاحب حسب آدمی جو اپنے حسب وکردار کی سجاوٹ کا علم سے کام لے۔ دیندار آدمی جو اپنی دینداری کی علم سے خدمت لے خالص سرکاری آدمی جو اپنے بچاؤ کا علم سے کام لے۔ اس پیمانہ پر مجھے عمر بن عبدالعزیز اور عروہ کے علاوہ اترا ہوا کوئی نظر نہیں آتا۔" (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۲)

فی الواقع عروہ ابن الزبیر نے اپنے علم سے اپنے حسب کی زینت، دین کی سیاست اور اپنی زندگی کی حفاظت اور نگہداشت کا کام لیا ہے۔

ان کے کمال علمی اور اجتہادی شان جلالت کا اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک ہم ان میں سے ہر ایک پر بحث نہ کریں۔

قرآن اور عروہ ابن الزبیر

قرآن کے دو حصے ہیں قرآن دانی اور قرآن خوانی۔قرآن خوانی کی حد تک عروہ کے بارے میں تاریخ کی یہ شہادت موجود ہے کہ:

" کان عروۃ یقراء ربع القرآن کل یوم ویقوم بہ فی اللیل "

(حلیۃ الاولیا ج ۳ صفحہ ۱۷۶)

قرآن دانی میں ویسے سارے اکابر بے مثال تھے لیکن آج ہماری عرفی زبان میں جسے تفسیر قرآن کہتے ہیں یہ دور تابعین کے بعد کی پیداوار ہے اسی معنے کے لحاظ سے ہشام کہتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے والد عروہ سے کبھی قرآن کی تفسیر نہیں سنی"۔ (فجر الاسلام صفحہ ۲۰۰)

صرف عروہ نہیں بلکہ ہم نے ان کے ہم عصروں کے بارے میں بھی پڑھا ہے کہ سعید ابن المسیب سے جب تفسیر قرآن کے بارے میں پوچھا جاتا تو فرماتے " انا لااقول فی القرآن شیئاً"۔ حماد بن یزید نے عبداللہ کے حوالے سے اسی قسم کی تصریح قاسم بن محمد کے بارے میں کی ہے کہ:

" کان القاسم لایفسر یعنی القرآن" (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۸۶)

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجتہد ہونے کی حیثیت میں عقائد وفقہ اور احکام پر زیادہ سے زیادہ قرآن سے استدلال کرتے تھے ویسے قرآن حکیم کے طرز قراءت، موقع استدلال اور طریق استنباط پر پوری قدرت رکھتے تھے وہ ہر مسئلہ کے جواب کے لئے قرآن کی طرف رجوع کرتے تھے اور زندگی کے معمولات کو قران کی کسوٹی پر رکھ کر پرکھتے ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ:

" میرے سے میرے والد نے کہا کہ جب تم میں کوئی دنیا کی زینت اور اس کی ٹیپ ٹاپ دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے گھر آئے اور اور گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور نماز پر ڈٹ جائے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے بھی کہا ہے کہ:

ولا تمدنّ عینیک الیٰ مامتعنا به ازواجاً منهم زهرة الحیوٰة الدنیا لنفتنهم فیه ورزق ربک خیر وابقیٰ وامر اهلک بالصلوٰة واصطبر علیها"۔
(حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۶)

علم حدیث اور عروۃ ابن الزبیر

علم حدیث میں ان کی جلالت قدر کو بالاتفاق سارے محدثین نے مانا ہے اور سب نے ان کی حدیث دانی کو سراہا ہے۔ امام زہری جوفن حدیث کے مشہور امام ہیں اور جن کو تاریخ میں اس علم کا پہلا مدوّن کہا گیا ہے ابن البر نے امام زہری کا بیان نقل کیا ہے:
"ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے سنن جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور پھر انہوں نے ہر اس زمین پر کہ جہاں ان کی حکومت تھی ایک ایک دفتر بھیج دیا۔"
(جامع بیان العلم) ان کا ہی بیان ہے کہ عروہ ابن الزبیر علم حدیث میں ایک ناپیدا کنار سمندر ہیں۔ (البدایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۲) سفیان بن عیینہ کہتے ہیں:
کہ حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کے سب سے بڑے عالم تین ہیں ایک عروہ ابن الزبیر دوم قاسم بن محمد اور سوم عمرہ بنت عبدالرحمٰن (تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۳۳۲) ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔
"کان فقیها کثیر الحدیث"۔ (طبقات ابن سعد)
امام ذہبی نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۵۸)
"میں نے چار علمی سمندر پائے ہیں سعید ابن المسیب، عروہ ابن الزبیر، ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ ابن عبداللہ ابن مسعود۔" (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۳)
امام نووی نے ان کے وفور علم پر پوری امت کا اتفاق نقل کیا ہے۔
(تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۲۳۲)

حدیث کے لئے عروۃ ابن الزبیر کا شوق

عروہ ابن الزبیر کو حدیث رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بے حد عشق تھا کیونکہ یہی وہ جھروکہ ہے جس سے اسلام کے عملی خط وخال کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ نووی نے ان کے شاگردوں کی جو طویل فہرست

دی ہے اس پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بیشتر وہ اجلّہ ائمہ ہیں جن پر بعد میں آنے والے محدثین کا دارومدار ہے اور یہی حضرات متاخرین کا روائت حدیث میں سب سے بڑا سرمایہ ہیں "کان عروة صالحاً کریماً" یہ وہ سچی بات ہے جو ہر دور کے مورخین نے لکھی ہے حتی کہ زرکلی نے بھی الاعلام میں ان کے تعارف میں لکھا ہے:

"کان عالماً بالدین صالحاً کریماً" (الاعلام ج ۵ صفحہ ۱۷)

وہ بڑے محدث تھے اور یہ ان کے صلاح وتقویٰ کا تقاضا تھا کہ وہ ایسے فقیہہ تھے کہ انکی نیکی ان کے تفقہ پر بھاری تھی ان کی فقہ پر ان کی حدیث دانی غالب تھی وہ آثار رسولؐ وصحابہؓ پر چلتے، حدیث سے انکو اس درجہ شغف تھا کہ ان کا اعلان عام تھا کہ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس جاتے تو وہ فرماتے "ایتونی فتلقوا منی" میرے پاس آؤ اور مجھ سے علم حاصل کرو۔

اپنے ہم چشموں میں ان کی برتری کی وجہ انکی حدیث دانی ہے کہ:

"کان عروة اعلم بدخوله علیٰ عائشة وکانت اعلم الناس"

(انساب الاشراف ج ۲ صفحہ ۲۵۷)

یہ ان کے ایک ہم عصر فقیہہ کا بیان ہے جن کو ابو الزناد نے فقہاء مدینہ میں شمار کیا ہے اور جن کو زید ابن ثابتؓ، ابو الدرداءؓ، ابو ہریرہؓ سے شرف تلمذ حاصل ہے غور کا مقام ہے کہ علم حدیث میں عروہ کا مقام کتنا بلند ہوگا کہ وہ ابو ہریرہؓ جیسے علی الاطلاق حافظ حدیث کے شاگردوں میں بھی اپنی حدیث دانی کا لوہا منواتے تھے قبیصہ کے علم کی وسعتوں کی خود امام شعبی نے گواہی دی ہے جیسا کہ نووی نے تہذیب الاسماء جلد ۲ صفحہ ۵۶ میں لکھا ہے ان کی حدیث دانی اور حدیث سے شغف وشوق کا عالم یہ تھا کہ امام زہری جیسا رئیس المحدثین یہ اقرار کر رہا ہے کہ "انه کان یتالف الناس علی حدیثه" لوگ جوق در جوق ان سے حدیث سیکھنے کے لئے آتے تھے امام زہری کا یہ بیان تقریباً سارے محدثین اور مورخین کی زبان قلم پر آیا ہے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اس طرح لوگوں میں حدیث کا ذوق وشوق پیدا کرتے تھے اور لوگوں کو حدیث دانی کی نہیں بلکہ حدیث خوانی کی ترغیب دیتے تھے یہ ان کے شوق علم کا ہی کرشمہ تھا کہ مدینہ میں صحابہؓ کی اس کثرت کے باوجود انہوں نے کوفہ، بصرہ

اور مصر کا سفر کیا اور پھر مدینہ واپس تشریف لائے مصر میں شادی کی اور تقریباً سات سال وہاں قیام کیا زرکلی رقمطراز ہے:

"وانتقل الی البصرة ثم الیٰ مصر فتزوج واقام بها سبع سنین وعاد الی المدینة" (الاعلام ج ۵ صفحہ ۱۷)

ان مقامات میں چونکہ صحابہ کرامؓ فروکش تھے ان کے علمی فیوض سے متمتع ہونے کے لئے عروہ نے پیرانہ سالی میں یہ مشقت برداشت کی ـــــ بہر حال عروہ اپنے دور کے بہترین محدث تھے۔

درس حدیث کی مجلس

حدیث کو چونکہ فقہ سے وہی نسبت ہے جو جڑ کو شاخ سے یا اساس کو عمارت سے ہوتی ہے اس لئے فقہی مسائل کی تحقیق میں قرآن پاک کے ساتھ حدیث کو بہت بڑی اہمیت ہے اور ظاہر ہے کہ جس عمارت کی بنیاد ہی صحیح نہ ہو اس میں پائیداری نہیں ہو سکتی ـــــ الخطابی نے صحیح لکھا ہے:

"الحدیث بمنزلة الاساس الذی هو الاصل والفقه بمنزلة البناء هو له کالفرع وکل بناء لم یوضع علی قاعدة واساس فهو منهار وکل اساس خلا عن بناء وعمارة فهو قفز وخراب" (معالم السنن ج ۱ صفحہ ۵)

اگر یہ واقعہ ہے اور واقعہ نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہے جبکہ خطابی جیسا محدث لکھ رہا ہے تو یہ کہے بغیر چارہ نہیں ہے کہ فقہی مسائل میں ژرف نگاہی صرف اس کو حاصل ہو سکتی ہے جسے حدیث پر پورا عبور ہو۔ عروہ فقہ کی اس قسم کی مجالس میں ہمیشہ اپنے ہم عصروں میں حدیث دانی کی بنا پر برتری حاصل کرتے تھے فقہ کی یہ مجلس رات کے وقت مسجد میں منعقد ہوتی تھی اس میں وقت کے سارے فضلاء شریک ہوتے تھے۔

البلاذری نے لکھا ہے کہ اس مجلس میں قبیصہ ابن ذؤیب، مصعب ابن الزبیر، ابو بکر بن عبدالرحمٰن، عبدالملک بن مروان، عبدالرحمٰن بن المسور، ابراہیم بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ اور عروۃ ابن الزبیر جیسے زعماء امت شریک ہوتے تھے۔

جب کسی موضوع پر گفتگو ہوتی تو حدیث دانی کی حد تک ریاست عروۃ ابن الزبیر

کے ہاتھ میں ہوتی اور عروہ اپنی حدیث دانی کی وجہ سے سب کو مات دیتے تھے۔
(انساب الاشراف)

عروۃ ابن الزبیر کی احادیث

اگر چہ احادیث سے عروہ کا دامن مالا مال ہے اور حدیث کی سب ہی کتابوں میں ان کے ذریعے سے آئی ہوئی احادیث کا وافر ذخیرہ موجود ہے مگر ہم صرف ان احادیث کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جو حافظ ابو نعیم اصفہانی نے "فن مسانید حدیثہ" کا عنوان قائم کر کے حلیۃ الاولیاء میں پیش کی ہیں:

۱ :. عن ابیہ وغیرہ ماحدثنا ابوبکر بن خلاد قال ثنا محمد بن الفرج الارزق قال ثنا محمد بن عبداللہ بن کناسہ قال ثنا ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن زبیر بن العوام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: . غیّر والشیب ولاتشبھوا بالیھود".

۲ :. حدثنا ابوعمرو بن حمدان قال ثنا الحسن بن سفیان قال ثنا صفوان بن صالح قال ثنا الولید بن مسلم قال ثنا ابن الھیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: . من بنیٰ للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ".

۳:. حدثنا ابوبکر بن الطلحی قال ثنا عبید بن غنام قال ثنا ابوبکر بن اسد بن شیبہ قال ثنیٰ یحیٰ بن زکریا عن ھشام بن عروہ عن ابیہ عن سعید بن زید ابن عمرو بن نفیل. قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: . من اخذ شبرا من الارض ظلماً طوقہ اللہ یوم القیامۃ الیٰ سبع ارضین".

۴ :. حدثنا ابراھیم بن محمد یحییٰ قال ثنا احمد بن حمدون قال ثنا مقدم بن محمد الواسطی قال ثنا عمی القاسم بن محمد عن عبیداللہ بن عمر بن ھشام بن عروۃ بن عبدالرحمن بن عوف قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: . یااباا محمد ماصنعت فی استلام الحجر؟ قلت استلمت وترکت قال اصبت".

۵ :. حدثنا محمد بن احمد بن محمد قال ثنا احمد بن عبدالرحمن قال ثنا یزید اخبرنا ھشام عن یحییٰ بن کثیر عن عروۃ ابن الزبیر عن عبداللہ بن عمرو قال اشھد

لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:. ان الله عزوجل لايقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من الناس ولكنه يقبض العلماء بعلمهم فاذالم يبق عالم اتخذ الناس رؤساء جهالاً فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا".

۶ :. حدثنا ابوبكر بن خلاد قال لنا اسماعيل بن اسحاق القاضي قال لنا اسماعيل بن ابي اويس قال لنا ابي عن هشام بن عروة عن ابيه عن ابي هريرة انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:. خيرالصدقه ماتصدق به عن ظهر غنى ويبدا احدكم بمن تعول".

۷:. حدثنا محمد بن احمد بن مخلد قال لنا الحارث بن ابي بسامه قال لنا يحيىٰ بن هاشم قال لنا عبدالله بن جعفر قال لنا اسماعيل بن عبدالله قال لنا عثمان بن الهثيم قال لنا هشام بن زياد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اوي الىٰ فراشه قال:. اللهم متعنى بسمعي وبصرى وعقلي واجعلها الوارث مني وانصرني على عدوّى وارني فيه ثارى"

۸ :. حدثنا احمد بن القاسم بن الزيات ..... عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل الخلاء غطى راسه.

۹ :. حدثنا احمد بن ابراهيم .... عن هشام عن ابيه عن عائشة قالت عاد رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا من بني غفار فوجده محموماً وله ضجيج من شدة مايجد من الحمّىٰ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:. الحمى من فيح جهنم وهي نصيب المؤمن من النار" فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم اعطه ماتمني فقال هاه فشهق فمات فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان من امتي من لواقسم على الله لابرّاه".

عروۃ ابن الزبیر اور فقہ واجتہاد

تفقہ علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے اس کی خاطر قرآن دانی کی ضرورت ہے اور اسی کے لئے سنت اور حدیث کا فقہ حاجت مند ہے بالفاظ دیگر اگر قرآن وسنت فقہ کی ضرورت ہیں تو فقہ زندگی کی ضرورت ہے انسانی زندگی کی اجتماعی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی

اور عابدانہ اطوار کی کفالت صرف فقہ کے ذریعے ہو سکتی ہے تشریع اسلامی کے مصنفین کا کہنا بجا ہے کہ:

"ان التشریع ضرورۃ من ضرورات الاجتماع لا بد منھا لحفظ کیان الجماعۃ وحمایۃ الافراد و تحقیق العدل والمساواۃ فیما بینھم"

(تاریخ التشریع الاسلامی صفحہ ۱۰)

دور صحابہؓ میں فقہ ہی کو علم کے نام سے پکارا جاتا تھا اور اسی کی تدریس کا کام ہوتا تھا حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صحابہؓ اور تابعین کے دور میں ہر ایک کا چہرہ لکھتے ہوئے اس کے علمی مقام کا تعارف فقاہت ہی سے کرایا ہے خود قرآن عزیز نے اس کی تلقین کی تھی "لیتفقھوا فی الدین" حضرت عروہ کو اس فن میں دستگاہ کامل حاصل تھی اور اس فن میں عروہ نے حضرت عائشہؓ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا تھا حافظ ذہبی نے لکھا ہے " تفقھم بخالتہ عائشہ" (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۵۷) اس فن میں کمال علمی کی وجہ سے عروہ صرف ان فقہائے سبعہ میں نہ تھے جن کو فتوی پر اس وقت کی اسلامی دنیا اعتماد کرتی تھی " فی فقھاء المدینۃ السبعۃ الذین ینتھی الیٰ قولھم " بلکہ عروہ اس مشاورتی کونسل کے بھی رکن تھے جو عمر بن عبدالعزیز نے ولید کے ایماء سے ترتیب دی تھی ابن کثیر رقمطراز ہیں:

"کان من جملۃ الفقھاء العشرۃ الذین کان عمر بن عبدالعزیز یرجع الیھم فی زمن ولایتہ علی المدینۃ" (البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۲)

عروہ ان فقہاء میں سے ہیں جو کتابت علم کے قائل تھے چنانچہ ابن عبدالبر نے ان کا اکابر میں تذکرہ کیا ہے مدینہ میں عروہ علم فقہ میں سب سے پہلے مصنف ہیں انہوں نے فقہ پر کچھ کتابیں لکھی ہیں یہ کتابیں حرہ کے حادثہ میں نذر آتش ہو گئی تھیں۔ بروکلمان نے تاریخ الادب العربی جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ پر اس کی تصریح کی ہے ابن سعد نے ہشام بن عروہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"احرق ابی یوم الحرۃ کتب فقہ کانت لہ قال فکان ابی یقول بعد ذالک لان تکون عندی احب الیّ من ان یکون لی مثل اھلی ومالی"۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۷۹)

طبقات کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عروہ نے یہ کتابیں خود جلائی ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے ابن عبدالبر نے اس روایت کو جس طرح درج کیا ہے وہ صحیح ہے روایت یہ ہے:

" احترقت کتبه یوم الحرة"

یعنی خود عروہ نے کتابیں نذر آتش نہیں کی ہیں بلکہ حرہ کے حادثہ میں جل گئی ہیں اس کی صحت کی تائید خود عروہ کی اس تمنا سے بھی معلوم ہوتی ہے :۔

" لان تکون عندی احب الی من ان یکون لی مثل اهلی ومالی"

(جامع بیان العلم ج ۱ صفحہ ۷۵)

خود جلانے والا یہ تمنا نہیں کرتا یہ تمنا صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کے ارادے کو اس میں دخل نہ ہو ابن عبدالبر کا عروہ کے اس بیان کو "ذکر الرخصة فی کتابة العلم" میں پیش کرنا ہی یہ بتا رہا ہے کہ ابن عبدالبر نے بھی یہی سمجھا ہے کہ یہ کتابیں حرہ کے حادثہ میں جل گئی تھیں نہ یہ کہ جلادی گئی تھیں اگر وہ جلا دیتے تو ابن عبدالبر ان کا تذکرہ ان لوگوں کے باب میں کرتے جو کتابت علم کے قائل نہیں ہیں۔ بعد کو جن ارباب تصانیف نے فقہ کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں امام مالک اور ابن ابی شیبہ کا شمار اولین میں ہے۔

امام مالک نے مؤطا میں عروہ کے فقہ کا کافی ذخیرہ فراہم کیا ہے ہم یہاں مؤطا سے فقہ میں عروہ کے چند فتاویٰ ضیافت طبع کے لئے پیش کرتے ہیں:

۱ :. مالک عن هشام بن عروة عن ابیه انه کان یقول من مسّ ذکره فقد وجب علیه الوضوء.

۲ :. عن هشام بن عروة عن ابیه قال لیس علی المستحاضة الا ان تغسل غسلاً واحداً ثم تتوضا بعد ذالک لکل صلوٰة .

۳ :. مالک عن هشام بن عروة عن ابیه ان کان یقراء خلف الامام فیما لا یجهر فیه الامام بالقراءة .

۴ :. مالک عن هشام بن عروة ان اباه قال له اذا کنت فی سفر فان شئت ان تؤذن تقیم فعلت وان شئت فاقم ولا تؤذن .

۵ :. عن هشام بن عروة عن ابيه انه كان يحتجم وهو صائم ثم لا يفطر قال وما رأيته احتجم قط الا وهو صائم.

۶ :. عن هشام بن عروة عن ابيه انه قال من افاض فقد قضى الله حجه فانه ان لم يكن حبسه شئي فهو حقيق ان يكون آخر عهده الطواف بالبيت وان حبسه شئي او عرض له فقد قضى الله حجه .

۷ :۔ عن هشام بن عروة عن ابيه انه قال في رجل تظاهر من اربع نسوة له بكلمة واحدة انه ليس عليه الا كفارة واحدة ۔ (مؤطا امام مالک صفحہ ۱۵، ۲۲، ۲۵، ۲۹، ۹۱، ۱۴۴، ۲۰۳)

عروۃ ابن الزبیر اور تاریخ وسیرۃ

سیرت سے مورخین کی زبان میں مراد حضور اکرم ﷺ کی زندگی ہوتی ہے اصحاب حدیث تین باتوں کو جمع کرتے ہیں:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کام کیا۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا ہوا۔

اصحاب سیرت بھی ان ہی تین امور کو جمع کرتے ہیں مگر دونوں میں بڑا فرق ہے اصحاب حدیث کا مقصود احکام کو جاننا ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بحث وہ ضمناً کرتے ہیں اور ارباب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ ﷺ کو جاننا ہوتا ہے احکام سے بحث ان کے یہاں ضمناً ہوتی ہے اس لئے محدثین کا مدار بحث یہ ہوتا ہے کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ کا ہے یا نہیں ان کی تمام تر قوت اس تحقیق میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول وفعل کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف درست ہے یا نہیں؟ لیکن اصحاب سیرت کو یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا یا کہا یا نہیں دوسرے یہ کہ ایسا کہنے اور کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اصحاب سیرت حضور اکرم ﷺ کے افعال واقوال کو مسلسل اور مربوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے اسباب وعلل کو بھی جاننا چاہئے۔

سیر و مغازی کی تدوین پر سب سے پہلے عروۃ ابن الزبیر نے قلم اٹھایا ہے۔
ابن کثیر رقمطراز ہیں: ” هو اول من صنف المغازی “ (البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۱)

تاریخ الاسلام السیاسی کا مصنف رقمطراز ہے کہ:

"عروۃ ابن الزبیر ۹۴ھ سیرت نبویہ پر سب سے پہلے مؤلف ہیں اور ایسے ہی ابان بن عثمان بھی۔" (تاریخ الاسلام السیاسی ج۲ صفحہ ۲۹۶)

ان کے تلامذہ میں سے محمد بن شہاب الزہری ۱۲۴ھ اور موسیٰ ابن عقبہ ۱۴۱ھ نے ان ہی اکابر کی معلومات کو جمع کر کے مغازی پر کتابیں لکھی ہیں ان کے بعد دوسرے ارباب سیرت آئے ہیں لیکن سیرت و مغازی کے موضوع پر اولیت کا شرف صرف عروۃ ابن الزبیر کو حاصل ہے۔

عروۃ ابن الزبیر اور شعر و شاعری

عروہ حدیث و فقہ، ادب عربی، لغت، نحو، بلاغت اور شعر و شاعری غرض ان تمام اصناف علم سے واقف تھے جن کی ضرورت ایک فقیہہ کو ہوتی ہے۔ احمد امین نے لکھا ہے:

"کان من اعلم اھل المدنیۃ واورعھم" (فجر الاسلام ج۱ صفحہ ۱۷۵)

اس وقت شعر و شاعری عام طور پر سرتا سرندی وہولنا کی کا مظہر بن گئی تھی ابوالفرج رقمطراز ہے:

"ان المغنّین کانوا یخرجون الی الحج قوافل" (کتاب الاغانی ج۲ صفحہ ۱۲۲)

شعراء یا تو داد تحسین لینے کے لئے شعر کہتے یا مادی فائدے کی خاطر امراء سلاطین کی مدح سرائی و قصیدہ گوئی کرتے تھے مگر اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اخلاقی شاعری کے رہنما تھے۔

عروہ بھی شعر و شاعری کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھار کچھ کہہ بھی دیا کرتے تھے ان کے جو اشعار ابن عبدالبر اور ابونعیم اصفہانی نے نقل کئے ہیں وہ اخلاقی تعلیمات سے پر ہیں۔ عروہ شاعر تھے اور شاعر ہونے کے ساتھ رواۃ شعر میں بھی ان کا شمار ہوتا تھا ابن کثیر رقمطراز ہے:

"وکان اروی الناس فی الشعر" (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۱)

ابن عبدالبر نے ان کی شاعری پر نوٹ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ "لـه ابیات کثیرۃ حسان" (جامع بیان العلم ج۲ صفحہ ۲۰۱) اور نمونہ کے طور پر ان کے یہ اشعار نقل

کئے ہیں:

صار الاسافل بعد الذل اسنمة　　　وصارت الرؤس بعد العزاذ ناہا

لم تبق ماثرة یعتد ھارجل　　　الا التکاثر اوراقاً واذ ھاہا

پیچھے گذر چکا ہے کہ مدینہ کی شہری زندگی کو چھوڑ کر عروۃ ابن الزبیر نے عقیق میں رہائش اختیار کی اور وہاں ایک اپنا شاندار محل بنایا۔ ہشام بن عروۃ کہتے ہیں کہ جب عروہ محل بنا کر فارغ ہوئے تو اس تقریب پر یہ اشعار کہے:

بنینا فاحکمنا بناہ　　　بحمد اللہ فی خیر العقیق

تراھم ینظرون الیہ شنررا　　　یلوح لھم علی وضح الطریق

فساء الکاشحین وکان غیظا　　　لاعدائی وسربہ صدیقی

یراہ کل مختلف وسار　　　ومعتمر الی البیت العتیق

(جامع بیان العلم ج۲ صفحہ ۲۰۱)

ایک بار ولید بن عبدالملک سربراہ مملکت سے ملنے گئے وہاں ایک عظیم حادثہ پیش آ گیا جو ان کی زندگی میں نمایاں سانحہ بن گیا ان کا بیٹا مفاجاتی طور پر رحلت فرمائے دار بقا ہو گیا ان کے اپنے پیر میں اٹھان اٹھا اطباء نے پیر کاٹنے کا فیصلہ کیا واپس مدینہ تشریف لائے لوگوں میں چہ مگوئیاں شروع ہوئیں کسی نے آوازہ کس دیا کہ کسی گناہ میں پکڑے گئے منہ سے نکلی ہوئی بات کے پیر ہوتے ہیں عروہ تک پہنچ گئی فوراً معن بن اوس کے یہ اشعار پڑھے:

لعمرک ماھویت کفی لریبة　　　ولا حملتی نحوفا حشة رجلی

ولا قادنی سمعی وبصری بھا　　　ولا دلنی رائی علیھا ولا عقلی

(البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۳)

ابونعیم اصفہانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عروہ نے طلحہ کے پاس کچھ رکھوایا اور خود شام کی طرف سفر میں روانہ ہو گئے کسی نے ان کو اطلاع دی کہ طلحہ تو مکان بنا رہا ہے اور خوب کاروبار میں لگا ہوا ہے مال چونکہ ان کا اپنا نہ تھا بلکہ مصعب کی اولاد کا تھا اور یہ امین تھے ان

کو فکر دامنگیر ہوئی واپس آئے تو غایت کرم کی وجہ سے تقاضے کی جرات نہ ہوئی طلحہ سے ملتے ضرور تھے مگر امانت کی واپسی کا تذکرہ نہ کرتے آخر ایک روز طلحہ نے خود ہی کہا کہ حضرت اپنی امانت واپس لیجئے بولے کہ کب دو گے؟ طلحہ نے کہا ابھی آدمی بھیج دیجئے عروہ نے قاصد روانہ کیا عروہ نے جو کمرہ بنایا تھا ڈھا دیا اور مال مدفون نکال کر ایلچی کے سپرد کر دیا ایلچی نے آ کر کہانی سنائی عروہ نے اس سے متاثر ہو کر یہ اشعار کہے:

(حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۷۶)

"فمااستخبات فی رجل خبیئاً کمثل الدین او حسب عتیق

ذو والاحساب اکرم ماثرات واحبر عند نائبۃ الحقوق

البلاذری نے لکھا ہے کہ عبداللہ ابن الزبیر کے قتل کے بعد عروہ امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کے پاس گئے اندر گئے تو السلام علیک یا امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا عبدالملک نے جواب دیا اور پرتپاک خیر مقدم کیا گلے ملا اور اپنے پاس تخت پر بٹھایا عروہ نے اس سے متاثر ہو کر کہا:

نمت بارحام الیک قریبۃ ولا قرب الارحام مالم تقرب

(فتوح البلدان)

عروۃ ابن الزبیر ایک مصنف کی حیثیت سے

عروۃ ابن الزبیر کا شمار ان ائمہ میں ہوتا ہے جنہوں نے علوم دینیہ کی تدوین و ترتیب میں حصہ لیا ارباب تذکرہ نے اگر چہ ان کی کسی خاص تصنیف کا ذکر نہیں کیا البتہ مشہور عالم بروکلمان، ابن عبدالبر اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ فقہ کے موضوع پر کچھ کتابیں عروہ ابن زبیر نے تصنیف کی ہیں اور یہ کتابیں حرہ کے فتنہ میں نذر آتش ہو گئی تھیں ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ: " کتب فقہ کانت لہ " (طبقات ابن سعد ج۱ صفحہ ۱۷۹) اور ابن عبدالبر نے ان کتابوں کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے: " احترقت کتبہ یوم الحرۃ" (جامع بیان العلم صفحہ ۷۵) ابن کثیر نے سیر و مغازی کے بارے میں لکھا ہے کہ: " اول من صنف المغازی " (البدایہ والنہایہ)

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن بھی تاریخ الاسلام السیاسی میں ابن کثیر کے ہم زبان ہیں۔

اسلامی علوم کی تصنیف و تدوین کی تاریخ کے بارے میں عام اہل تذکرہ نے لکھا ہے کہ:

"اول من صنف الکتب ابن جریج و ابن ابی عروبہ" (تہذیب الاسماء ج اصفحہ ۱۹۸)

مگر عروہ کے بارے میں جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس کی روشنی میں یہ رائے صحیح معلوم نہیں ہوتی اولیت کا شرف ابن جریج کو نہیں بلکہ عروۃ ابن الزبیر کو ہے ہاں اگر یوں کہا جائے کہ عروہ نے فقہ و سیرت پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں موضوع و عنوان کی تقسیم نہ تھی بلکہ فقہ، سیرت، حدیث اور تفسیر کا جو ذخیرہ جس طرح ملا انہوں نے اسے ایسا مرتب کر دیا ابن جریج کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اس میں فنی ترتیب قائم کر کے موضوع کے لحاظ سے حدیث کو جمع کر دیا اس لئے تصنیف و تالیف کی اولیت کا شرف تو عروہ ابن الزبیر کو ہے لیکن ان میں فنی ترتیب کے ساتھ مہذب صورت میں پیش کرنے کی فضیلت ابن جریج کو حاصل ہے۔

ابن جریج خود بھی لکھتے ہیں کہ:

"میری طرح کسی نے علم میں تدوین نہیں کی۔" (تاریخ بغداد ج ۱۰ صفحہ ۴۰۴)

عروۃ کے تلامذہ

جن لوگوں کو عروہ ابن الزبیر کے سامنے زانوئے تلمذ طے حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا حافظ عسقلانی نے چالیس تلامذہ کے ذکر کے بعد و اخــرون لکھا ہے اور امام ذہبی نے تلامذہ کی بہتات کے لئے و خـلـق کی تعبیر اختیار کی ہے اس لئے یہاں ان کا استقصاء مقصود نہیں ہے ہم صرف ان کا ذکر کرتے ہیں جن کا امام عروہ کے علوم پھیلانے میں وافر حصہ ہے۔

ابو بکر محمد بن مسلم

ان کا پورا نام محمد بن مسلم بن عبداللہ بن شہاب الزہری ہے ان کی کنیت ابو بکر ہے نسب کے لحاظ سے قرشی اور وطن کے اعتبار سے مدنی ہیں یہ عروۃ ابن الزبیر کے خاص تلامذہ میں سے ہیں عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: "لـم یبق احـد اعلم بسنة ماضية مــن الــزهــری" (تذکرۃ الحفاظ ج اصفحہ ۱۰۴) ان کو بھی عمر بن عبدالعزیز نے خاص طور پر تدوین سنن کے کام پر مامور فرمایا تھا ابن عبدالبر نے امام زہری کا بیان نقل کیا ہے:

"امرنـا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن" (جامع بیان العلم صفحہ ۱۰۴) ان کے استاد عروہ

چونکہ تصنیف کے سلسلے کا آغاز کر چکے تھے اور وہ ضائع ہو چکی تھیں اس لئے انہوں نے اپنے استاد کے علم کی تدوین میں حصہ لیا ہے اسی بناء پر علماء نے انکو مدون اول قرار دیا ہے امام مالک فرماتے ہیں: "اول من دون العلم ابن شھاب" (جامع بیان العلم) امام ابو داؤد نے بتایا ہے کہ امام زہری سے دو ہزار دو سو حدیثیں روایت ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۱۰۳) رمضان ۱۲۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

ہشام بن عروہ

یہ عروہ ابن الزبیر کے صاحبزادے ہیں امام ذہبی نے ان کو الامام، الحافظ، الحجۃ کے القاب سے یاد کیا ہے ورع وتقویٰ اور پارسائی میں امام ابن سیرین اور حسن بصری کے مثیل تھے وہب کہتے ہیں:

"قدم علینا ھشام بن عروۃ فکان مثل الحسن وابن سیرین"

(تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۱۳۶)

ان کے سامنے بڑے بڑے محدثین نے زانوئے ادب طے کیا ہے رئیس الفقہاء امام شعبہ، امام مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عینیہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ، یحییٰ القطان عبیداللہ بن موسیٰ وغیرہ وغیرہ۔

عروہ کی حد تک محدثین نے بتایا ہے کہ ہشام بن عروہ ابتداء میں بڑے محتاط تھے صرف ان روایات کو پیش کرتے جو انکی اپنی سنی ہوئی ہوتی تھیں کبھی بھی ایسی روایت کو ان کے نام سے پیش نہ کرتے جو خود انہوں نے عروہ سے نہ سنی ہوتی اگرچہ وہ بعد میں اس کو نباہ نہ سکے اپنی والدہ کی حد تک وہ حدیث میں ارسال سے بھی گریز نہ کرتے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ دور تابعین میں ارسال روایت میں کوئی عیب نہ تھا۔

ائمہ مذاہب میں سے امام مالک تو ان کے شاگرد نہیں لیکن امام اعظم کے بارے میں حتماً ان کے تلمذ کی تصریح تو نہیں ملتی مگر اتنا ضرور ثابت ہے کہ امام اعظم باایں وسعت نظر ہمیشہ اس بات کے درپے رہتے کہ جب کوفہ میں کوئی محدث آئے تو اس کی معلومات سے اپنے علم میں اضافہ کیا جائے چنانچہ امام نضر بن محمد مروزی کا جو امام ابوحنیفہ کے مشہور تلانذہ میں سے ہیں بیان ہے:

" لم ارر جلا الزم الاثر من ابی حنیفه قدم علینا یحیی بن سعید انصاری و هشام بن عروة وقال لنا ابو حنیفة انظر واتجدون عنده شیئا سمعه "

بغداد عباسیوں کے زمانے میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کے علوم و فنون کا مرکز تھا حافظ ابن حزم نے اس کا ذکر عظمت کے ساتھ کیا ہے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ:

" بغداد جو عراق کا سب سے بڑا شہر ہے اس کی بنیاد تابعین کے آخری دور میں پڑی سب سے پہلے یہاں جس نے حدیث کی اشاعت کی وہ ہشام بن عروہ ہیں ان کے بعد شعبہ اور ہشیم"۔ (الاعلان بالتوبیخ)

عروہ کے ان دونوں شاگردوں امام زہری اور امام ہشام بن عروہ میں محدثین نے موازنہ بھی کیا ہے مشہور محدث امام عثمان دارمی نے نقد رجال کے سب سے بڑے امام یحیٰی بن معین سے ان دونوں کے بارے میں دریافت کیا کہ " هشام احب الیک اوالزهری؟ " امام یحیٰی نے جواب دیا کہ: **کلاهما ولم یفضل**" میرے یہاں دونوں محبوب ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۸۳۷) ہشام کی وفات ۱۴۶ھ میں بغداد میں ہوئی۔ (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۳)

نمونے کے طور پر دو شاگردوں کا چہرہ پیش کیا گیا ورنہ تاریخ و رجال کی کتابوں میں عروہ کے تلامذہ کے تفصیلی حالات موجود ہیں۔

عروہ کی بیماری اور وفات

مورخین نے ان کی بیماری کے حالات نہیں لکھے ہیں ان کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے لیکن محققین کے نزدیک ۹۴ھ ہے ابن کثیر رقمطراز ہے:

"کانت وفاته فی سنة اربع وتسعین علی المشهور " (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۰۳)

ابن سعد نے عبدالحکیم بن عبداللہ کے حوالے سے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ:

" عروہ ابن الزبیر کی وفات اپنے اموال میں بمقام مجاح فرع کے قریب ہوئی اور جمعہ کے روز ان کو دفن کیا گیا۔" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۸۲)

اولاد و امجاد

مورخین نے ان کی نرینہ اولاد میں پانچ لڑکے بتائے ہیں عبداللہ، عثمان، ہشام، محمد اور یحیٰ۔ ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں اور مصعب زبیری نے نسب قریش میں ان کے حالات لکھے ہیں۔

اقوال زریں

تفصیل بالا سے زہد و اتقاء سے بھرپور زندگی کا خاکہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے مگر ان کی زندگی کے پورے خد و خال دیکھنے کے لئے ان کے گرانمایہ اقوال پر نظر ڈال لینا بھی ضروری ہے۔۔۔۔ فرماتے ہیں:

کئی بار ذلت آمیز باتوں کو میں نے برداشت کیا اور اس کے نتیجہ میں ایک بے مثال عزت سے ہمدوش ہوا ہوں۔۔۔۔ ارشاد تھا:

جب کسی شخص کو نیکی کرتا دیکھو تو سمجھ لو کہ یہاں کچھ اور بھی نیکیاں ہیں اور جب تم کسی کو برائی سے دوچار دیکھو تو یقین کرو کہ صرف یہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی برائیاں ہیں کیونکہ نیکی نیکی کے لئے اور برائی برائی کے لئے دلیل راہ ہوتی ہے۔ کہتے تھے:

بچو! جناب الٰہی میں ایسا ہدیہ کبھی نہ روانہ کرنا جسے تمہیں اپنے کسی مہربان کو دیتے ہوئے شرم آئے کیونکہ اللہ کی ذات اکرم الکرماء ہے۔۔۔۔۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۷۷)

==========

4

عبیداللہ ابن عبداللہ

شاعر فقیہہ کہ فقیہہ شاعر

(ھ تا ۹۸ھ)

نام وکنیت

عبیداللہ نام ، ابوعبداللہ کنیت ہے خیرالدین زرکلی نے ''الاعلام'' میں ان کو ''مفتی المدینۃ'' حافظ صفی الدین خزرجی نے خلاصہ میں ''الفقیہہ'' ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں ''من اعلام التابعین'' ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں ''احدالاربعۃ من البحور'' اور امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ''الفقیھه العلم'' کے معزز القاب سے یاد کیا ہے۔

والدین

ان کے والد کا نام عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ہے ابن قتیبہ نے ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن بتائی ہے اور ان کو ''کثیر الحدیث والفتیا فقیہہ'' لکھا ہے ان کا انتقال عبدالملک کے زمانہ خلافت میں ہوا ہے کوفہ میں ان کا گھر تھا وہیں ان کی وفات ہوئی۔ (معارف صفحہ ۱۱۰)

پوری تلاش کے باوجود ان کی والدہ کا تاریخ میں کوئی تذکرہ نہیں ملا ہے۔

نسب اور خاندان

خاندانی لحاظ سے عبیداللہ ہذلی ہیں عرب کے مشہور قبیلے بنو ہذیل سے تعلق رکھتے

تھے مشہور صحابی عبداللہ بن مسعودؓ کے برادر عتبہ کے پوتے ہیں ان کا پورا نسب یہ ہے:۔

"عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن مخزوم بن صبیح بن کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن الہذیل۔" (وفیات الاعیان صفحہ ۲۹۳)

حافظ ابن حزم نے ہذیل کو معد ابن عدنان کی اولاد بتایا ہے یعنی ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ (جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۱۱)

تعلیم و تربیت

عبیداللہ نے جس دور میں آنکھ کھولی اس وقت تعلیم کا گھر گھر میں چرچا تھا اور بالخصوص مدینہ طیبہ تو اس وقت علوم و فنون کے لئے ایک فنی مرکزی حیثیت رکھتا تھا اس زمانے میں لوگ طلب علم کے لئے مدینہ ہی جاتے تھے حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنہ میں اہل کوفہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ابو عبدالرحمٰن السلمی اور دیگر علمائے کوفہ جیسا کہ علقمہ، اسود، حارث لیثی، زر بن حبیش نے عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن سیکھا ہے نیز یہ مدینے جا کر حضرت عمرؓ اور عائشہؓ سے علم کی تحصیل کرتے تھے بلکہ ان بزرگوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے جتنا علم حاصل کیا اتنا کوفہ میں حضرت علیؓ سے نہیں کیا۔" (منہاج السنہ ج ۴ صفحہ ۱۴۲)

اس وقت مدینہ میں فقہ اور حدیث کی درسگاہیں موجود تھیں فقہ کی درسگاہ اگر حضرت عائشہؓ اور ابن عباسؓ کے دم سے قائم تھی تو حدیث کا مدرسہ بھی ابوسعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ کے نام سے چل رہا تھا۔ عبیداللہ کو فقہ و حدیث میں دونوں مدرسوں سے استفادہ کا موقعہ ملا ہے۔

شیوخ واساتذہ

عبیداللہ کے شیوخ و اساتذہ میں ان تمام لوگوں کا شمار ہے جن سے انہوں نے فقہ کا فن یا حدیث نبویؐ کا علم حاصل کیا ابن سعد نے ابوسعید خدریؓ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ عبیداللہ کے اساتذہ میں ان اکابر کو بھی شمار کیا ہے ابو ہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابوطلحہؓ، سہل بن حنیفؓ، زیدؓ بن خالدؓ۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۵۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عبداللہ بن مسعودؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عثمان بن

حنیفؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابوواقد اللیثیؓ، فاطمہؓ بنت قیس، عبدالرحمٰن بن عبدالقاریؒ، اور ام قیسؓ کے اسماء بتا کر آخر میں وخلق کا اضافہ کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۶ صفحہ۲۴)

اس کا مطلب یہی ہے کہ ان مشائخ کا حلقہ وسیع ہے ان سب پر تبصرہ کرنا اور یہ بتانا کہ ان سب نے عبیداللہ پر کیا اثر ڈالا ہے از بس مشکل ہے یہاں مشتے ازخروارے۔ صرف خاص اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ عبیداللہ کی حیات علمی کے بارے میں کچھ اندازہ ہو سکے۔

عبیداللہ کی تاریخ علمی میں اگرچہ ایک سے زیادہ ایسی شخصیات ابھری ہوئی ہیں جنہوں نے عبیداللہ بن عبداللہ میں قلب ونظر کی تبدیلی پیدا کی اور ان کا رنگ عبیداللہ پر غالب ہے۔

چونکہ عبیداللہ کے اساتذہ میں مختلف مناہج کی شخصیتیں ہیں اس لئے عبیداللہ میں علمی لحاظ سے یک رنگی نہیں آئی بلکہ ان کی ذات علمی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں کا گہوارہ بن گئی ایک طرف اگر وہ علم حدیث کے شہسوار ہیں تو ساتھ ہی وہ بہترین فقیہہ بھی ہیں عربی زبان کے اگر ادیب ہیں تو ساتھ ہی وہ بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ ہم سرراہے ان اساتذہ میں سے صرف سعد بن مالکؓ اور ابوسعید خدریؓ سے یہاں متعارف ہونا چاہتے ہیں۔

ابوسعید خدریؓ

ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے قبیلہ خزرج سے تعلق کی وجہ سے خزرجی اور انصار مدینہ سے ہونیکی وجہ سے انصاری ہیں ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کے والد شہداء احد میں سے ہیں: " وابوہ من شہداء احد". (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ۴۱)

ان کے اجداد میں ایک شخص خدرہ نامی گزرا ہے اس لئے ان کو خدری کہتے ہیں۔
(الاستیعاب ج۴ صفحہ۸۹)

غزوہ احد میں ان کو عمر میں چھوٹا ہونے کیوجہ سے شریک ہونیکی اجازت نہیں ملی۔
(الاصابہ ج۲ صفحہ۳۲)

ان کے والد نے غزوہ احد میں جام شہادت نوش کیا اور ان کو بے بسی اور بے کسی کے عالم میں چھوڑ گئے اس لئے بچپنے میں ہی ناداری اور تنگ دستی کی دشواریوں کا ان کو

سامنا کرنا پڑا لیکن اس کے باوجود وہ حضورﷺ کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتے اور آپ کے ارشادات کو حرزِ جان بناتے۔ (الحدیث والمحدثون صفحہ ۱۴۵)

حنظلہ ابن سفیانؓ کہتے ہیں کہ ابو سعیدؓ نوخیز صحابہؓ میں سب سے زیادہ فقیہہ تھے خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ:

"کان من افاضل الصحابة وحفظ حديثا كثيرا" (الاصابہ ج۲ صفحہ ۳۳)

ابن عبدالبر نے ان کا تعارف اس طرح پیش کیا ہے:

"کان ممن حفظ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم سننا كثيرة وروى عنه علماً جماً" (الاستیعاب ج۲ صفحہ ۴۴)

ابو سعید خدریؓ کی ذات گرامی ان اکابر میں سے ہے جن کو ارشادات نبوتﷺ کے بارے میں ہمیشہ اس پر اصرار تھا کہ احادیث کو زبانی یاد کیا جائے ان کے ایک شاگرد ابو نضرہ کا بیان ہے کہ:

"ابو سعید خدریؓ سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ اچھا ہو کہ آپ ہمیں یہ احادیث قلمبند کرادیں فرمایا ہرگز نہیں ہم نے بھی یہ علم حضورﷺ سے اسی طرح زبانی حاصل کیا ہے تم بھی زبانی یاد کرو۔" (جامع بیان العلم ج ا صفحہ ۶۴)

ابو سعیدؓ کے انکار کا باعث یہ اور صرف یہ تھا کہ وہ قرآن حکیم کے ساتھ اسلام میں کسی اور چیز کو تلاوت اور پڑھنے کی چیز نہ سمجھتے تھے تلاوت صرف قرآن حکیم کی خصوصیت ہے اور اسی میں تعبد ہے قرآن کے سوا کسی بھی چیز کی تلاوت میں تعبد نہیں ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ دوسرے موقعہ پر اسی سوال کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ:۔

" ارد تم ان تجعلوه قرآناً لالا" !!

ایک اور بیان میں ہے:

"اتریدون ان تجعلوها مصاحف"

ابو سعیدؓ نے یہ بات کہ تلاوت کا تعبد صرف قرآن میں ہے حضور انورﷺ کے اس ارشاد سے سمجھی جو صحیح مسلم میں خود ابو سعیدؓ کی وساطت سے آیا ہے:

" لاتكتبوا عنى ومن كتب غير القران فليمحه وحدثوا فلاحرج ومن كذب علىّ متعمّداً فليتبوا مقعده من النار" (صحیح مسلم)

اس ارشاد کے ذریعے حضور انور ﷺ نے تحدیث کا عام پروانہ دیا ہے اور اس پر اس کے سوا کوئی پابندی نہیں لگائی کہ جھوٹ نہ ہو اس لئے نفس حدیث لکھنے اور بیان کرنے پر حضور انور ﷺ کی جانب سے کوئی قانونی قدغن قائم نہیں کی گئی البتہ ارشادات کو تلاوت کی چیز بنا کر قلم بند کرنے سے روکا گیا "من کتب عنی غیر القرآن" میں غیر کا موصوف محذوف ہے اصل عبارت یوں تھی کہ من کتب عنی قرانا غیر القرآن اس کی آج بھی ممانعت ہے ایک سے زیادہ حدیثوں میں اس کی اجازت دی ہے الخطیب نے تقیید العلم میں اس کی تفصیلات لکھی ہیں۔

عبیداللہ ابن عبداللہ کا علم

عبیداللہ کی علمی شہرت ان کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی اور شہرت میں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ صرف ان کے تلامذہ ہی ان کے علمی جلال کا لوہا نہیں مانتے تھے بلکہ ان کے معاصر علماء اور فقہاء بھی ان کے آفتاب علم کی ضیا پاشیوں سے فیض یاب ہوتے تھے بڑے اجلّہ ان کے تربیت یافتہ تھے تابعی ہونے کے باوجود اسی جلالت علمی کی وجہ سے حضرت ترجمان القرآن عبداللہ بن عباسؓ تک ان کا اکرام کرتے تھے۔

" حتیٰ کان ابن عباس یعزہ ویکرمہ لنباھتہ وعلوّ شانہ فی الحدیث والفقہ".
(الحدیث والمحدثون صفحہ ۱۹۵)

مشہور امام زہری ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

" مجھے جس کسی عالم سے خوشہ چینی کا موقعہ ملا ہے ہر عالم کے پاس بیٹھ کر میرا احساس یہ ہوتا تھا کہ میں ان کی معلومات سے سیراب ہو چکا ہوں بالفاظ دیگر میرے خیال میں ان کا علمی سرمایہ ختم ہو چکا صرف عبیداللہ کی شخصیت مجھے ایسی ملی ہے کہ میں جب بھی ان کے پاس علم کی طلب گاری لے کر حاضر ہوا مجھے ان کے یہاں سے علم کی نئی دولت ملی اور تشنگی میں اور اضافہ ہوا" (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۴)

مشہور تابعی عراک بن مالک سے ایک موقعہ پر عبیداللہ کے مبلغ علم کے بارے میں ایک مجلس میں گفتگو ہوئی اتفاقاً اس گفتگو نے موازنہ کی صورت اختیار کر لی کسی شخص نے عراک سے پوچھ لیا کہ آپ کی معلومات میں سب سے بڑا فقیہہ کون ہے؟ عراک نے اس

مجلس میں موازنہ کرتے ہوئے جو جواب دیا وہ ہی سنانا چاہتا ہوں:
"اگرچہ سب سے بڑے عالم سعید ابن المسیب اور حدیث میں اونچا پایہ عروہ کا ہے لیکن عبیداللہ، عبیداللہ ہیں ان سے جس قسم کا علمی سمندر نکالنا چاہو نکال سکتے ہو۔" (طبقات الفقہاء صفحہ ۴۸)

امام معمر کا بحوالہ زہری بیان ہے کہ:
"مجھے قریش کے چار علمی سمندروں سے سابقہ پڑا سعید ابن المسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ اور عروہ۔" (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۸۸)

عبیداللہ کی خصوصیات

عبیداللہ میں کچھ ایسی خصوصیات تھیں جو ان کی ہر دلعزیزی اور شہرت کا ذریعہ بن گئیں اس پر شوکت علم کہ جس کیلئے انہوں نے ابن عباسؓ، عائشہؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو واقد اللیثیؓ جیسے علمی مصادر کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے اور جس کی وجہ سے ان کو **کان مقدما فی العلم والمعرفة بالاحکام والحلال والحرام** کا تمغہ ملا تھا ان میں کچھ صفات ایسی تھیں جو ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص طور پر عطا ہوئی تھیں۔

ان کی پہلی خصوصیت حافظہ کی مضبوطی تھی اس قدر قوی الحافظ تھے کہ جو کچھ سنتے یاد رہ جاتا ابن حجر نے ان کے حافظہ کی کہانی خود ان کی زبانی اس طرح بتائی ہے کہ:
"میں نے جب بھی کوئی بات سنی ہے اللہ کے ارادے کے مطابق میں نے جس قدر یاد رکھنا چاہا یاد رکھ لیا۔" (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۶)

صرف ان کا حافظہ ہی قوی نہ تھا بلکہ ان کو جو کچھ یاد تھا اس کا پوری طرح ان کو علم وعرفان بھی تھا اور احادیث کے حافظ تھے اور ان کے ایسے اچھے عالم تھے کہ ان کی بنیادوں پر ان کے استنباط مسائل کی عمارت قائم تھی علم الشرائع میں اپنی سوجھ بوجھ کی وجہ سے اپنے وقت میں ان کو ایک نمایاں حیثیت حاصل تھی وہ علم شماری ہی نہیں کرتے تھے بلکہ علم دانی بھی ان کی خاص صفت تھی حدیث میں اگر وہ اونچے درجے کے راوی تھے تو مسائل میں بلند پایہ فقیہہ تھے۔ ابن عبدالبر رقمطراز ہے:
"کان عالماً فاضلاً مقدماً فی الفقه" (تہذیب التہذیب صفحہ ۲۴)

اس حفظ و عرفان کے ساتھ ان میں عزت نفس کا وصف بھی نمایاں تھا آپ بڑے خود دار تھے اس خودداری کے نتیجے میں بڑے باوقار اور خداداد دبدبہ کے مالک تھے۔ ابونعیم اصفہانی نے ابوالزناد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"میں ایسا بسااوقات دیکھتا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز اپنے زمانے امارت میں عبیداللہ بن عبداللہ کے یہاں آئے کبھی اجازت مل جاتی تو بیٹھ جاتے اور گاہ گاہ اجازت نہ ملتی واپس ہو جاتے۔" (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۸۸)

ان صفات جلیلہ کی وجہ سے عبیداللہ کو قبول عام کا مقام حاصل تھا۔

عبیداللہ کے افکار و آراء

عبیداللہ کی اصلی شخصیت علمی تھی اس لئے ان کی جولا نگاہ سیاسی ہنگامے نہیں بلکہ علمی حقائق تک محدود تھی سیاسی احوال و ظروف کی حد تک وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اقتدار کے قریب ہو کر اصلاح کی تدابیر کیا کرتے تھے وہ ان میں سے نہیں جو اختلاف کو بنیاد بنا کر حزب مخالف قائم کر لیتے ہیں ان کے بھائی عون بن عبداللہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ حکومت میں مجلس خاص کے رکن تھے۔

یزید بن بشیر کا بیان ہے:

"عمر بن عبدالعزیز کی مجلس خصوصی کے ارکان میں میمون بن مہران، رجاء بن حیوہ، رباح بن عبیدہ، عمرو بن قیس، عون بن عبداللہ اور محمد بن زبیر حنظلی تھے۔"

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۳۹۵)

عبیداللہ خود زمانہ ولید میں جبکہ عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے ان کی مشاورتی کونسل کے رکن تھے ابن سعد نے طبقات میں اس کی تفصیلات بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے مدینے آتے ہی نماز ظہر کے بعد مدینہ کے جن دس فقہاء کو بلایا ان میں اوروں کے ساتھ عبیداللہ سب سے اول تھے۔

حافظ ابن کثیر اس مشاورتی کونسل کا تعارف کراتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"جب بھی عمر بن عبدالعزیز کو کوئی مشکل درپیش آتی تو فقہاء مدینہ کو جمع کرتے اور اپنے اس مقصد کے لیے ان دس حضرات کو مقرر کیا ہوا تھا ان کے بغیر کوئی معاملہ طے نہ

کرتے۔ عروہ، عبیداللہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عبداللہ بن عامر، خارجہ ابن زید اور سعید ابن المسیب۔" (البدایہ والنہایہ)

عبیداللہ بن عبداللہ صحابہؓ کو ان کے درجے میں رکھتے تھے ان میں سے کسی پر طعن نہ کرتے اس معاملہ میں ان کا مسلک وہ تھا جو حضرات صحابہؓ کا تھا جنھوں نے دین کا علم حضور انور ﷺ سے حاصل کیا تھا یہ سیاسی مناقشات میں حصہ لینے سے گریز کرتے تھے اور حکام وقت سے ٹکراتے نہ تھے صرف علم کی اشاعت میں لگے رہتے وہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ وعلیؓ کو اپنے مراتب خلافت کے لحاظ سے اپنے اپنے مقام پر رکھتے کسی پر نکتہ چینی اور حرف گیری کو پسند نہ فرماتے حالانکہ اس دور میں ان صحابہؓ کی باہمی فضیلت کا مسئلہ بزم و انجمن کا موضوع بنا ہوا تھا ایک روز عبیداللہ کو عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ حضرت علیؓ کی شان میں کچھ کہہ رہے ہیں بہت ناگواری کا اظہار کیا واقعہ ابن کثیر نے یوں لکھا ہے:

"عمر بن العزیز عبیداللہ کے پاس آتے تھے اور ان سے علمی استفادہ کرتے۔ عبیداللہ کو ان کے متعلق کسی نے بتایا کہ وہ حضرت علیؓ کی شان میں کچھ نکتہ چینی کرتے ہیں عمر بن عبدالعزیز مجلس میں آئے بات نہ کی منہ پھیر لیا اور نماز پڑھنے میں لگ گئے عمر انتظار میں بیٹھے رہے نماز سے فارغ ہوئے تو عمر کی طرف غضبناک ہو کر فرمایا تمہیں کہاں سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر سے راضی ہونے کے بعد پھر ناراض ہو گیا عمر بن عبدالعزیز تاڑ گئے فوراً بول پڑے میں اللہ کی جناب میں اولاً اور پھر آپ سے معذرت خواہ ہوں بخدا اس کے بعد کبھی ایسا نہ کروں گا اس کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کو ہمیشہ خیر خواہی سے یاد کیا۔"
(البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۹۳)

عبیداللہ چونکہ شاعر بھی تھے اس لئے اقتدار کو مخاطب کر کے شاعری کی زبان میں وہ کچھ کہہ جاتے جسے زبان پر لاتے ہوئے بڑے بڑے خطیب بھی کانپتے۔

ابونعیم اصفہانی ابوالزناد کے والد کی زبانی اس کے راوی ہیں کہ عبیداللہ نے عمر بن عبدالعزیز کو ایک بار چند نصائح پر مشتمل شعر کی زبان میں خط لکھا کہ:

باسم الذی انزلت من عندہ السور — والحمدللہ اما بعد یاعمر

ان کنت تعلم ماتاتی وما تذر — فکن علی حذر قد ینفع الحذر

واصبر علی القدر المحتوم وارض به وان اتاک بمالا تشتهی القدر

فماصفا لامری عیش لسرّبه الاّ سیتبع یوماً صفوه کدر

(حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۸۷)

ان ہی افکار عالیہ اور آراء گرامی قدر کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز کے یہاں ان نمایاں مقام تھا۔

عبیداللہ کی علوم میں جامعیت

عبیداللہ کے علمی کمالات کے سلسلے میں یہ بات سب نے ہی مانی ہے کہ آپ کی ذات گرامی علمی جامعیت کا ایک مثالی نمونہ تھی امام عجلی نے تو برملا اعلان کیا ہے:

" کان عبیداللّٰه جامعاً للعلم " (خلاصہ تہذیب الکمال صفحہ ۲۱۳)

بلکہ ابن عبدالبر نے ان کی اسی شان جامعیت کے اظہار کے لئے لکھا ہے کہ:

"صحابہؓ کے بعد آج تک ہمارے علم میں نہ تو عبیداللہ جیسا فقیہہ شاعر ہوا ہے او نہ عبیداللہ جیسا شاعر فقیہہ ہوا۔"

اسی شان جامعیت کی وجہ سے مورخین نے ان کے متعلق عمر بن عبدالعزیز کے اچھے تاثرات نقل کئے ہیں ابن خلکان نے لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے:

"عبیداللہ کے پاس ایک نشست مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔"

(وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۲۹۳)

یہ بھی فرماتے تھے کہ:

"سب علماء سے زیادہ میں نے علم کا استفادہ عبیداللہ سے کیا ہے۔"

یہ بھی گاہ گاہ فرماتے:

"اگر میرے پاس عبیداللہ کا علم ہوتو میں اپنے احوال وظروف میں ان کی رائے سے کبھی نہیں ہٹ سکتا مجھے یہ پسند ہے کہ عبیداللہ کے ایک روز کو میں کسی بھی قیمت میں لے لوں۔"(مناقب عمر بن عبدالعزیز لابن جوزی صفحہ ۱۴۴)

ابو اسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء میں عمر بن عبدالعزیز کے اسی قسم کے تاثرات لکھے ہیں۔ عبیداللہ کو اپنے زمانے میں برتری کا جو مقام قدرت کی جانب سے

ارزانی ہوا تھا اس کا باعث ان کی یہی شان جامعیت تھی کوئی کہتا ہے "کان عالماً ناسکاً" کوئی "کان جامعاً للعلم" سے نوازتا ہے اور کسی کی زبان پر ان کے بارے میں کان عالماً زاهداً کا نعرہ ہے اور کہیں سے "کان فقیهاً کثیر الحدیث" کی آواز آ رہی ہے اور کہیں سے "بحر من بحور العلم" کا ان کو خطاب ملتا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے دور کی ایک مثالی علمی شخصیت تھے اور صرف علمی نہیں بلکہ علم کی اس گرانمایہ متاع کے ساتھ ورع وتقویٰ، زہد وپارسائی، پاکبازی اور بزرگی میں یکتائے زمانہ تھے۔

اس دور کے علوم وفنون میں قرآن، حدیث، فقہ، ادب عربی، انساب، شعروشاعری رائج تھی عبیداللہ کو ان تمام میں دستگاہ کامل حاصل تھی ان کے کمال علم اور مجتہدانہ بصیرت کاملہ کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ایک اجمالی نظر ضروری ہے اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ اس پر تبصرہ پیش خدمت ہے۔

عبیداللہ اور قرآن

تفسیر کے معروف معنے کی حد تک زمانہ صحابہؓ میں کوئی مفسر نہ تھا لیکن تفسیر کے مقصود اور مطلوب معنے کی حد تک صحابہؓ اور تابعین قرآن دانی اور قرآن فہمی میں امت کے لئے نمونہ تھے قرآن کو سمجھنا اور اور حالات ووقائع کیلئے قرآن کے منطوق، مدلول اور مفہوم سے مسائل معلوم کرنا یہ اس دور کا طرہ امتیاز تھا وہ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کی طرز قرات، محمل معنوی، موقع استدلال، اور طریق استنباط پر قدرت کاملہ رکھتے تھے وہ ہر مسئلہ کو معلوم کرنے کیلئے اولاً اور بالذات قرآن حکیم کی طرف متوجہ ہوتے۔

عبیداللہ اور حدیث

حدیث میں عبیداللہ کی جلالت قدر پر سارے متقدین اور متاخرین اصحاب حدیث کا اتفاق ہے امام محی الدین نووی نے سب کی طرف نسبت کر کے عبیداللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"واتفقوا على جلالته وامامته وعظم منزلة" (تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۳۱۲)

حدیث میں ان کی جلالت شان کی وجہ سے ان کے اساتذہ بھی ان کا اکرام کرتے تھے:

"کان ابن عباس یعزہ ویکرمہ لنباھتہ وعلو شانہ فی الحدیث".
(الحدیث والمحدثون صفحہ ۱۹۵)

ان کے مشہور تلامذہ میں سے عمر بن عبدالعزیز ہیں بلکہ عبیداللہ ہی ان کے مودب اور معلم ہیں جیسا کہ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے مورخین و محدثین نے انکشاف کیا ہے کہ:

"وھو معلم عمر بن عبدالعزیز" (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۴)

خیر الدین زرکلی نے بھی تصریح کی ہے:

"وھو مودب عمر بن عبدالعزیز" (الاعلام ج ۴ صفحہ ۳۵)

عمر بن عبدالعزیز کی ان سے کس قدر عقیدت تھی اور حدیث میں ان کا کتنا پایہ ہے اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو ابن خلکان نے لکھا ہے کہ:

"عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ بخدا میں عبیداللہ کی ایک رات بھی بیت المال سے ایک ہزار دینار دیکر خریدنے کو تیار ہوں لوگوں نے کہا امیر المومنین ! کیا آپ کے منہ سے بھی یہ بات پھبتی ہے؟ حالانکہ آپ علم کے بے حد جویا اور حد سے زیادہ نگران ہیں فرمایا تمہیں کیا ہو گیا اور تم کہاں ہو میں تو مسلمانوں کے بیت المال کے بارے میں ان کی نصیحت ، ان کی رائے اور ان کی رہنمائی کا محتاج ہوں یقین کرو باہم گفتگو سے عقل نکھرتی ہے دل میں خوشی کی لہر دوڑتی ہے غم کا ازالہ ہوتا اور زبان وادب منقح ہوتے ہیں۔"
(وفیات الاعیان صفحہ ۲۹۳)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبیداللہ کا حدیث میں کیا پایہ تھا۔

درس حدیث کی مجلس

عبیداللہ بھی اپنے اساتذہ کی طرح درس حدیث دیتے تھے اور ان کے درس میں بڑے بڑے اکابر ہوتے تھے ان کے مزاج میں بڑی نرمی تھی درس و تدریس کے سارے مراحل نہایت خوشگوار فضا میں ہوتے امام زہری نے عبیداللہ کا ان کے استاد عبداللہ بن عباسؓ سے موازنہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ:

"ابو مسلمہ بن عبدالرحمٰن حضرت ابن عباسؓ کے درس میں جاتے مگر گفتگو میں ان سے کچھ غمگینی کی کے آثار لیکر واپس ہوتے لیکن جب عبیداللہ کے پاس آتے تو عبیداللہ ان

کو بڑی نرمی سے بتاتے اور ان کی بڑی عزت کرتے۔" (تہذیب التہذیب ج۷ صفحہ۲۳)

حوصلہ کی بلندی، خوش مزاجی اور وسعت صدر نے ایک مدرس حدیث سے ان کو مقبول عام بھی بنا دیا تھا۔

عبیداللہ کی احادیث

یہاں ہم سردست ان چند احادیث پر اکتفا کرتے ہیں جو ابو نعیم اصفہانی نے ان کے مسانید کے عنوان سے درج کی ہیں اس کے علاوہ حدیث کی ساری کتابوں میں ان کی حدیثیں موجود ہیں:

۱ :. حدثنا سلیمان بن احمد ...... عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ابن عباسؓ:. ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرّبشاۃ میتۃ فقال للدنیا اھون علی اللہ من ھذہ علی اھلھا.

۲ :. عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:. لو ان لی مثل احد ذھباً مایسرّنی ان یاتی علی ثلاث لیال وعندی منہ شیئی الا شیئی ارصدہ للدین"

۳ :. عن عبیداللہ بن عبداللہ عن عائشۃؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ما اسمعہ یقول:. ان اللہ لم یقبض نبیاً حتی یخیرّۃ" قالت فلما حضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اٰخر کلمتہ سمعتھا منہ یقول:. بل الرفیق الا علیٰ من الجنۃ" فلقت اذا واللہ لا یختارنا وعرفت انہ الذی کان یقول لنا ان نبینا لا یقبض حتی یخیرّہ" (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ۱۸۸)

۴ :. مالک من ابن شھاب عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؓ عن عبداللہ بن عباسؓ عن الصعب بن جثامۃ اللیثیؓ انہ اھدی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حماراً وحشیاً وھو بالابواء اوبودّان فردہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فلمارای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مافی وجھی قال انالم نردہ علیک الاانا حرم"

۵ :. عن عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ بن مسعودؓ ان رجلا من الانصار جاء الی

رسول الله صلى الله عليه وسلم بجارية له سوداء فقال يا رسول الله ان عليّ عتق رقبة مومنة فاعتق هذه فان كنت تراها مومنة اعتقها فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم اتشهدين ان لااله الاالله قالت نعم قال اتشهدين ان محمدا رسول الله قالت نعم قال اتؤمنين بالبعث بعد الموت قالت نعم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اعتقها "

۲ :. مالک عن ابن شهاب عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبه بن مسعودؓ عن ابى هريرهؓ وزيد بن خالد الجهنيؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن الامة اذازنت ولم تحصن فقال ان زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم ان زنت فاجلدوها ثم بيعوها ولوبضفير" (مؤطا امام مالک صفحہ ۱۳۷، ۲۲۶، ۳۵۰)

عبیداللہ اور فقہ واجتہاد

عبیداللہ فقہ و اجتہاد میں خاص شان رکھتے تھے اس فن میں ان کی امامت سب کے یہاں مسلم تھی سب مورخین نے ان کے وصف کو سراہا ہے خیرالدین زرکلی نے اعلام صفحہ ۳۵۰ میں، ابن حجر عسقلانی نے تہذیب ج ۷ صفحہ ۲۴ میں، ابو اسحاق الشیر ازی نے طبقات الفقہاء صفحہ ۲۵۷ میں، ابو الفرج علی بن الجوزی نے مناقب عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۴۴ میں، البلاذری نے انساب الاشراف صفحہ ۲۵۷ میں، ابن تغری بردی نے النجوم الزاہرہ صفحہ ۲۳۶ اور ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب صفحہ ۱۱۳ میں ان کی جلالت شان کو تسلیم کیا ہے ۔خود ان کے معاصرین کو بھی ان کی فقاہت مسلم تھی ابن عبدربہ نے ان کے معاصر سید الفقہاء سعید ابن المسیب کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ سعید نے ان سے ایک ملاقات میں کہا کہ آپ فقیہہ ہو کر شاعر ہیں؟ عبیداللہ کا جواب یہ تھا کہ: "لا بد للمصدور ان ينفث" (العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۹۴) مطلب یہ تھا کہ ہوں تو فقیہہ مگر کیا کروں اندر زکام ہو تو اس کا اظہار ہو ہی جاتا ہے ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے عبدالبر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

عبیداللہ مدینہ کے فقہاء عشرہ میں سے ایک تھے اور مدینہ ہی کے ان فقہاء سبعہ میں سے ایک تھے جن پر فتویٰ کا مدار تھا۔" (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۴)

عبیداللہ معلم کی حیثیت سے

یہ بات ضمناً پہلے آ چکی ہے کہ عبیداللہ بن عبداللہ کو عمر بن عبدالعزیز کے لئے معلم اور مودب ہونے کا شرف حاصل ہے جس زمانے میں عبدالعزیز بن مروان نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ میں صالح بن کیسان کی تربیت میں رکھا ہوا تھا اس وقت ہی سے عمر کو عبیداللہ کے علوم کی چاٹ لگ گئی تھی۔ مشہور مورخ ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی نے لکھا ہے:

"عبدالعزیز بن مروان نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ میں صالح بن کیسان کے پاس ادب سیکھنے کیلئے روانہ کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز اکثر اوقات عبیداللہ بن عبداللہ کے ہاں چلے جایا کرتے تھے اور علمی باتیں سنتے رہتے اس طرح وہ نماز میں دیر کر دیا کرتے تھے۔" (مناقب عمر صفحہ ۱۰)

یاد رہے کہ یہ صالح بن کیسان ہی عبیداللہ بن عبداللہ کے تلامذہ میں سے ہیں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے لئے عمر کو عبیداللہ کے پاس روانہ کیا تھا اور صالح اتالیق مقرر ہوئے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز کا تعلیم کی خاطر عبیداللہ کے پاس مدینہ جانے کا واقعہ اگرچہ بہت سے مورخین نے لکھا ہے لیکن ابن کثیر نے زبیر بن بکار کے حوالہ سے اس کی داستان ذرا مفصل لکھی ہے فرماتے ہیں:

"عمر بن عبدالعزیز میں اول رشد کے جو آثار نمایاں ہوئے یہ تھے کہ ان میں علم کے لئے وارفتگی اور ادب کا شوق پیدا ہوا ان کے والد عبدالعزیز مصر کے والی تھے ان کا خیال تھا کہ عمر کو مصر سے شام روانہ کیا جائے اس ارادے کا پتہ عمر کو ہوا تو اپنی رائے اپنے والد کے سامنے ظاہر کی ابا جان! اس کے علاوہ اور بھی شہر ہیں جو پیش نظر مقصد کے لئے مفید ہو سکتے ہیں والد نے کہاں اور کون؟ فرمایا کہ آپ مجھے مدینہ روانہ کیجئے میں وہاں فقہاء سے علم کی خوشہ چینی کروں گا ان سے آداب زندگی سیکھوں گا ان کی خواہش کے مطابق ان کو مدینہ روانہ کر دیا ان کے ساتھ خادم بھی روانہ کئے۔" (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۹۳)

عبیداللہ سے ان کا تعلق صرف تلمیذانہ نہیں بلکہ عقیدتمندانہ اور مریدانہ بھی تھا۔ ابو

الفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی نے جو واقعہ لکھا ہے اس سے ان کی عبیداللہ سے عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے لکھا ہے کہ:

"ایک بار ولید نے عمر کو کچھ کہا عمر نے فوراً جواب دے دیا ولید ناراض ہو گیا اور ناراض اتنا سخت کہ تنہائی کی قید کا حکم دیا عمر کی اہلیہ کا بیان ہے کہ تین روز تنہائی کی قید کاٹی بعد ازیں رہائی ہو گئی اس سے آپ بے حد کمزور ہو گئے تھے' فاطمہ نے علاج کرایا تندرست ہوئے فاطمہ کہتی ہیں میں نے ایک روز ان سے کہا کہ ولید کی درشتی آپ کو معلوم ہے اگر آپ کچھ مدارت سے کام لے لیں تو کیا حرج ہے؟ بولے فاطمہ میں تجھے ایک بات اس شرط پر بتاتا ہوں کہ میری زندگی میں کسی سے نہ کہنا فاطمہ نے کہا بہت اچھا فرمایئے بولے جس رات ولید نے مجھے قید کیا تھا اسی رات میرے پاس خواب میں ایک شخص آیا اور مجھ سے کہا " لیس للعلم فی الجھالۃ حظ " علم کی نگاہ پست ہوتی ہے میں نے دیکھا کہ کہنے والے میرے استاذ عبیداللہ بن عبداللہ ہیں خواب ہی میں ان کو میں نے سلام کیا بولے کہ ولید اللہ کے امر سے نادان ہے یہ کام اس لئے ہوا ہے کہ علم میں تیری بزرگانہ شان کا مظاہرہ ہو اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ دونوں کو یک جانہ رکھے فاطمہ بخدا میں جب بھی ولید کے خلاف اپنے اندر کوئی چیز پاتا ہوں تو عبیداللہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں" (مناقب عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۴۴)

یہ عبیداللہ کے علمی، عملی، اخلاقی اور باطنی کمالات کا ایک معمولی سا خاکہ ہے ہم چاہیں تو اسی اجمال سے ان کی زندگی کے تفصیلی خدوخال معلوم کر سکتے ہیں۔

عبیداللہ اور شعر و شاعری

یہ تو آپ ابن عبدالبر کی زبانی پہلے سن آئے ہیں کہ:

"صحابہ کے بعد آج تک میرے علم میں عبیداللہ جیسا نہ کوئی فقیہہ شاعر ہوا اور نہ کوئی شاعر فقیہہ ہوا۔" (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۴)

ایک شاعر کی حیثیت سے ان کا تعارف ادب و شعر کی مختلف کتابوں میں موجود ہے خیر الدین زرکلی نے لکھا ہے۔

" لہ شعر جید" (الاعلام صفحہ ۳۵۰)

ان کی شاعری میں غزل گوئی کا زیادہ رجحان، شاید اس دور کا اثر ہے جس میں عبیداللہ نے وقت گذارا ہے غزل جذبات کی تخلیقات کا دوسرا نام ہے کسی کی محبت کا دل میں خلش ہو جانا محبوب سے کسی بات پر دلگیر ہو جانا اور اس قسم کے دوسرے واقعات جن کا تعلق انسان کے جذبات سے ہے غزل کو پروان چڑھاتے ہیں۔

"عبیداللہ ایک بار عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے ان کے پاس عبداللہ بن عمرو بن عثمان بھی بیٹھے تھے جا کر سلام کیا مگر دونوں نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا اس سے عبیداللہ نے تعلق خاطر کی بنا پر دل گرفتگی محسوس کی اور اس شدت کا اظہار ان اشعار میں کیا"

فمسّا تراب الارض منها خلقتما	وفيها المعاد والمصير الى الحشر
ولا تانفا ان ترجعا فتسلّما	فماحشى الانسان شراً من الكبر
فلوشئت ادلى فيكما غير واحد	علانيةً اوقال عندى فى السرّ

(البیان والتبین ج ۱ صفحہ ۳۳۹)

ایک اور واقعہ عمر ہی کے بارے میں لکھا ہے کہ عبیداللہ کو کسی نے ان کے بارے میں کچھ باتیں ایسی پہنچا دیں جو عبیداللہ کو ناگوار ہوئیں۔ عبیداللہ نے اس ناراضگی اور ناگواری کا اظہار ان اشعار میں کیا:

ابا حفص اتانى عندك قول	قطعت به وضاق به جوابى
ابا حفص فلاادرى ارغمى	تريد بما تحاول ام عتابى
فان تك عاتبا نعتب والاّ	فماعودى اذاً بيراع غاب
وقد فارقت اعظم منك رزء ا	وواريت الاحبة فى التراب
وقد عزوا على واسلمونى	معاً فلبست بعدهم ثيابى

(العقد الفرید ج ۲ صفحہ ۹۴)

ابن عبدربہ نے ان کی ایک اور غزل لکھی ہے:

كتمت الهوٰى حتى اضربك الكتم	ولا مك اقوام ولو مهم ظلم

ولم علیک الکاشحون وقبل ذا — علیک الھوٰی قدنم لو نفع النم
فیا من لنفس لا تموت فینقضی — عناھا ولا تحیا حیاۃ لھاطعم
تجنبت اتیان الحبیب تاثما — الا ان ھجر ان الحبیب ھو الاثم

(العقد الفرید ج۲ صفحہ ۱۰۹)

عثمہ نامی عورت کو دل دے بیٹھے وہ رانڈ ہوگئی لوگوں نے عبیداللہ سے کہا نکاح کر لیجئے فرمایا مجھے اپنے پر اور اپنے عشق پر قابو کہاں ہے؟ اسی عثمہ کے بارے میں آپ کا خطبہ ابوتمام نے نقل کیا ہے:

شققت القلب ثم ذررت فیہ — ھواک خلیم فالتام الفطور
تغلغل حب عثمۃ فی فئوادی — فبادیہ مع الخافی یسیر
تغلغل حیث لم یبلغ شراب — ولا حزن ولم یبلغ سرور

(حماسہ ابوتمام باب النسیب)

اسی کے بارے میں آداب عربیہ کے مشہور فاضل استاد عبدالعزیز المیمن راجکوٹی نے ایک قطعہ کی ابوعلی کے حوالے سے نشاندہی کی ہے:

عذاب وظبئی اعضب القرن نادیا — بصرم ومردان العشی تصبح
لعمری لئن شطت بعثمۃ دارھا — لقد کنت من وشک الفراق الیح
فان کنت اغدوفی الثیاب تجملاً — فقلبی من تحت الثیاب جریح

(سمط اللآلی ج۲ صفحہ ۸۴۲)

مشہور مورخ ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ مدینہ میں ایک ہذلی عورت آئی حسن وجمال میں یگانہ روزگار تھی لوگوں نے رشتہ کی طرح ڈالنی شروع کی مگر سب کو ناکامی ہوئی عبیداللہ بھی اس میں شریک تھے انہوں نے ان حالات سے متاثر ہوکر یہ غزل کہی:

احبک حبا لو علمت ببعضہ — بحدت ولم یصعب علیک شدید
احبّک حبّالا یحبّک مثلہ — قریب ولا فی العاشقین بعید

وحبيبك ياام الصبى مدلهى — شهيدى ابو بكر فذاك شهيد
ويعلم وجدى قاسم بن محمد — وعروة ما القى بكم وسعيد
ويعلم ما عندى سليمان علمه — وخارجه يبدى بنا ويعيد
منى تسالى عما اقول فتخبرى — فلله عندى طارف وتليد

(شذرات الذہب ج ا صفحہ ۱۱۳)

عبیداللہ اور علم الانساب

عرب میں علم الانساب ایک جلیل القدر علم ہے۔ ابن قتیبہ نے معارف میں نسابین کی ایک فہرست دی ہے۔ الجاحظ نے دوسرے اکابر کے ساتھ عبیداللہ کا نام بھی شمار کیا ہے لکھتا ہے:

"من اصحاب الاخبار والنسب ابو بكر الصديق ثم جبير بن مطعم ثم سعيد ابن المسيب ثم محمد بن سعيد ثم قتادة وعبيدالله بن عبدالله بن عتبة المسعودى". (البیان والتبیین ج ا صفحہ ۲۳۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبیداللہ کی ذات گرامی ایک ہی وقت میں حدیث، فقہ، لغت، قرآن، شعر، تاریخ اور نسب میں امامت کے مقام پر فائز تھی یعنی عبیداللہ حدیث، فقہ اور علوم عربیہ کے ساتھ دوسرے علوم وفنون سے بھی واقف تھے اور اسی جامعیت کی وجہ سے لوگوں کی توجہات کا مرکز تھے۔

عبیداللہ کی خدمات

سب علوم میں ان کی علمی خدمات کا سرمایہ آج تک امت کے پاس علمی ذخائر کی صورت میں موجود ہے حدیث میں ارباب صحاح میں بخاری، مسلم، ابو داؤد اور ترمذی نے ان کی روایات کی تخریج کی ہے فقہ میں ان کے آثار سے ائمہ مذاہب نے استفادہ کیا ہے امام اعظم کے مسانید، امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، امام محمد کی جامع الکبیر امام مالک کا موطا اور مدوّنہ امام شافعی کی کتاب الامّ اور امام احمد کے مسند میں بھی ان کے فتاوی موجود

ہیں عربی ادب کی کتابوں کے لئے ان کے اشعار زیور ہیں ابو تمام نے حماسہ میں ابو الفرج ابن الجوزی نے الاغانی میں علامہ راجکوٹی نے سمط اللالی میں ان کے اشعار کو جگہ دی۔ عبیداللہ کی یہی علمی جلالت قدر ہے کہ ان کی وفات کے وقت عمر بن عبدالعزیز جیسا دوست شخص یہ تمنا کرتا تھا کہ:

اگر مجھے زمانہ فرمانروائی میں عبیداللہ مل جاتے تو میرا معاملہ آسان ہو جاتا۔"

(صفۃ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۷۵)

اور اس جلالت شان کی وجہ سے عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانے میں ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا تھا ابن تغری بردی رقمطراز ہے:

"۷۲ھ میں مدینہ کا گورنر طارق اور کوفہ کا بشیر بن مروان تھا اور کوفہ کے قاضی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ تھے۔" (النجوم الزاہرہ ج ۱ صفحہ ۱۸۸)

عبیداللہ حضرت معاویہؓ کے زمانے میں فقہ کی اس اکادمی کے رکن تھے جس کے روزانہ اجلاس مسجد نبوی میں منعقد ہوتے تھے چنانچہ امام زہری قبیصہ کی زبانی نقل کرتے ہیں:

"ہم معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں رات کو مسجد میں علمی اجتماع کرتے تھے اس میں میں خود یعنی قبیصہ، مصعب بن الزبیر، عروۃ ابن الزبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبدالملک بن مروان، عبدالرحمٰن بن المسور، ابراہیم بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ شریک ہوتے تھے۔" (انساب الاشراف صفحہ ۲۵۷)

عبداللہ کے تلامذہ

ان کے تلامذہ کی فہرست اگرچہ بڑی طویل ہے ان میں زیادہ مشہور تلامذہ کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں تذکرہ کیا ہے وہ یہ ہیں:

"عون بن عبداللہ، ابن شہاب الزہری، سعد بن ابراہیم، ابوالزناد، صالح بن کیسان، عراک بن مالک، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابوبکر بن ابی الجہیم، ضمرہ بن سعید، طلحہ بن یحییٰ، عبداللہ بن عبدہ، عبدالمجید بن سہیل اور خصیف الجزری۔" (تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۲۴)

ان میں سے ہر ایک کے احوال کتب رجال میں موجود ہیں یہاں ان سب پر

تبصرہ دشوار ہے لیکن مشتے از خروارے ہم یہاں ایک شخصیت پر اجمالی تبصرہ کرتے ہیں تا کہ اس سے ان کے تلامذہ کے بارے میں کچھ اندازہ ہو سکے۔

ابوالزناد

عبداللہ بن ذکوان نام اور کنیت ابو الزناد ہے خاندان قریش سے تعلق کی وجہ سے ان کو ابن حجر بھی کہتے ہیں انہوں نے عبیداللہ کے ساتھ دوسرے اساتذہ فن کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہے مثلاً حضرت انسؓ، عائشہ بنت سعد، ابو امامہ بن سہل، سعید بن المسیب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابان بن عثمان، خارجہ بن زید، عروۃ ابن الزبیر، عمرو بن عثمان، علی ابن الحسین اور اعرج وغیرہ۔

محدثین کے نزدیک ان کا کس قدر مقام اونچا ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ابو ہریرہؓ جو محدثین کے یہاں علی الاطلاق حافظ ہیں ان کی وہ مرویات روائتی نقطہ نظر سے سب سے زیادہ معتبر اور سب سے زیادہ صحیح ہیں جو بحوالہ ابوالزناد عن اعرج عن ابی ہریرہؓ آئیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

"اصح الاسانید ابوالزناد عن الاعرج عن ابی هريرة."

(خلاصہ تہذیب الکمال للخزرجی صفحہ)

ان کے معاصر ربیعۃ الرائے بھی ہیں جو امام مالک کے اساتذہ میں سے ہیں اور جن کو صحابہ اور فقہائے سبعہ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کر نیکا شرف حاصل ہے جن کے بارے میں ذہبی نے "کان اماماً حافظاً فقیهاً مجتهداً" لکھا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۴۸) اور جن کو خطیب بغدادی نے "کان فقیهاً عالماً حافظاً للفقه والحدیث" سے تعارف کرایا ہے محدثین نے ابوالزناد کا ان سے موازنہ کیا ہے ابو زرعہ دمشقی نے امام احمد کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ " ابو الزناد اعلم من ربیعة "(تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۰۴) امام سفیان ثوری ان کو حدیث میں امیر المومنین کہتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۲۷) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ:

"میں مدینے آیا تو میں ابوالزناد کے پاس آیا اور ربیعہ سے بھی ملا لوگ ربیعہ پر گر رہے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں ابو الزناد زیادہ فقیہہ ہیں میں نے ابو الزناد

سے کہا کہ فقیہہ آپ ہیں اور کاروبار ربیعہ کا چل رہا ہے۔" (تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۰۴)

مدینہ کی فضا میں ان کا مدرسہ پہلے بہت چمکا اگر چہ ربیعہ کی وجہ سے بعد کو کچھ رنگ پھیکا پڑ گیا جیسا کہ ابھی امام ابوحنیفہ کی زبانی سن چکے ہیں۔

مدینہ میں ابوالزناد کی درسگاہ

ابو الزناد علوم وفنون میں چونکہ بالکل اپنے استاد عبیداللہ کی کاپی تھے جیسے ان کو جامعیت کا مقام حاصل تھا یہ بھی ایسے ہی شان جامعیت رکھتے تھے اس لئے ان کی درسگاہ میں صرف قرآن وحدیث کے ہی طلبہ نہیں بلکہ مختلف علوم اور فنون کے طلبہ کا ہجوم تھا اور اتنا ہجوم کہ عبدربہ کا بیان ہے:

"میں نے ابوالزناد کو مسجد نبوی میں جاتے دیکھا آپ کے ساتھ طلبہ کا اتنا ہجوم تھا کہ جیسے بادشاہوں کے ساتھ کاسہ لیسوں کا ہوتا ہے۔" (تہذیب التہذیب ج ۵ صفحہ ۲۰۴)

اور حافظ ذہبی نے لیث بن سعد کا اس موضوع پر یہ بیان لکھا ہے:

"میں نے ابوالزناد کی مجلس میں فقہ، ادب وشعر اور مختلف علوم وفنون کے تین سو طلبہ دیکھے ہیں۔" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۲۷)

دوسرے علوم وفنون کے ساتھ ان کو حساب وکتاب میں خاص مہارت تھی۔

"وکان صاحب کتابۃ وحساب" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۲۷)

الغرض ابوالزناد کی شخصیت اپنے زمانے میں ایک علمی شخصیت تھی ۱۳۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

وفات

ان کی تاریخ وفات پر مورخین کے یہاں قدرے اختلاف ہے ذہبی نے ۹۸ھ کو ترجیح دی ہے اور یہی اکثریت کی رائے ہے طبقات الفقہاء صفحہ ۲۸ میں ابو اسحاق الشیرازی نے اسی کو اپنایا ہے شذرات الذہب صفحہ ۱۱۳ میں ابن العماد حنبلی کا اور النجوم الزاہرہ صفحہ ۲۳۶ میں ابن تغری بردی کا رجحان بھی یہی ہے۔ اگر عمر بن عبدالعزیز کی جانب منسوب یہ بیان صحیح ہے کہ:

" لو ادرکنی عبیداللہ اذوقعت فیما وقعت فیہ لھان علیّ ما انا فیہ".

(صفۃ الصفوۃ ج۲ صفحہ۴۲)

تو پھر ۹۸ھ ہی صحیح تاریخ وفات معلوم ہوتی ہے کیونکہ عمر بن عبدالعزیز ۹۹ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۱۰۱ھ میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔

اقوال زریں

عبیداللہ کے علم میں صرف وسعت ہی وسعت نہیں بلکہ عمق اور گہرائی بھی تھی اس لئے ان کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے حکیمانہ ارشادات اہل علم میں بڑی قدر و منزلت رکھتے۔ وہ فرماتے تھے:

برائیوں کے بعد نیکیوں کے کیا ہی کہنے ہیں اور نیکیوں کے بعد برائیوں کا مقام بد ترین ہے۔ اور حسن میں اس سے بھی بلند یہ ہے کہ نیکیوں کا نیکیوں کے ساتھ رشتہ قائم ہو جائے اور برائی میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ برائیوں کے بعد اور برائی کرے۔"

(العقد الفرید ج۶ صفحہ ۱۳۵)

ان کا یہ شعر کیا حکیمانہ ہے:

ان کنت تعلم ماتاتی وما تذر　　فکن علیٰ حذر قد ینفع الحذر

ان کا یہ شعر کیا اچھا ہے:

فان کنت اغدوفی الثیاب تجملاً　　فقلبی من تحت الثیاب جریح

===============

5

ابوبکر ابن عبدالرحمٰن

فقہ کے امام' تھوڑے گمنام

(۲۳ھ تا ۹۴ھ)

نام وکنیت

بعض ان کا نام محمد بتاتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کا نام کوئی نہیں بلکہ کنیت ہی ان کا نام ہے ابن سعد رقمطراز ہیں: "لیس لہ اسم کنیتہ اسمہ" (طبقات ج۵ صفحہ ۲۰۸) ابن حجر بھی ابن سعد کے ہم زبان ہیں:۔ "والصحیح ان اسمہ وکنیۃ واحد" (تہذیب التہذیب ج۱۲ صفحہ ۳۰) مشہور مورخ ابوجعفر الطبری کی بھی یہی رائے ہے کہ: "اسمہ کنیتہ لیس لہ اسم غیرھا"

امام نووی نے بھی اس کو راجح قرار دیا ہے "والصحیح ان اسمہ کنیتہ".
(تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۱۹۴)

ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۹۸ میں، ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب ج۱ صفحہ ۱۰۴، ابواسحاق الشیرازی نے طبقات الفقہاء صفحہ ۲۸ میں اس کی تائید کی ہے امام ذہبی نے ان کو تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۵۶ میں "الفقیہ" ابن خراش نے "احدائمۃ المسلمین" (تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۱۹۴) ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۸۸ میں "الفقیہ الوجیہ العابد" کے خطابات سے نوازا ہے اور ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۹۸، میں ابن العماد نے شذرات الذہب ج۱ صفحہ ۱۰۴، میں ابواسحاق الشیرازی نے طبقات الفقہاء صفحہ ۲۸ میں اور مصعب زبیری نے کتاب نسب

قریش صفحہ ۳۰۴ میں ''راہب قریش'' اور زبیر ابن بکاء نے ''راہب المدینہ'' کے لقب سے ان کو ملقب کیا ہے حافظ ابو نعیم اصفہانی نے اسکی وجہ یہ بتائی ہے کہ:۔

''محمد بن اسحاق ثقفی کہتے ہیں کہ میں نے کتاب ابی حسان میں دیکھا ہے کہ ابو بکر بن عبدالرحمٰن کو کثرت نماز کی وجہ سے راہب قریش کہا جاتا تھا۔''

(حلیۃ الاولیاء ج ا صفحہ ۱۸۸)

خیرالدین زرکلی نے الاعلام میں اس کی تائید کی ہے۔

ماں باپ

علامہ ابن الاثیر نے ان کے والد کا چہرہ اس طرح لکھا ہے:

''ان کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے ان کی کنیت ابو محمد ہے ان کی والدہ ولید بن مغیرہؓ کی صاحبزادی فاطمہؓ ہیں۔ مصعب زبیری کا بیان ہے کہ حضور انورﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر دس سال تھی دیانت و تقویٰ اور علم و عمل میں ان کو اپنے وقت میں درجہ امامت حاصل تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، اور حضرت علیؓ، جیسے اجلّہ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے ان کے والد ہشام بن حارث کی وفات ''طاعون عمواس'' کے حادثہ میں ہوئی والد کی وفات کے بعد ان کی والدہ کی فاروق اعظمؓ سے شادی ہوئی عبدالرحمٰن نے حضرت عمرؓ ہی کی گود میں تربیت اور تعلیم پائی ہے' ان کا پہلا نام ابراہیم تھا' حضرت عمرؓ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا ان کی شادی حضرت عثمانؓ کی لڑکی مریم سے ہوئی ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو حضرت عثمانؓ نے نقل مصاحف کے کام پر لگایا تھا۔ حضرت عثمانؓ پر جب بلوائی حملہ آور ہوئے تو یہ حضرت عثمانؓ کے پاس گھر میں موجود تھے' اس حادثے میں زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے' ان کی وفات خلافت معاویہ میں ہوئی۔ (اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۸۴) ابن الاثیر کی یہ بات کہ عبدالرحمٰن کی عمر حضور انورﷺ کی وفات کے وقت صرف دس سال تھی تاریخ کی روشنی میں کچھ جچتی نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسے مصعب زبیری کا وہم قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ:

''بل کان صغیراً'' اور چھوٹے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:

''ان کے والد بزرگوار نے طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں انتقال فرمایا ہے ان کی

والدہ سے حضرت عمرؓ نے شادی کی ہے اور انہوں نے آغوش عمرؓ میں پرورش پائی ہے۔
"(الاصابہ ج۳ صفحہ ۶۱)

یہ بات بھی قرین قیاس ہے عبدالرحمٰن کا خود کہنا ہے:۔ "ما رایت ربیباً خیرا من عمر بن الخطاب". (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۵)

اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان کی عمر حضور انور ﷺ کی وفات کے وقت دس سال تھی زیادہ سے زیادہ انہوں نے حضور انور ﷺ کی حیات مبارکہ میں عمر کی چار بہاریں دیکھی ہیں اور ان کی عمر وصال نبوتؐ کے وقت صرف چند سال کی ہے اور ۱۸ ھ میں طاعون عمواس میں اس حساب سے ان کی عمر صرف بارہ سال کی ہوتی ہے شاید ابن حبان نے اسی لئے یہ بات لکھ دی ہے کہ:

"ولد فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم ولم یسمع منه"

(الاصابہ ج۳ صفحہ ۶۱)

ابن سعد نے بھی عبدالرحمٰن کے مفصل حالات لکھے ہیں فرماتے ہیں:

"عبدالرحمٰن ابو بکر کے والد جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے اور حضرت عائشہؓ یہ تمنا کرتی تھیں کہ اگر میں بصرہ جانے کی بجائے اپنے گھر میں رہتی اور مجھے رسول اللہ ﷺ سے اولاد نصیب ہوتی اور ہر بچہ ابو بکر جیسا ہوتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔"

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۶)

ابن سعد ہی نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ عبدالرحمٰن کثیر الاولاد تھے ان کے سترہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں تھیں۔ (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۶)

ابو بکر بن عبدالرحمٰن کی والدہ کا نام فاختہ بنت عتبہ ہے ان فاختہ سے عبدالرحمٰن کے، چھ لڑکے ہیں یعنی ابو بکر، عمر، عثمان، محمد، عکرمہ اور خالد۔ (جمہرۃ انساب العرب ج۱ صفحہ ۱۴۵)

ابن سعد نے ان ہی فاختہ سے چار لڑکیوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ (طبقات ج۵ صفحہ ۶)

نسب اور خاندان

ابو بکر کے والد کی جانب سے ان کا نسب یہ ہے:

"عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن

یقظہ بن مرہ۔" (طبقات ج ۵ صفحہ ۵)

حافظ ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۱۴۵ میں اور مصعب زبیری نے کتاب نسب قریش صفحہ ۳۰۲ میں اسی کی تائید کی ہے اس لحاظ سے ابوبکر خاندان قریش کی شاخ مخزوم سے تعلق کی وجہ سے مخزومی اور قرشی ہیں اور چھٹی پشت میں ابوبکر جناب رسول اللہ ﷺ سے مل جاتے ہیں ــــ ابوبکر کی والدہ کی جانب سے ان کا نسب نامہ یہ ہے:

" فاختہ بنت عتبہ بن سہیل بن عمرو " (جمہرہ ج ۱ صفحہ ۱۴۵)

مصعب زبیری نے اس سے بھی آگے بتایا ہے:

"بن عبدشمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل۔" (نسب قریش صفحہ ۳۰۴)

ولادت

خیر الدین زرکلی نے الاعلام میں ابو اسحاق الشیرازی نے طبقات الفقہاء میں ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۹۸ میں تصریح کی ہے کہ:۔ " ولد فی خلافة عمر " ابن سعد نے بھی محمد بن عمر کے حوالہ سے یہ بتایا ہے کہ:

" ولد ابوبکر فی خلافة عمر بن الخطاب " (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۰۷)

اگر ابوبکر کے دادا کا انتقال ۱۸ ہجری میں طاعون عمواس سے ہوا ہے جیسا کہ ابن سعد نے طبقات صفحہ ۵ پر تصریح کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابوبکر کے والد کی عمر اپنے باپ کی وفات کے وقت صرف بارہ سال کی ہوئی ۱۸ھ میں اگر ان کی عمر بارہ سال ہے تو ۲۲ھ میں سترہ سال کی عمر میں عبدالرحمٰن کی شادی ہوئی اور ۲۳ھ خلافت عمرؓ کے آخری سال میں ابوبکر کی ولادت ہوئی اس طرح ابوبکر ان کے پہلوٹھے ہوئے۔ ساتھ ہی ہمیں یہ تصریح ملتی ہے کہ جنگ جمل میں ابوبکر و عروہ کو چھوٹا ہونے کی وجہ سے شریک جنگ نہیں کیا گیا جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۰۳ میں اور ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۴ میں تصریح کی ہے اگر یہ واقعہ ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ ابوبکر کی تاریخ ولادت حضرت عمرؓ کی خلافت کا آخری سال ہے یعنی ۲۳ھ۔ حضرت عمرؓ کی شہادت ذی الحجہ ۲۳ھ میں ہوئی ہے ابوبکر کی ولادت بھی اسی سن میں ہوئی ہے اگر جنگ جمل ۳۶ھ میں ہوئی ہے تو اس وقت ابوبکر کی عمر صرف تیرہ سال کی ہوتی ہے امام ذہبی رقمطراز ہیں:

"ابوبکر کو جمل والے دن چھوٹا قرار دے کر طلحہؓ اور زبیرؓ کے لشکر سے واپس کر دیا گیا۔" (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۶۰)

تعلیم وتربیت

ابوبکر عدم سے وجود میں فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت میں آئے بچپنا اور اپنا پورا کا پورا زمانہ خلافت عثمانؓ میں گذارا ان کی تعلیم وتربیت کے دور کا آغاز حضرت عثمانؓ ہی کے زمانے میں ہوا ہے ان کے والد کا انتقال ابن سعد کی تصریح کے مطابق خلافت معاویہؓ میں ہوا ہے اور چونکہ ان کے والد نے ہوش کے زمانے میں فاروق اعظمؓ کے سایہ عاطفت میں پورے چھ سال گزارے ہیں اس لئے ابوبکر کو گھر میں ایسی بہترین علمی شخصیت کی آغوش ملی ہے جس سے دوسرے محروم رہے۔ ان کے والد کے علمی کمالات ہی کی بنا پر صرف ابوبکر کے بارے میں نہیں بلکہ ان کے سارے بھائیوں کے متعلق لکھا ہے کہ:

"ابوبکر وعمر، عکرمہ، عبداللہ، بنو عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام "کلھم اجلۃ ثقات یضرب بھم المثل". (تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۱)

عبدالرحمٰن کی شان علمی اور جلالت قدر کے بارے میں یہ بات غالباً پہلے گزر چکی ہے کہ:

"کان ممن ندبہ عثمان بن عفانؓ لکتابۃ المصاحف من شباب قریش"

(الاصابہ ج ۳ صفحہ ۶۶)

اس کے ساتھ ابوبکر کے والد کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی شادی عثمانؓ بن عفان کی لڑکی سے بھی ہوئی ہے اس طرح ان کے والد فاروق اعظمؓ اور عثمانؓ کی امانتوں کے گہوارے تھے۔۔۔۔۔ (الاصابہ ج ۳ صفحہ ۶۶)

اس گردوپیش اور علمی ماحول میں ابوبکر کی تعلیم وتربیت ہوئی یہ اپنے والد بزرگوار کے ان تلامذہ میں سے ہیں جن سے ان کے والد بہت پیار کرتے تھے والد کی وساطت سے فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کے سارے علوم ابوبکر کو ورثہ میں ملے ہیں۔۔۔۔ اپنے والد کے علاوہ ان کو اجلّہ صحابہ سے بھی استفادہ کا موقعہ ملا ہے۔

ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے مشائخ اور اساتذہ

جن گرامی قدر علمی ہستیوں سے ابوبکر نے خوشہ چینی کی ہے یا جن کی توجہات نے ابوبکر میں فقہی ذوق اور حدیث شوق پیدا کیا ہے اگرچہ ان کی تعداد کے بارے میں حتما کچھ نہیں کہا جا سکتا تاہم محدثین و مورخین نے جن حضرات کے اسمائے گرامی پیش کئے ہیں یہ ہیں:

''عبدالرحمٰن بن الحارثؒ، ابوہریرہؓ، عمار بن یاسرؓ، نوفل بن معاویہؓ، عائشہؓ، ام سلمہؓ، امام معقل الاسدیہ، عبدالرحمٰن بن مطیع، ابومسعود الانصاری۔'' (تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۱۲)

حافظ نووی نے تہذیب الاسماء ج ا صفحہ ۱۹۴ میں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۵۹ میں ابوبکر کے اساتذہ کی فہرست دی ہے صرف یہی اساتذہ نہیں بلکہ ان کے اساتذہ بے شمار ہیں کیونکہ ابوبکر نے پورا زمانہ عثمانؓ، پورا زمانہ خلافت علی مرتضیٰؓ پایا ہے اس لئے اس کے اساتذہ کا کوئی احصاء نہیں کہا جا سکتا۔

ابوبکر پر اساتذہ کا اثر

ابوبکر اپنے والد محترم عبدالرحمٰن بن الحارث سے بے حد متاثر تھے اس لئے ان پر بجائے روایت حدیث کے تفقہ غالب تھا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ محدث نہ تھے وہ فقیہہ بھی تھے اور محدث بھی تھے لیکن ان پر ذوق فقاہت غالب تھا اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کے والد کو یہ ذوق فاروق اعظمؓ سے وراثت میں ملا تھا۔ اگرچہ آغاز کار ہی سے تین علمی مدرسے قائم تھے مدرسہ قرآن، مدرسہ حدیث اور مدرسہ فقہ---- فقہ چونکہ خود قرآن و حدیث کا نچوڑ، لب لباب اور خلاصہ کا نام ہے اس لئے یہ علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے چونکہ آخری درجہ ہے اس لئے مقصود اور مطلوب بھی یہی ہے قرآن نے مسلمانوں کو اس کے سیکھنے کیلئے رحلت علمی کی تلقین کی ہے۔ "**فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين**" صحابہ میں اس مدرسہ کی سربراہی فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عائشہ صدیقہؓ جیسے اکابر کو حاصل تھی ابوبکر اپنے والد کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے اسی مدرسہ سے وابستہ تھے لیکن اس کے ساتھ ہی چونکہ ان کو ابوہریرہؓ کا تلمذ بھی حاصل تھا اس لئے مدرسہ حدیث سے بھی تعلق تھا اسی بنا پر ان کے تعارف میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

" كان من الثقة والامانة والفقه وصحة الراوية على جانب عظيم"
(البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۱۶)

ابوبکر کا علم اور اس کے مصادر

ابوبکر کی زندگی ہی میں ان کے علم کی شہرت تمام اطراف مملکت میں ہو گئی تھی مدینہ میں تو تھی ہی مکہ میں بھی ان کی علمی جلالت کا آوازہ ان کے قیام مکہ کے زمانہ میں گشت کر رہا تھا۔ جامع بن شداد کا بیان ہے کہ:

" ہم حج کے ارادے سے مکہ پہنچے میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ مکہ والوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے مجھے بتایا گیا کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث۔"

(طبقات ج۲ صفحہ ۱۸۵)

ابن سعد کا ان کی جلالت علمی کے بارے میں بیان ہے:

" كان فقيهاً كثير الحديث عالماً عاقلاً سخياً " (طبقات ج۵ صفحہ ۲۰۸)

ابن خلکان نے ان کے تذکرے میں جہاں فقہائے سبعہ کی وجہ تسمیہ لکھی ہے وہاں بتایا ہے کہ: " اس نام سے ان فقہاء کے موسوم ہونے کی وجہ یہ اور صرف یہ ہے کہ صحابہ کے بعد مسائل و فتاویٰ کیلئے یہ بزرگ مرکزی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی اس بارے میں معاشرے میں شہرت تھی حالانکہ ان ہی کے زمانے میں اور بھی تابعین کی جماعت تھی اور وہ علماء بھی تھے مثلاً سالم بن عبداللہ وغیرہ لیکن فتویٰ اور مسائل میں رائے عامہ کا اعتماد ان ہی بزرگوں کو حاصل تھا۔" (وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۹۸)

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ابوبکر کا فقہائے سبعہ میں سے ہونا ہی ان کے علم کی جلالت شان کی غمازی کرتا ہے عبداللہ بن ذکوان ابوالزناد مدینہ کے مشہور فقیہہ ہیں اور عبدالرحمٰن الاعرج کے راوی یہ ہیں جن کو سفیان ثوری امیر المؤمنین فی الحدیث اور امام ابوحنیفہ "افقہ" کہتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۱۲۷) ان کے حوالہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ:

" میں فقہاء اور علماء مدینہ میں سے ان لوگوں کو ملا ہوں جن سے رائے عامہ راضی اور علم و فتویٰ میں جن کے علم پر اعتماد تھا اور جن کو علم کی چکی کی کلّی اور بس کی گانٹھ سمجھا جاتا

تھا۔" (تہذیب التہذیب ج ۲ صفحہ ۳۱)

ان کا فقہاء سبعہ میں ہونے کے ساتھ عمر بن عبدالعزیز کی مشاورتی کونسل میں ہونا بھی اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ ان کے علم کی داستان حیات صرف اتنی نہیں ہے جتنی ہمیں رجال کی کتابوں سے معلوم ہوتی ہے ان کو قرآن سے لگاؤ تھا وہ علم قرآن پر اس درجہ حاوی تھے کہ اس کے مفصل اور مجمل، مطلق اور مقید، خاص اور عام تمام پہلوؤں پر ایک مجتہد ہونے کی حیثیت سے نظر رکھتے تھے۔۔۔

وہ احادیث، فتاویٰ صحابہؓ اور آثار کے علم میں مشہور تھے۔۔۔

وہ استنباط احکام اور استخراج میں اپنی مثال آپ تھے۔۔۔

ان مصادر پر ابھرے ہوئے اگر نقوش و مظاہر دیکھنے ہوں تو امام شافعی کی "کتاب الام" امام مالک کے "المدونہ" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

ابوبکر کے مواہب شخصی

ابوبکر بن عبدالرحمٰن میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کسی بھی شخص کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا باعث ہو سکتی ہیں اس قیمتی اور بیش بہا علمی سرمایہ پر جوان کو اپنے والد اور جلیل القدر صحابہؓ کے علمی مصادر سے حاصل ہوا تھا جس کے باعث ان کو مکہ میں "اعلم اھل مکہ" کہا جاتا تھا ان کو کچھ اوصاف اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص طور پر ارزانی ہوئے تھے۔

وہ فقاہت اور روایت کے ساتھ ثقاہت اور نزاہت نفس جیسی خوبیوں سے مالا مال تھے نہایت پاک نفسی اور پاک بازی ان کی طبعیت ثانیہ تھی کثرت عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغولیت ان کی زندگی کے تقاضوں میں سے اہم تقاضا تھا اس بہتات عبادت کی وجہ سے رائے عامہ نے ان کو راہب کے نام سے پکارنا شروع کر دیا چنانچہ محمد بن اسحاق کی زبانی اس کی تصریح آئی ہے:

"یقال له راھب قریش لکثرۃ صلاته" (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۸۸)

علامہ نووی نے لکھا ہے کہ ابوبکر کی ذات عرب میں ثقاہت کیلئے ضرب المثل تھی۔ (تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۱۸۵)

امام شعبی نے عمر بن عبدالعزیز کے حوالہ سے بتایا ہے کہ ابو بکر صائم الدہر تھے:
کان یصوم ولا یفطر (تہذیب التہذیب ج۲ صفحہ ۳۱) ابو بکر کا دوسرا مایہ ناز وصف ... نزاہت نفس تھی ان کی زندگی میں اس کی صورتیں اور شکلیں مختلف تھیں آپ بڑے ہی خود... تھے کسی دوسرے کے سامنے نگاہیں نیچی ہونا کبھی گوارا نہیں کرتے تھے اس اعتبار سے ابو... عفت کے بلند ترین مقام کے مالک تھے وہ مباحات میں بھی حد درجہ محتاط تھے ان ... نزاہت نفس، خودداری اور عفت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے جو ابن سعد نے عثمان ... محمد کے حوالہ سے لکھا ہے فرماتے ہیں کہ:

"عروۃ ابن الزبیر نے مصعب ابن زبیرؓ کے بیٹوں کا کچھ سرمایہ بطور امانت ... ابو بکر بن عبدالرحمٰن کے پاس رکھ دیا اتفاقی حادثہ میں یہ امانت ضائع ہوگئی عروہ کو جب ... امانت کے ضائع ہونے کا واقعہ معلوم ہوا تو ابو بکر کے پاس پیغام روانہ کر دیا کہ آپ امین تھے آپ پر کوئی تاوان نہیں ہے ہم آپ سے کچھ نہ لیں گے آپ نے جواباً فرمایا کہ مسئلہ مجھے بھی علم ہے کہ میں امین ہوں اور مجھ پر تاوان نہیں ہے لیکن مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ لوگوں میں یہ بات کہیں کہ میری امانت خورد برد ہوگئی ہے آپ نے اپنا جانور فروخت کر کے امانت کی ادائیگی کر دی۔" (طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۲۰۸)

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ابو بکر اپنے نفس کے ساتھ کتنے بخیل تھے کہ وہ جائز اور مباح معاملے میں بھی نہ دوسروں سے فائدہ اٹھانا گوارا کرتے تھے اور دوسروں کے لئے کتنے سخی تھے کہ گنجائش کے باوجود دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں اپنی عزت محسوس کرتے تھے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی درجے میں غلط شہرت گوارا نہ کرتے تھے ان میں خودداری اور عزت نفس کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور تو اور اس معاملے میں وہ رشتے داروں کے سامنے بھی نگاہیں نیچی کرنا گوارا نہ کرتے تھے۔

علامہ مصعب زبیری نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جس سے ان کی خودداری اور عزت نفس کا اندازہ ہوسکتا ہے:

"کہتے ہیں کہ اسد بن خزیمہ کے کچھ لوگ ابو بکر کے پاس اس غرض سے آئے کہ جن خونوں کا خون بہا ان کو ادا کرنا ہے اس میں ابو بکر کا تعاون حاصل کریں ابو بکر نے داستان سن کر چار دیتوں کی ذمہ داری لے لی لیکن چار دیتوں کی ادائیگی ابو بکر کی طاقت سے

بالاتھی ایک روز اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کہا کہ اپنے چچا مغیرہ کے پاس جاؤ اور ان کو کہانی سناؤ اور ان سے اس سلسلے میں کچھ امداد لو ان کے صاحبزادے مغیرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور والد محترم کا پیغام سنایا مغیرہ نے کہا تمہارے والد نے تو ہمیں بہت ہی پریشان کر دیا ہے صاحبزادے یہ سن کر واپس آ گئے کئی دن گزر گئے لیکن اپنے والد کو چچا کے جواب سے قطعاً آگاہ نہیں کیا روزانہ والد کو مسجد لے جاتے تھے ایک دن راستہ میں والد نے پوچھ لیا کہ کیا تم اپنے چچا مغیرہ کے پاس گئے تھے بولے کہ جی ہاں اور یہ کہہ کر چپ ہو گئے ابوبکر صاحبزادے کے سکوت سے تاڑ گئے کہ چچا نے توقع پوری نہیں کی فرمایا بیٹا چچا کے جواب سے مجھے آگاہ نہ کرو اگر وہ نہیں کر سکتا تو میں الحمدللہ کر سکتا ہوں صبح مجھے بازار لے چلنا اور کچھ عرصہ کیلئے مجھے سامان خرید دینا صاحبزادے دوسرے روز صبح گئے اور والد محترم کو غلہ اور زیتون وغیرہ خرید کر دیئے ابوبکر نے بازار میں کچھ کاروبار کیا اور اتنا نفع کما لیا کہ اس قابل ہو گئے کہ بیٹے سے کہا اسد بن خزیمہ کے لوگوں کو یہ خون بہا دے آؤ۔"

(کتاب نسب قریش صفحہ ۳۰۴)

ابوبکر کے افکار و آراء

ابوبکر اپنے کردار کے لحاظ سے ملنسار اور شیر و شکر رہنے کی پالیسی پر عمل پیرا تھے وہ وقت کے سیاسی جھمیلوں سے الگ تھلگ اور وقتی شورشوں سے بے رخ ہو کر علمی زندگی گزارتے تھے نہ تو وہ مناقشات میں حصہ لیتے تھے اور نہ وہ اپنی جلالت علمی کی بنا پر کسی قسم کی آویزش کو ناپسند کرتے تھے وہ سیاسی ناخوشگواریوں میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے درمیان برزخ تھے ان کے دونوں سے یکساں خوشگوار تعلقات تھے اس دور میں جبکہ اکابر دو حصوں میں منقسم تھے۔

کچھ اقتدار سے تعاون کرنے والے ـــــ اور کچھ حزب اختلاف کا ساتھ دینے والے ابوبکر نے اپنے آپ کو اپنے اعمال، اخلاق اور علم کے لحاظ سے کچھ ایسے سانچے میں ڈھال لیا تھا کہ دونوں ان کا یکساں احترام کرتے تھے اور ان کو دونوں کا اعتماد حاصل تھا نہ وہ قاسم بن محمد کی طرح ابن حبان کی تصریح کے مطابق کان صموتا کا مصداق تھے اور نہ سعید ابن المسیب کی طرح حزب اختلاف کی قیادت کر رہے تھے بلکہ افراط و تفریط کی دونوں

راہوں سے ہٹ کر انہوں نے اپنے لئے اعتدال کی نئی شاہراہ بنائی تھی یہ راہ ان دونوں کے بین بین تھی وہ حکمرانوں سے ملتے تھے ان سے تعلقات رکھتے تھے اور ان کی مرضی کے مطابق ذمہ دارانہ مناصب بھی قبول کر لیتے تھے۔

ابوبکر اپنے اس مسلک میں ایک خاص امتیازی مقام رکھتے تھے۔ جس زمانے میں مدینہ کا گورنر اسماعیل بن ہشام تھا اور اس نے سعید ابن المسیب کو عبدالملک کے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کی ولائیت عہد کی بیعت نہ کرنے کی پاداش میں جیل ڈال دیا تھا حکمران جماعت نے سعید سے جیل میں بات چیت کرنے کیلئے ابوبکر ہی کو منتخب کیا ابن سعد نے طلحہ بن محمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"سعید ابن المسیب کے پاس جیل میں ابوبکر گئے اور بیعت کے موضوع پر سعید سے گفتگو کی ان سے یوں گویا ہوئے کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور سٹھیا گئے ہیں سعید نے جواب دیا کہ ابوبکر! اللہ سے ڈر اس کا ساتھ دے ابوبکر ان کو بار بار سمجھاتے رہے اور بتاتے رہے کہ آپ کی بات عقل و حکمت کی نہیں یہ تو صرف بڑھاپے میں سٹھیانے کی نشانی ہے سعید نے کہا کہ اللہ نے تجھے دل اور آنکھوں کی بینائی سے محروم کر دیا ہے ابوبکر ان کے پاس سے اٹھے اور گھر آ گئے مدینہ کے گورنر نے ان کو بلا کر دریافت کیا بتاؤ کیا سعید کچھ نرم پڑے ہیں؟ ابوبکر نے کہا کہ وہ آپ کے کرتوت کے بعد پہلے سے بھی سخت ہو چکے ہیں آپ ان سے بے رخ ہو جائیے وہ آپ کے ہتھکنڈوں سے ہرگز باز نہ آئیں گے۔"

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۷)

ابوبکر کے سربراہ مملکت عبدالملک بن مروان سے دیرینہ مراسم تھے مصعب زبیری رقمطراز ہیں:

"کان ابو بکر ذامنزلة عن عبدالملک بن مروان"

(کتاب نسب قریش ج ۱ صفحہ ۳۰۴)

ابوبکر کے عبدالملک سے دوستانہ مراسم اور تعلقات تھے شاید ان ہی تعلقات کی بنا پر ابوبکر نے ہشام اور سعید کی داستان سے عبدالملک کو مطلع کیا ہوگا؟ اس کی مثبت تصریح نہیں ملتی مگر قیاس یہی ہے کہ ابوبکر نے ہشام کی عبدالملک سے شکایت کی ان کی شکایت کے بعد عبدالملک نے سعید کے بارے میں اسماعیل کو خط لکھا۔ طلحہ بن محمد کہتے ہیں:

"ہشام بن اسماعیل کے پاس عبدالملک کا خط آیا جس میں ہشام کو سعید ابن المسیب کو سزا دینے پر بہت بری طرح ڈانٹا گیا تھا اور خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر تم سعید کو کچھ نہ کہتے تو سعید تمہیں کچھ بھی نقصان نہ دیتا۔" (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۲۷)

کہتے ہیں کہ اس خط کے آنے پر ہشام کو اپنی جگہ بڑی ہی ندامت ہوئی اور سعید ابن المسیب کو اپنے حال پر چھوڑ دیا قرینہ یہی ہے کہ ابوبکر نے اپنے تعلقات کی بنا پر عبدالملک کو ہشام کی شکایت کا خط لکھا اور عبدالملک نے ابوبکر کی وجہ سے اسماعیل کو ملامت کی کیونکہ عبدالملک سے ابوبکر کے گہرے تعلقات کا تقاضا یہی تھا ابوبکر کے عبدالملک کے یہاں "ذامنزلۃ" ہونے کا اندازہ اور ان سے تعلقات کی مقدار کا پتہ مصعب زبیری کے اس بیان سے بھی لگتا ہے کہ عبدالملک موت کے وقت بھی ابوبکر کو نہ بھولا اس نے مرض الموت میں اپنے بیٹے ولید کو وصیت کی کہ ابوبکر کا خاص خیال رکھنا وہ میرے دوست ہیں۔ مصعب لکھتے ہیں:

"واوصیٰ بابی بکر عبدالملک حین حضرته الوفاة ابنه ولید بن عبدالملک فقال له یابنی ان لی بالمدینة صدیقین فاحفظنی فیهما عبدالله بن جعفر وابی بکر بن عبدالرحمن" (کتاب نسب قریش صفحہ ۳۰۴)

بلکہ ابن سعد نے محمد بن عمر کے حوالے سے تو یہاں تک انکشاف کیا ہے کہ مدینہ میں خواہ حکومت کے خلاف عبدالملک کے زمانے میں کتنی سیاسی تحریکیں اٹھیں اور مدینہ والوں نے ان میں کیسا ہی حصہ کیوں نہ لیا لیکن صرف ابوبکر کی وجہ سے مرکزی حکومت مدینہ والوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کرتی تھی چنانچہ ابن سعد رقمطراز ہے کہ:

"عبدالملک بن مروان یہ بات کہتا تھا کہ میں کئی بار مدینہ والوں کو ان کی حکومت کیخلاف کارروائیوں کی پاداش میں سزا دینا چاہتا ہوں اور اس کا ارادہ بھی کرتا ہوں لیکن مجھے ابوبکر بن عبدالرحمٰن یاد آجاتے ہیں اس سے مجھے شرم آجاتی ہے اور معاملہ کو چھوڑ دیتا ہوں۔"
(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۰۹)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابوبکر کے عبدالملک سے تعلقات کب سے تھے اور کیونکر ہوئے؟ دراصل ابوبکر کے عبدالملک سے اس زمانے کے تعلقات تھے جس زمانے کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے:

" قد کان عبدالملک قبل الخلافة من العباد الزهاد والفقهاء الملازمین للمسجد التابعین للقران " (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ۶۲)

سولہ سال کی عمر میں عبدالملک کو جب حضرت معاویہؓ نے مدینہ کا والی بنایا اس دور کے بارے میں لکھا ہے کہ:

" کان یجالس الفقهاء والعلماء والعباد والصلحاء " (البدایہ ج۹ صفحہ۶۲)

عبدالملک بھی امیر مدینہ ہونے کی حیثیت سے حضرت معاویہؓ کے زمانے میں فقہ کی اس مجلس کا ممبر تھا جس کے ارکان میں دوسرے اجلہ کے ساتھ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بھی تھے چنانچہ اس مجلس کے ایک رکن قبیصہ کا بیان ہے کہ:

"ہم معاویہ کے زمانے میں رات کو مسجد نبوی میں علمی اجتماع کرتے تھے اس میں یعنی قبیصہ، مصعب بن الزبیر، عروۃ ابن الزبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبدالملک بن مروان، عبدالرحمٰن بن المسور، ابراہیم بن عبدالرحمٰن اور عبیداللہ بن عبداللہ شریک ہوتے تھے۔" (انساب الاشراف صفحہ ۲۵۷)

ابوبکر کی علوم میں جامعیت

اس پر سب ہی مورخین کا اتفاق ہے کہ ابوبکر فقیہہ اور مجتہد تھے اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ

"هو استفراغ الوسع فی استنباط الحکم الفرعی عن دلیله "

اجتہاد کے اصول و شرائط کیا ہیں اس میں مختلف رائیں ہیں جو چیزیں سب کے نزدیک مسلم ہیں یہ ہیں:

۱:۔ قرآن کا عالم ہو۔ ۲:۔ سنت رسول ﷺ میں اسے درک ہو

۳:۔ اجماع کے موارد و مواقع سے واقف ہو ۴:۔ قیاس کے طریقوں سے واقف ہو

ان شرائط کو سامنے رکھئے اور پھر ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے علم و فضل، کتاب و سنت، آثار صحابہؓ اور تعدیل صحابہؓ سے متعلق ان کی واقفیت کا جو تذکرہ کتابوں میں آیا ہے اس پر ایک نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ مجتہد اور فقیہہ ہونے کی وجہ سے ان کو ان پر کیسے قدرت تھی

قرآن حکیم اور ابوبکر

قرآن حکیم شریعت اسلامیہ کا ستون، سرچشمہ اول اور اصل و اساس ہے اس میں

وہ قواعد اور احکام ہیں جو زبان ومکان کے تغیر کے ساتھ تغیر پذیر نہیں ہوتے یہ وہ احکام وقواعد ہیں جو دنیائے انسانیت کیلئے عمومی اور یکساں طور پر مفید ہیں قرآن میں کلی احکام کا بیان ہے۔

قرآن چونکہ شریعت اسلامیہ کا سرچشمہ اول اور منبع حقیقی ہے اسلئے آغاز کار ہی سے علماء نے اس کی تعلیم ودراست پر پوری توجہ دی ہے اس کی عبارات، اشارات، ظاہر اور نص اس کے محکم اور مجمل سے مطلق اور مقید سے احکام کا استخراج کیا ہے متشابہہ کی تاویل اور مجمل کی تفصیل میں اجتہاد سے کام لیا ہے۔ وہ قرآن سے استنباط احکام کا خاص ملکہ رکھتے تھے ابوبکر کی قرآن دانی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قرآن کی آیت "والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثة قروء" کے بارے میں ایک موقعہ پر بتایا کہ آیت میں قرء سے مراد حیض نہیں بلکہ طہر اور پاکی کا زمانہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو حیض گزرنے پر جب تیسرا حیض شروع ہو عدت کی مدت ختم ہو جاتی ہے۔ امام محمد بن شہاب الزہری کہتے ہیں:

"میں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ میں اپنے فقہاء میں سے جن سے بھی ملا ہوں سب حضرت عائشہؓ ہی کے ہم خیال تھے۔"

(مؤطا امام مالک ج۲ صفحہ ۳۰)

بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ امام مالک نے قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا متفقہ فیصلہ یہ لکھا ہے کہ:

"جب طلاق والی عورت کو تیسرا حیض شروع ہو جائے تو زمانہ رجعت ختم ہو کر عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور میاں بیوی میں سے کوئی اس وقت مر جائے تو دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کی میراث نہ پائے گا۔" (مؤطا امام مالک ج۲ صفحہ ۳۰)

ابوبکر اور حدیث

حدیث کے دو درجے ہیں ایک علم اور دوسرے روایت حدیث ـــــ تابعین کرام نے چونکہ براہ راست صحابہ کرامؓ کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے بدیں وجہ ان کو اسناد کے بارے میں تحقیقات کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی اس لئے روایت

حدیث کا فقہ سے کوئی الگ سلسلہ موجود نہ تھا۔۔۔۔ ان کے زمانے میں مسند و مرسل اور صحیح وحسن کی کوئی تقسیم نہ تھی وہ سب اقسام کو یکساں قبول کر لیتے تھے اور حجت قرار دیتے تھے۔ سعید ابن المسیب، ابراہیم نخعی، حسن بصری، مکحول دمشقی اور دیگر اکابر تابعین کا معمول تھا کہ اپنے اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان جو واسطہ ہے اسے ظاہر کئے بغیر ہی قال رسول اللہ کہہ دیتے۔ ابو بکر بن عبدالرحمٰن سے بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، عائشہؓ اور ام سلمہؓ کے حوالہ سے اور صرف مسلم میں عبدالرحمٰن بن مطیعؓ کے حوالہ سے روایات آئی ہیں۔ (الجمع بین رجال الصحیحین ج۲ صفحہ ۵۹۲) امام ذہبی نے لکھا ہے کہ:

" احادیثه فی دواوین الاسلام کلها " (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۵۲) حافظ ابن کثیر نے البدایہ میں ان کی صحت روایت کو سراہا ہے ان کی احادیث کا بیشتر ذخیرہ فقہ وقانون کے ابواب سے متعلق ہے۔

ابونعیم اصفہانی رقمطراز ہے:

" اکثر حدیثه فی الاقضیة والاحکام ". (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۸۸)

احادیث

ان کی چند احادیث یہ ہیں:

" عن ابی بکر بن عبدالرحمن عن ابی هریرةؓ . قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انی لاستغفرالله واتوب الیه فی الیوم اکثر من سبعین مرة. " (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۸۸)

۲:. عن ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشامؒ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال "ایما رجل باع متاعاً فافلس الذی ابتاعه منه ولم یقبض الذی باعه من ثمنه شئیاً فوجده بعینه فهو احق به وان مات الذی ابتاعه فصاحب المتاع فیه اسوة الغرماء ".

۳:. عن ابی بکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام عن ابی هریرةؓ ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال :. " ایما رجل افلس فادرک الرجل ماله بعینه فهو احق به من غیره ". (موطا امام مالک صفحہ ۲۸۱)

ابوبکر اور فقہ واجتہاد

ان کی فقاہت کو سب نے ہی مانا ہے ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۱۴۵ میں، ابن حجر نے تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۰ میں، ابن الجوزی نے صفتہ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۵۱ میں، حافظ ذہبی نے تذکرہ ج ۱ صفحہ ۵۹ میں، ابن سعد نے طبقات ج ۵ صفحہ ۱۷۸ میں، حافظ ابن الکثیر نے البدایہ والنہایہ ج ۹ صفحہ ۱۱۰ میں، ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۹۸ میں اور ابن طغری بردی نے النجوم الزاہراہ میں ان کی فقاہت کو سراہا ہے اور ان کو فقہائے سبعہ میں شمار کیا ہے۔ بلکہ ابن العماد حنبلی نے تو ان ہی کے تذکرے میں فقہائے سبعہ پر یہ نوٹ بھی لکھ دیا ہے کہ:

"یہ سب ایک ہی زمانے میں مدینہ میں تھے یہی علم وفتویٰ کی نشرواشاعت کا ذریعہ تھے حالانکہ ان ہی کے زمانے میں اور بھی تابعین تھے۔" (شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۰۴)

ابن خلکان نے بھی ابوبکر ہی کے ذکر میں بالکل یہی بات لکھی ہے اور اس اضافہ کے ساتھ لکھی ہے کہ:

" عنهم انتشر العلم و الفتيا فى الدنيا " (وفيات الاعيان)

ان کو فقہ میں اس قدر بلند مقام حاصل تھا کہ ان کی نظر مسائل کی سطح پر نہیں بلکہ ان کی گہرائی پر ہوتی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ:

فقہاء کا فیصلہ ہے کہ کاریگروں اور مزدوروں کے پاس کارخانہ دار اور مالک کی جو چیزیں ہوتی ہیں ان میں کاریگر اور مزدور امین ہوتے ہیں اگر ان کے پاس یہ چیزیں ضائع ہو جائیں تو ان کو تاوان دینا پڑے گا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"لا ضمان علیٰ متوتمن" اور ابوبکر الصدیق ؓ کا عدالتی فیصلہ موجود ہے کہ:

"ایک ایسی امانت جو ترکش میں تھی پھٹ گیا امانت امین کے پاس ضائع ہو گئی ابوبکر نے فیصلہ کیا کہ اس میں کوئی تاوان نہیں ہے۔" (سنن کبریٰ بیہقی ج ۲ صفحہ ۲۸۹)

لیکن حضرت علیؓ اور قاضی شریح نے فیصلہ کیا کہ کاریگروں اور مزدوروں کو ضمان دینا پڑے گا دراصل ان بزرگوں کی نظر گہری تھی۔ ان پر مالکوں کے اموال کی حفاظت کا جذبہ کارفرما تھا اور اس اندیشہ سے کہ کاریگروں اور مزدوروں کو بات بنا کر مالکوں کے اموال

خرد برد کرنے کا موقع نہ ملے انہوں نے ضمان کا فیصلہ کر دیا اور اسلامی تشریع کو تغیر پذیر تشریح کے طور پر پیش کیا۔ ابو بکر بن عبدالرحمٰن بھی فقیہہ تھے ابن سعد نے لکھا ہے کہ:

" عروۃ ابن الزبیر نے ابو بکر بن عبدالرحمٰن کے پاس اپنے برادرزادوں کا کچھ مال بطور امانت رکھوا دیا ابو بکر کے پاس مال ضائع ہو گیا عروہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو پیغام بھیج دیا کہ تم پر کوئی ضمان نہیں ہے آپ امین تھے ابو بکر نے جواب کہلا بھیجا کہ مجھے پتہ ہے کہ مجھ پر ضمان نہیں ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ آپ قریش سے بیان کریں کہ میرے سے امانت ضائع ہو گئی ہے ابو بکر نے اپنی کچھ چیزیں فروخت کیں اور زرِ ضمانت ادا کر دیا۔"

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۵۴)

حضرت عمرؓ نے بھی انس بن مالکؓ کو ایک امانت کے سلسلے میں ضمان دینے کا حکم دیا۔ (سنن کبریٰ بیہقی ج۶ صفحہ ۲۹۰) لیکن علی مرتضیٰؓ، فاروق اعظمؓ اور شریح قاضی کے فیصلے اپنی جگہ ہیں ان کی علت تو صرف یہی تھی کہ مالکوں کے مال کی حفاظت ہو مگر ابو بکر کی فقہی ژرف نگاہی نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا یہاں مالک کے مال کی حفاظت کا اندیشہ نہیں بلکہ یہاں ضمان صرف اپنی ہوا کے غلط ہونے کے اندیشہ سے دیا جا رہا ہے معلوم ہوا کہ فقیہہ کی نظر قوانین میں مصالح پر بھی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر محمد یوسف نے ابو بکر کی اس فقہی جدت طرازی کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

" ففی هذه الواقعة نرىٰ انه لا تعد من قبل ابى بكر المودع و ذالك ثابت من قول عروة نفسه واباله تضمينه اتباعًا لسنه الرسول صلى الله عليه وسلم وشرعه ولكن المودع يابى الا ان يضمن الا مانة التى هلكت لديه بلا تعد او تفريط منه حتى لا يناله ضرر فى سمعته اذالم يضمن". (تاریخ الفقہ الاسلامی صفحہ ۱۰۹)

ابو بکر کے تلامذہ

اسی زمانے میں ابو بکر بن عبدالرحمٰن کے شاگرد اسلامی دنیا میں پھیل چکے تھے اور ہر جگہ علوم اسلامیہ کی اشاعت میں مصروف تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

" وعنه اولادة ------ عبدالملك وعمر وعبدالله وسلمه ومولاه وابن اخيه القاسم بن محمد بن عبدالرحمن والزهرى وابن سعيد وعمر بن عبدالعزيز

وعبدالواحد وعبیداللہ بن کعب الحمیری والحکم بن عتیبہ وآخرون"۔
(تہذیب التہذیب ج ۱۲ صفحہ ۳۱)

دراصل ابوبکر کے تلامذہ کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ مملکت کی حدود مملکت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں حافظ عسقلانی نے تہذیب میں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور امام نووی نے تہذیب الاسماء میں تلامذہ کی وسعت کو بتانے کیلئے امام ممدوح کے چند خاص تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد وآخرون کا اضافہ کیا ہے ان کے تلامذہ میں جلیل القدر ائمہ حدیث اور ارباب اقتدار ہیں۔ ان ائمہ اور ارباب اقتدار کے ذریعے ابوبکر کے علوم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہوئی ہے اور انکی وساطت سے پوری اسلامی دنیا میں ان کے علوم پھیلے ہیں۔

اگرچہ ابوبکر کے تلامذہ میں ان تمام لوگوں کا شمار ہے جنہوں نے ان سے فقہ کا فن یا سنت نبویؐ کا علم حاصل کیا ہے یا کوئی حدیث روایت کی خواہ ان کی مجلس درس میں پہنچنے کیلئے انہوں نے سفر اختیار کیا ہو یا وہ ان کے شہر مدینہ میں مقیم ہوں۔ ان میں بڑے سے بڑے محدث بڑے سے بڑے مفسر اور جلیل القدر فقہاء موجود ہیں ان کے تلامذہ میں، محدثین میں اگر امام زہری ہیں اور مدینہ کے رہنے والے ہیں تو ان ہی کے تلامذہ میں عمر بن عبدالعزیز ہیں جو شام میں سربراہ مملکت کی حیثیت سے وقت گزار رہے ہیں۔ اور ساتھ ہی کوفہ میں حکم بن عتیبہ اور عامر بن شراحیل الشعبی بھی ہیں اور مکہ میں ان ہی کے تلامذہ میں عمرو بن دینار علم کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں گویا شام، مدینہ، کوفہ اور مکہ میں علوم کی جو نشر واشاعت ہوئی ہے ان کا بالواسطہ شجرہ علمی ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے ملتا ہے۔ الغرض ابوبکر کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے ان میں سے ہر ایک کے حالات پر تبصرہ کرنا ازبس مشکل ہے۔ یہاں صرف ان کے ایک شاگرد حکم بن عتیبہ کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ علوم ابی بکر کی نشر واشاعت کس حد تک ہوئی ہے۔

الحکم بن عتیبہ

نام حکم، کنیت ابو عمر ہے۔ الخزرجی نے خلاصہ میں اور ابن سعد نے طبقات میں ان کی کنیت ابوعبداللہ لکھی ہے: (طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۳۳۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۱۰)

ان کا تعلق موالی سے ہے نسبت ولاء کی وجہ سے ان کو کندی کہتے ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ ابن عینیہ کہتے ہیں کہ کوفہ میں حکم اور حماد جیسا کوئی نہ تھا۔ کوفہ اسلام کے دور اقتدار میں ان شہروں میں سے ایک ہے جو اس زمانے میں علوم وفنون کے مرکز تھے حرمین، کوفہ، بصرہ اور شام تو وہ مقامات ہیں جہاں سے علوم نبویؐ کے چشمے ابل ابل کر سارے عالم میں رواں ہوئے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

"یہ پانچ مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام وہ شہر ہیں جہاں سے علوم نبوت، علوم ایمانی، علوم قرآنی اور علوم شریعت نکلے ہیں۔" (منہاج السنہ ج ۴ صفحہ ۱۴۳)

حافظ سیوطی نے ابن سیرین سے جو اکابر تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں کوفہ میں حدیث کے موضوع پر یہ بیان درج کیا ہے کہ:

"میں کوفہ آیا تو وہاں حدیث کے چار ہزار طلبہ موجود تھے۔" (تدریب الراوی صفحہ ۹۲)

محدث حاکم نیشاپوری نے معرفتہ علوم حدیث کی نوع ۴۹ میں بلاد اسلامیہ کے ان تمام نامور ائمہ کو نام بنام گنایا ہے چنانچہ اس سلسلے میں حسب ذیل مقامات کے محدثین کا ذکر کیا ہے:

"مدینہ، مکہ، مصر، شام، یمن، یمامہ، کوفہ، جزیرہ، بصرہ، واسطہ اور خراسان۔"

(معرفتہ علوم الحدیث نوع ۴۹)

لیکن آپ کو یہ معلوم کر کے شاید تعجب ہو کہ ان تمام مقامات میں یہ امتیاز صرف کوفہ ہی کو ہے کہ وہاں کے ائمہ ثقات کی فہرست پورے ساڑھے تین صفحوں پر مشتمل ہے اسی طبقات ابن سعد میں کسی مقام کے اتنے علماء مذکور نہیں ہیں جتنے کوفہ کے ہیں۔ چنانچہ تمام بلاد اسلامیہ میں یہ خصوصیت کوفہ ہی کو حاصل ہے کہ طبقات کی پوری ایک جلد کوفہ کے علماء پر مشتمل ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ) اسی شہر میں الحکم بن عتیبہ ہوئے ہیں۔ لیث بن سلیم کہتے ہیں کہ حکم، شعبی سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۱۱) معمر بن راشد کہتے ہیں کہ جو حیثیت اپنے اصحاب مدینہ میں امام زہری کی ہے وہی حیثیت اصحاب کوفہ میں الحکم بن عتیبہ کی ہے (طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۸۲) ایک سے زیادہ علماء کی ان کے تبحر علمی کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے آراء نقل کی ہیں۔ اس کا نمونہ یہ ہے امام اوزاعی کہتے ہیں کہ: "پوری آبادی میں حکم سے زیادہ کوئی فقیہہ نہیں۔"

امام مجاہد کہتے ہیں کہ: "میں نے حکم کو مسجد خیف میں ایسی حالت میں دیکھا کہ لوگ علم کی طلبگاریوں میں ان کی اولاد معلوم ہوتے تھے۔"

مغیرہ محدث کہتے ہیں کہ: "جب حکم مدینہ آتے تو حضورﷺ کا ساریہ ان کی نشست کے لئے خالی کر دیا جاتا۔"

عباس دوری کا کہنا ہے کہ: "حکم، عبادت و بزرگی میں بہت اونچے تھے۔"

(تہذیب التہذیب ج صفحہ ۴۳۳)

ابن سعد نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ:

" کان ثقة فقیهاً عالماً رفیعاً کثیر الحدیث ". (طبقات ابن سعد ج ۶ صفحہ ۳۳۱)

ابوبکر کے عام حالات زندگی

ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے عام حالات زندگی بالکل خفا میں ہیں اور ہمارے مورخین ان کے ذکر سے یکسر خاموش ہیں۔ ابن خلکان نے یہ کہہ کر ان کے عام حالات زندگی بیان کرنے سے معذرت کی ہے کہ:

" لولا کثرة حاجته فقهاء زماننا الیٰ معرفتهم لما ذکرتهم لان فی شهرتهم غنیة عن ذکرهم ": (وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۹۸)

"لان فی شهرتهم غنیته عن ذکرهم" میں انہوں نے جو معذرت کی ہے اس کا تعلق ابن خلکان کے اپنے زمانے سے ہے تاہم اس قدر ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی حیات علمی میں جو فقہ وحدیث اور قرآن کا سنگم قائم کیا تھا اس میں برسوں صرف ہوئے ہوں گے کیونکہ اس زمانے کا علم آجکل کی طرح آسان نہ تھا علم کا سارا تعلق سینے سے تھا سفینے کا نام ونشان نہ تھا۔ ان کا فقہاء سبعہ میں شمار ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ ان کی شخصیت عظیم اور جلیل تھی۔

یہ صرف فقہاء سبعہ ہی سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ ان کا شمار ان فقہاء عشرہ میں بھی تھا جو عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ میں اپنے دور ولایت میں اپنی مشاورتی کمیٹی کے ارکان مقرر کئے تھے یہ کمیٹی خود عمر نے قائم کی تھی۔ ابن سعد رقمطراز ہے:

"جب عمر بن عبدالعزیز ولید کے زمانے میں مدینہ کے گورنر ہو کر آئے تو خاص

دعوت پر کچھ حضرات کو بلایا ظہر کی نماز کے بعد دس فقہاء مدینہ حاضر ہوئے ان میں عروۃ ابن الزبیر، عبیداللہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابو بن سلیمان، سلیمان بن یسار، القاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، عبیداللہ بن عبداللہ، عبداللہ بن عامر، خارجہ بن زید:" (طبقات ج۵ صفحہ ۳۴۴)

بہرحال ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ دین کی خدمت تھا۔ عام مورخین نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ ابوبکر نابینا تھے ابن سعد نے لکھا ہے کہ: "کان قد ذھب بصرہ" (طبقات ج۵ صفحہ ۲۰۸) ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب صفحہ ۱۰۴ پر، مصعب زبیری نے کتاب نسب قریش صفحہ ۳۰۳ پر اور خیر الدین زرکلی نے الاعلام صفحہ ۴۰ پر اس کی تائید کی ہے۔

ابوبکر کی وفات

۹۴ھ کا سال بھی اسلامی تاریخ میں ایک یادگار سال ہے بڑی بڑی عظیم شخصیتیں اسی سال اس دنیا سے رحلت فرمائے دار بقا ہوئی ہیں۔ ابن سعد نے امام زین العابدین کے تذکرے میں لکھا ہے: "کان یقال لھذہ السنة سنة الفقھاء لکثرة منھم فیھا"۔ (طبقات ج۵ صفحہ ۲۲۱) بالکل یہی تعبیر ابن سعد نے سعید ابن المسیب کے تذکرے میں بھی بیان کی ہے۔ (طبقات ج۵ صفحہ ۱۴۳) اور یہی بات ابن سعد نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے بارے میں نوٹ کی ہے۔ (طبقات ج۵ صفحہ ۲۰۸) ابن خلکان نے ابوبکر کے تذکرے میں ۹۴ھ کے بارے میں لکھا ہے کہ: "وھذہ السنة تسمی سنة الفقھاء" (وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۹۸) ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب صفحہ ۱۰۴ پر یہی بات لکھی ہے ـــــ بہرحال ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا باتفاق مورخین و محدثین سال وفات ۹۸ھ ہے اور اسے تاریخ میں سنة الفقھاء کہا گیا ہےـــــ ان کی وفات اچانک ہوئی آپ کوئی بیمار نہ ہوئے آپ کی صحت اچھی تھی ایک روز عصر کی نماز پڑھ کر غسل کے ارادے سے غسل خانے میں تشریف لے گئے گر پڑے اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ابن سعد نے عبدالرحمٰن بن جعفر کی زبانی بتایا ہے کہ:

"ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے نماز عصر پڑھی غسل خانے میں گئے گر پڑے فوراً بولے کہ بخدا میں نے تو آج کوئی نیا کام نہیں کیا۔"

عبداللہ کہتے ہیں کہ بس غروب آفتاب سے پہلے انتقال فرما گئے اور یہ ۹۴ھ کی

بات ہے۔(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۲۰۸) اس طرح ابوبکر سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں اس دنیا سے رحلت فرمائے دار بقا ہوئے ہیں اور انہوں نے خلافت عثمانؓ سے لیکر سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ دیکھا ہے اور عمر کی ۷۱ بہاریں گزارنے کے بعد دنیا سے روانہ ہوئے۔

اولاد و امجاد

ابوبکر نے اپنے پیچھے آٹھ لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑی ہیں۔لڑکوں کے نام یہ ہیں: عبدالرحمٰن، عبداللہ، عبدالملک، ہشام، سہیل، الحارث، ابوسلمہ، عمر۔۔۔۔۔لڑکیوں کے نام یہ ہیں: مریم، ربیعہ، فاطمہ۔ ابوبکر نے چار شادیاں کی ہیں۔پہلی بیوی کا نام سارہ ہے اس سے چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ دوسری بیوی کا نام قریبہ ہے اس سے دو لڑکے ابوسلمہ اور عمر ہوئے۔ تیسری بیوی کا نام زینب ہے اس سے صرف ایک لڑکی ربیعہ ہوئی۔ چوتھی بیوی کا نام امیثہ ہے اس سے بھی صرف ایک لڑکی فاطمہ ہوئی۔(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۲۰۷)

==========

6

خارجہ ابن زید

خانوادہ جامع قرآن
فقہ واجتہاد کی شان

(۳۰ھ تا ۱۰۰ھ)

نام وکنیت

خارجہ نام ہے ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج ۱ صفحہ ۱۸۵، ابو اسحاق الشیرازی نے طبقات الفقہاء صفحہ ۲۹ اور خزرجی نے خلاصہ تہذیب الکمال ج ۱ صفحہ ۸۴ میں ـــــ نیز ابوزید بتائی ہے زرکلی نے الاعلام ج ۲ صفحہ ۳۳۲ اور ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۱۸ میں اور ابن یوسف تغری بردی نے النجوم الزاہرہ صفحہ ۲۴۴ میں اس کی تائید کی ہے، اس لئے ان کا پورا نام ابوزید خارجہ ابن زید المدنی ہے۔

وطن

مدنی مدینہ طیبہ کی طرف نسبت ہے جو عرب میں صوبہ حجاز کا مشہور شہر ہے حضور انور ﷺ کا دار الہجرت اور سنت کی آخری قرار گاہ ہے اس کو علوم نبوت کا اصلی مخزن اور منبع و معدن ہونے کا شرف حاصل ہے عہد نبویؐ سے لے کر فقہائے سبعہ کے زمانے تک ساری دنیائے اسلام کا علمی مرکز یہی تھا خارجہ ابن زید کا زمانہ مدینہ طیبہ کے علمی عروج اور شادابی کا زمانہ ہے۔

خاندان اور نسب

خارجہ کا والد کی جانب سے نسب یہ ہے: خارجہ ابن زید بن ثابت بن الضحاک

بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبدعوف بن غنم بن مالک ابن النجار۔ اس لحاظ سے خارجہ انصاری، خزرجی اور نجاری ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹)

حافظ ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں بھی یہی نسب لکھا ہے۔ ابن یوسف تغری بردی نے خارجہ کی والدہ کا نام جمیلہ بتایا ہے: ''وامه جميلة بنت سعد بن الربيع'' (النجوم الزاہرہ ج ۱ صفحہ ۲۴۲)

حافظ ابن حزم نے ان کی والدہ کا نسب یوں لکھا ہے:

''جمیلہ بنت سعد بن الربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امری القیس بن مالک الاغر''۔ (جمہرۃ انساب العرب ج ۱ صفحہ ۳۶۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ خارجہ ابن زید والد اور والدہ کی جانب سے نجیب الطرفین اور خزرجی ہیں کیونکہ مالک کا نسب ابن حزم نے اس طرح لکھا ہے:

''ابن ثعلبہ ابن کعب ابن الخزرج ابن الحارث ابن الخزرج''۔

(جمہرۃ انساب العرب ج ۱ صفحہ ۳۶۳)

والد

والد کا نام زید بن ثابتؓ ہے امام ذہبی نے ان کو المقری اور کاتب الوحی کے القاب سے یاد کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹)

حضور انور ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے ان کی عمر گیارہ سال تھی حضورؐ نے ان کو کتابت سیکھنے کا حکم دیا اس حکم کی تعمیل کی اور کتابت سیکھی۔ الذہبی رقمطراز ہیں:

''امره النبى صلى الله عليه وسلم ان يتعلم خط اليهود فجود الكتابة''

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۲۹)

حضور انورؐ کی حیات میں آپ کتابت وحی اور خطوط لکھنے کا کام کرتے تھے۔ امام نووی فرماتے ہیں:

''كان يكتب الوحى لرسول الله صلى الله عليه وسلم ويكتب له ايضاً المرسلات الى الناس'' (تہذیب الاسماء ج ۱ صفحہ ۲۰۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور شمس الدین الذہبی نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ زمانہ

ابوبکرؓ میں جمع قرآن کا کام بھی زید بن ثابتؓ نے کیا ہے:

" وھو الذی جمع القرآن فی عھد ابی بکرؓ". (الاصابہ ج ۳ صفحہ ۱۰۳)

تدوین قرآن حکیم اور زید بن ثابتؓ

قرآن حکیم کے مرتب اور مدوّن ہونے کی جو نسبت زید بن ثابتؓ کی طرف ہے اس کی تاریخ یہ ہے کہ:۔ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب غزوہ یمامہ میں اکثر حفاظ قرآن نے جام شہادت نوش کر لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قرآن جمع کرادیجئے حضرت ابوبکرؓ نے زید بن ثابتؓ کو جو حضور انورؐ کی خدمت گرامی میں کتابت وحی کا کام کرتے تھے بلا کر یہ خدمت سپرد کی حضرت زیدؓ نے نہایت اہتمام سے اس خدمت کو انجام دیا جہاں جہاں تحریری اجزاء تھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مہیا کئے یہاں تک کہ ہڈیوں، پتھر کے ٹکڑوں اور کھجور کی چھال پر لکھے ہوئے اجزاء فراہم کئے اور یہ اہتمام کیا کہ تحریر کے ساتھ زبانی شہادت بھی لیتے تھے یعنی یہ دیکھتے تھے کہ وہ تحریری عبارت لوگوں کو زبانی بھی یاد ہے کہ نہیں اس طرح پورا قرآن حکیم مرتب ہوا سورتوں کی ترتیب کو ان کی تاریخ نزول کے لحاظ سے نہیں بلکہ ان کی تطویل واختصار کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا۔ بڑی سورتیں پہلے متوسط ان کے بعد اور چھوٹی آخر میں۔ یہ نسخہ حضرت حفصہؓ کے گھر میں رکھوا دیا گیا۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ:

۱:۔ قرآن حکیم کا ایک جملہ بھی ایسا نہ تھا جو حضور ﷺ کے زمانہ میں قلمبند نہ ہوا ہو۔

۲:۔ حضرت زیدؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے قرآن حکیم کا جو نسخہ مرتب کیا وہ تحریری نوشتوں سے ہی مرتب ہوا تھا۔ الغرض قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اور حرف محفوظ ہے زید بن ثابتؓ نے خاص طور پر یہ اہتمام کیا کہ صرف حفظ اور زبانی یادداشت کے سہارے ہی قرآن کریم جمع نہ کیا جائے بلکہ اس وقت آیت قرآنی قلمبند کی جائے جب آیت کے سنانے والے اپنے یا کسی اور صحابیؓ کے ہاں لکھی ہوئی پیش کریں علامہ ابوشامہ نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے:

" وکان غرضھم ان لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی النبیؐ لامن مجرد اللفظ" (الاتقان فی علوم القرآن)

ان کا منشا صرف یہ تھا کہ بعینہ صرف وہ چیز نقل کی جائے جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکھی گئی نہ کہ صرف الفاظ۔

بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے زیدؓ اور عمرؓ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ: "من جاء کما بشاھدین علی کتاب اللہ فاکتباہ" علامہ ابوعبداللہ الزنجانی نے تاریخ القرآن میں شہادت کا پس منظر یہ بتایا ہے:

"گواہ اس بات کی گواہی دیتے تھے کہ قرآن کا جو حصہ پیش کر رہے ہیں اس کو انہوں نے حضور انورؐ کے سامنے وفات والے سال پیش کیا ہے اور آپ کے سامنے لکھا گیا ہے"۔ (تاریخ الاسلام السیاسی ج صفحہ ۳۸۷)

قرآن کے نسخے عام شائع نہیں ہوئے تھے ادھر اسلام دور دراز ممالک میں پھیلتا جا رہا تھا اور نئی نئی قومیں اسلام میں داخل ہو رہی تھیں اس لئے الفاظ قرآن کا اعراب اور وجوہ قراءت میں کچھ اختلاف رونما ہوا اور یہ اختلاف بڑھنے لگا حضرت حذیفہؓ نے اس معاملے کی صورت حال سے حضرت عثمانؓ کو آگاہ کیا۔ (الکامل لابن اثیر ج ۳ صفحہ ۴۵)

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے کا مرتب کردہ قرآن حضرت حفصہؓ کے گھر میں موجود تھا حضرت عثمانؓ نے منگایا زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ، سعید بن العاصؓ اور عبدالرحمٰن الحارثؓ سے اس کے نسخے نقل کرائے اور مختلف صوبوں میں یہ قرآن روانہ کر دیئے گئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عثمانؓ کا لقب جامع القرآن مشہور ہو گیا حالانکہ ان کا جمع قرآن میں کوئی دخل نہیں انہوں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ ابوبکرؓ کے نسخہ کی چند نقلیں کرائیں اور ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کر دیں۔ الاتقان میں ہے:

"المشھور عندالناس ان جامع القرآن عثمان ولیس کذالک انما حمل الناس عثمان علی القراءۃ بوجہ واحد"۔ (الاتقان فی علوم القرآن)

یہ بات کہ اس کام کیلئے زید بن ثابتؓ ہی کو کیوں منتخب کیا گیا اس سوال کا جواب عثمان بن سعید دانی نے اپنی کتاب المقنع میں جو دیا ہے اور جسے حسن ابراہیم نے نقل کیا ہے وہ ہی پیش کرتا ہوں:

"زید بن ثابتؓ کو اس کام کیلئے چند وجوہ سے منتخب کیا گیا اول یہ کہ زیدؓ حضور انورؐ کے کاتب وحی تھے دوم یہ کہ آپ نے حضور انور ﷺ کو قرآن پڑھ کر پورا سنایا تھا سوم یہ

کہ آپ نے ہی حضور انورﷺ کی زندگی میں آخری طور پر جامع قرآن کی حیثیت سے کام کیا تھا یہ تین خوبیاں زیدؓ کے سوا کسی میں موجود نہ تھیں۔" (تاریخ الاسلام السیاسی ج ۱ صفحہ ۳۸۸)

بہر حال قرآن نہ صرف تواتر حفظ کے ذریعے بلکہ آج امت میں زید بن ثابتؓ کے صدقے تواتر اسناد، تواترِ کتابت، تواترِ دور، تواترِ قراءت، تواتر تلاوت اور تواترِ تعلیم و تعلم کے ذریعے محفوظ ہے۔

قرآن حکیم کے جمع میں چونکہ حضرت زیدؓ کی ذات گرامی مرکزی حیثیت کی مالک ہے اس لئے فنی طور پر ان کے تعارف میں یہ بات آگئی کہ صرف قرآن کے جمع ہی میں نہیں بلکہ دوسرے علوم میں ان کو دستگاہ کامل تھی قبیصہ کا بیان ہے:

"مدینہ میں زیدؓ کو ان علوم کی ریاست حاصل تھی علم القضاء، علم الفقہ، علم القراءۃ اور علم الفرائض۔" (الاصابہ ج ۲ صفحہ ۲۳)

ان کے فضل وکمال کا اندازہ کرنا ہو تو مسروق کا یہ بیان پڑھئے:

"صحابہ میں ارباب تقویٰ یہ تھے عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ، ابی بن کعبؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ۔ (تذکرۃ الحفاظ)

امام محمد نے کتاب الآثار میں ان ہی چھ کو مذاکرہ فقہ کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔

مفتیوں کی زمانہ صحابہؓ میں دو قسمیں

اگرچہ یہ تحدید بظاہر سمجھ میں نہیں آتی لیکن واقعہ ہے کہ اکثر مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق حدیث صاف اور مصرح ہے ان مسائل میں صرف حدیث کا جان لینا ہی کافی ہے اس کے برعکس بیشتر مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت احادیث میں حکم مصرح نہیں ہے بلکہ استنباطی قوانین کے ذریعے حکم متخرج ہوتا ہے یا حدیث میں حکم تو موجود ہے لیکن اور احادیث اس کی معارض ہیں ایسی صورت میں اجتہاد و استنباط کی ضرورت پیش آتی ہے اور فقاہت دراصل اسی کا نام ہے۔

صحابہ میں ایسے بزرگ بہت تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے بارے میں فتویٰ دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ انکی تعداد تیس سے زیادہ ہے جیسا کہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں تصریح کی ہے کہ:

" والذین حفظت عنهم الفتوىٰ من الصحابة نیف وثلاثون نفسا ما بین رجل وامراة. "

لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا صرف ان لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے یہی چھ بزرگ تھے اوران میں سے ایک زید بن ثابتؓ ہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے صحابہؓ فقہاء تو تھے لیکن بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:

" فکانوا یروون دلالة ولکن ماکانوا یمیزون الرکن والشرط من الاداب والسنن ولم یکن لهم قول عند تعارض الدلائل وتقابل الاخبار الاقلیلا".

(حجۃ اللہ البالغہ)

وہ روایت بالمعنے کرتے تھے ان کو رکن وشرط اور آداب وسنن کا کوئی پتہ نہیں تھا اور نہ دلائل کے تعارض اور روایات کے تقابل کے بارے میں ان کا کوئی فیصلہ ہوتا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں کہ حضرت عمرؓ جب بھی سفر میں تشریف لے جاتے تو مدینہ میں زید بن ثابتؓ کو اپنا جانشین بنا کر جاتے تھے۔ (ازالۃ الخفاء) ابن سعد نے قاسم بن محمد کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

" حضرت عمرؓ ہر سفر میں اپنا نائب زید بن ثابتؓ کو بناتے تھے اور جبکہ حضرت عمرؓ سب صحابہؓ کو مختلف شہروں میں روانہ کر دیتے اور متفرق مہمات کے لئے اوروں کو باہر بھیج دیتے لیکن ان مقررہ شخصیتوں میں جن کی حضرت عمرؓ کو تلاش رہتی تھی صرف زیدؓ کی ذات تھی آپ فرماتے کہ مدینہ والے اپنے پیش پاافتادہ حوادث کیلئے زیدؓ کے ضرورت مند ہیں زیدؓ سے ان کی وہ ضروریات پوری ہوتی ہیں جو دوسروں سے نہیں ہوتی ہیں۔" (طبقات ج۲ صفحہ ۳۶۰)

ایک بار زید بن ثابتؓ سوار کہیں جارہے تھے حضرت ابن عباسؓ نے آگے بڑھ کر رکاب تھام لی زیدؓ نے فرمایا ابن عم رسول اللہ! ہٹ جایئے ابن عباسؓ نے اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

" بعلمائنا وکبرائنا " (طبقات ج۲ صفحہ ۳۶۰)

لذہبی نے ابن عباسؓ ہی کا تاثر بتایا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

" زید بن ثابتؓ کان من الراسخین فی العلم ". (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۳۰)

شاید اسی علمی برتری اور رسوخ کی وجہ سے زیدؓ نہ صرف حضرت ابوبکرؓ کی مجلس

شوریٰ کے رکن تھے بلکہ مفتی تھے قاسم بن محمد کا بیان ہے کہ:

"ابوبکرؓ جب کسی اہم مسئلہ سے دوچار ہوتے تو مہاجرین وانصار میں سے ان اکابر سے مشورہ لیتے عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور یہی لوگ ان کے زمانہ خلافت میں مفتی بھی تھے۔" (طبقات ج۲ صفحہ ۳۵۰)

اور صرف حضرت ابوبکرؓ نہیں بلکہ فاروق اعظمؓ کی مجلس شوریٰ کے ارکان میں بھی ان کا نام نظر آتا ہے دینار الاسلمیؒ کے حوالہ سے ابن سعد رقمطراز ہے کہ:

"کان عمر یستشیر فی خلافته اذا ضربه الامر اهل الشوریٰ ومن الانصار معاذ بن جبلؓ وابی بن کعبؓ وزید بن ثابتؓ" (طبقات ج۲ صفحہ ۳۵۱)

تعلیم وتربیت

انہوں نے اپنے بچپنے میں زیادہ تر تعلیم وتربیت اپنے والد بزرگوار ہی سے حاصل کی ہے ابن العماد حنبلی رقمطراز ہے: "تفقه علی والده" (شذرات الذهب ج صفحہ ۱۱۸)

ان کی تعلیم وتربیت کے احوال مورخین نے ضبط نہیں کئے لیکن اگر حضرت زید کا انتقال مدینہ میں ۵۴ھ میں ہوا ہے اور خارجہ کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے اور انہوں نے اس دنیا میں نووی کی تصریح کے مطابق عمر کی ستر بہاریں دیکھی ہیں (تہذیب الاسماء ج صفحہ ۱۷۲) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زیدؓ کی وفات کے وقت خارجہ کی عمر چوبیس سال تھی۔ عمر کا یہ حصہ جوانی کہلاتا ہے بالفاظ دیگر خارجہ نے تعلیم کا شعوری اور غیر شعوری زمانہ زید بن ثابتؓ ہی کی آغوش میں بسر کیا اور پوری تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی ہے اور صرف خارجہ ہی نہیں بلکہ خارجہ کے سارے بھائی سعد بن زید، سلیمان بن زید، یحییٰ بن زید، اسماعیل بن زید، سلیط بن زید، عبدالرحمٰن بن زید، عبداللہ بن زید اور زید بن زید، حضرت زیدؓ کی تعلیم وتربیت کی وجہ سے اپنے زمانے کے فضلاء تھے ان سب کے احوال ابن سعد نے لکھے ہیں۔

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۲۶۲ تا صفحہ ۲۶۵)

اساتذہ

اپنے والد بزرگوار سے شرف تلمذ کے بعد خارجہ کو کسی اور صاحب کمال کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ ہر استاد اپنی فنی خصوصیت رکھتا

ہے اس لئے مختلف شیوخ سے استفادہ طالب علم میں رسوخ پیدا کرتا ہے چنانچہ خارجہ نے اپنے والد کے علاوہ متعدد شیوخ سے استفادہ کیا۔حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے اساتذہ کی بہت مختصر فہرست دی ہے:۔ یزید بن ثابتؓ، اسامہ بن زیدؓ،سہل بن سعدؓ،عبدالرحمٰن بن ابی عمرہؓ، ام سعدؓ بنت معد بن الربیع، ام العلاءؓ الانصاریہ۔ان اساتذہ میں خارجہ کی حیات علمی میں جس گرامی قدر ذات نے فقہ کا شوق وولولہ پیدا کیا ہے یا جن کے فیض صحبت سے یہ فقیہہ بنے وہ صرف ان کے والد کی شخصیت ہے کیونکہ ان کو کم وبیش اپنے والد کے سایہ عاطفت میں عمر کی ۲۴ بہاریں گزارنے کا موقعہ ملا ہے۔

خارجہ ابن زید کا علم

حضرت خارجہ اپنے ہم چشموں میں علمی وسعتوں کے لحاظ سے فقاہت میں خاص تھے اور علم الفقہ میں ان کو اس درجہ خصوصی مقام حاصل تھا کہ متاخرین کے لئے ان کی شخصیت فقہ میں صرف علمی نہیں بلکہ استدلالی بن گئی۔۔۔۔۔ النووی رقمطراز ہیں :

" كان بارعاً في العلم واتفقوا على توثيقه و جلالته " (تہذیب الاسماء ج۱صفحہ۱۷۲)

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ:

" كان خارجه تابعياً جليل القدر ". (وفیات الاعیان ج۱صفحہ۱۸۵)

ابن سعد نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

" كان ثقة كثير الحديث " (طبقات ابن سعد ج۵صفحہ۲۶۲)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

" كان يفتي بالمدينة و كان من فقهائها المعدودين "(البدایہ والنہایہ ج۹صفحہ۱۸۷)

علم حدیث اور خارجہ ابن زید

یہاں ذہنوں میں ایک خلش پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ ضروری ہے حافظ ذہبی نے خارجہ بن زید کا ذکر کرتے ہوئے سراہے یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ:

" احد الفقهاء من كبار العلماء الا انه قليل الحديث " (تذکرۃ الحفاظ ج۱صفحہ۸۶)

ان کو قلیل الحدیث لکھنے کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ خارجہ ابن زید نے دوسرے تابعین کی طرح حدیث کی روایت زیادہ نہیں کی ہے اور روایت زیادہ نہ کرنے کا سبب بظاہر وہ ہے

جس کی نشاندہی حافظ ابونعیم اصفہانی نے کی ہے وہ فرماتے ہیں:

"تفقه ثم انفرد و آثر العزلة ولم ينتشر عنه من كلامه كبير شيئ".

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۹۰)

اس عزلت گزینی، انفرادیت اور خلوت پسندی کو خارجہ نے ان سیاسی حالات کی بنا پر اختیار کیا جو اس وقت پوری اسلامی امت کو درپیش تھے سب باہم دست و گریبان تھے ان کی جوانی اور کہولت کا سارا زمانہ ان ہی شورشوں میں بیت گیا ان کی عمر گیارہ سال کی تھی کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ میں خلافت کی رسہ کشی ہو رہی تھی یہ عمر کی ۳۱ ویں بہار میں تھے کہ کربلا کا حادثہ اور حرہ کا واقعہ درپیش آ گیا اور حرہ کے حادثہ میں ان کے چھ بھائی یعنی سلیمان بن زید، یحییٰ بن زید، سلیط بن زید، عبدالرحمٰن بن زید، عبداللہ بن زید اور زید بن زید شہید ہو گئے۔ (طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۶۴)

یہ سارے واقعات ان کی آنکھوں کے سامنے گزرے ان ہی حالات سے دل برداشتہ ہو کر انہوں نے عزلت کو اختیار کر لیا اس لئے دوسرے بزرگوں کی طرح ان سے روایت نہیں کی گئی۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ حدیث نبوتؐ کے علم اور حدیث نبوتؐ کی روایت میں ایک جوہری فرق ہے یہ ضروری نہیں کہ جسے ارشاد نبوتؐ کا علم ہو اس سے حدیث کی روایت بھی ہو صحابہؓ میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ ہیں جن سے روایت حدیث کم ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کو اس کا موقعہ ہی نہیں ملا ہے جیسا کہ ابن سعد رقمطراز ہے:

"انما خلت الرواية عن الاكابر من اصحاب رسول اللهؐ لانهم هلكوا قبل ان يحتاج اليهم". (طبقات ابن سعد ۲ صفحہ ۳۷۶)

اس لئے امام ذہبی کا یہ کہنا کہ خارجہ قلیل الحدیث ہیں بلحاظ روایت حدیث ہے اور ابن سعد کا یہ بتانا۔ کان خارجہ کثیر الحدیث۔ بلحاظ علم حدیث ہے ان دونوں باتوں میں کوئی معارضہ نہیں ہے۔

ابن سعد نے قلیل الروایت صحابہؓ کی ایک فہرست دی ہے فرماتے ہیں:

"اکابر صحابہ دوسروں کے مقابلے میں قلیل الحدیث ہیں مثلاً ابوبکرؓ الصدیق، عثمانؓ، طلحہ الزبیرؓ، سعد بن وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، ابوعبیدہؓ، سعید بن زیدؓ، ابی بن کعبؓ،

سعد بن عبادہؓ، عبادہ بن الصامتؓ، معاذ بن جبلؓ۔ (طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۳۷۶)

یہ سارے اکابر قلیل الحدیث نہیں بلکہ قلیل الروایت ہیں ایسے خارجہ ابن زید تابعین میں قلیل الحدیث نہیں بلکہ قلیل الروایت ہیں۔

احادیث خارجہ ابن زید

ان کی زیادہ تر احادیث اپنے والد کی مسموعات ہیں اور حافظ ابو نعیم نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"عامة حديثه في الا قضيته والاحكام". (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۸۹)

ایک فقیہہ کی حیثیت سے ان کی احادیث کا تعلق ہونا بھی قضایا اور احکام سے چاہیئے ۔۔۔ ن کی چند احادیث بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں:

۱:. عن خارجه ابن زيد عن ثابتؓ عن ابيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :." ان هذ االمال خضر حلو "

۲:. عن خارجه ابن زيد عن زيد بن ثابتؓ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعظنا ويحدلنا يقول :. " والذى نفسى بيده ما عمل على وجه الارض احد قط عمل اعظم عندالله بعد الشرك من سفك دم حرام، والذى نفسى بيده ان الارض لتعج الى الله من ذالك عجيجاً تستنا ذنه فيمن عمل ذالك علىٰ ظهرها لتخسف به " (حلیۃ الاولیاء ج۲ صفحہ ۱۸۹، صفحہ ۱۹۰)

خارجہ ابن زید اور فقہ

فقہ میں خارجہ کی امامت اور جلالت سب کے یہاں مسلّم ہے حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۸۶، حافظ نووی نے تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۱۷۲، حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب ج۳ صفحہ ۷۵، حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۸۷، ابن سعد نے طبقات ج۵ صفحہ ۲۸۰ میں اس کا اقرار کیا ہے ۔۔۔ ان کا فقہائے سبعہ میں ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے ان کے شاگرد ابوالزناد کہتے ہیں:

" كان احد الفقهاء السبعة " (تہذیب التہذیب ج۳ صفحہ ۸۵)

حافظ ابن کثیر نے تقسیم مواریث اور فرائض میں ان کی عالمانہ شان کو سراہا ہے وہ فرماتے ہیں:

" کان عالماً بالفرائض و تقسیم المواریث " (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۱۸۷)
ابن حجر عسقلانی نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ:
"مصعب زبیری کہتے ہیں کہ خارجہ اور طلحہ دونوں تقسیم میراث اور اس سلسلے میں وثائق نویسی کے کام پر مقرر تھے اور اس موضوع پر رائے عامہ کی توجہات کا مرکز یہی دونوں بزرگ تھے۔" (تہذیب التہذیب ج۳ صفحہ ۷۵)
حافظ ابو اسحاق الشیرازی نے ان دونوں کے بارے میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ:
" رائے عامہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں ان کے زمانے میں ان سے مسائل دریافت کرتی اور یہی دونوں بزرگ آخری نقطہ تھے۔" (طبقات الفقہاء صفحہ ۲۹)
تقسیم مواریث اور فرائض میں ان کو امامت بھی اپنے والد زید بن ثابتؓ سے میراث میں ملی تھی۔ ابن خلکان نے تصریح کی ہے کہ حضور انور ﷺ نے ان کے والد کے بارے میں خصوصی طور پر یہ اعلان کیا تھا کہ:
" افرضکم زید بن ثابت ". (وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۱۸۵)

خارجہ کے تلامذہ

اگرچہ وہ اپنا بیشتر وقت تنہائی اور خلوت میں گزارتے تھے تاہم ان سے اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے استفادہ کیا جن میں بڑے بڑے ائمہ شامل ہیں مثلاً امام سالم بن عبداللہ، امام محمد بن شہاب الزہری، امام ابوالزناد اور عبداللہ بن ذکوان۔
امام نووی نے ان کے تلامذہ میں سے کچھ کے نام یہ لکھے ہیں:
" سالم بن عبداللہ، زہری امام، یزید بن عبداللہ، ابوالزناد" (تہذیب الاسماء ج۱ صفحہ ۱۷۲)
حافظ ابن حجر نے یہ نام لکھے ہیں:
" سلیمان بن خارجہ، سعید بن سلیمان، قیس بن سعد، عبداللہ بن عمرو بن عثمان، محمد بن عبداللہ، مجالد بن عوف، ابوالزناد، زہری، عثمان بن حکیم، مطلب بن عبداللہ۔۔۔۔۔۔
(تہذیب التہذیب ج۳ صفحہ ۷۵)
نووی اور ابن حجر نے وآخرون کہہ کر تلامذہ کی بہتات کی طرف اشارہ کیا ہے
یہاں ان تلامذہ میں ہر ایک پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں رجال کی کتابیں ان کے حالات سے

بھر پور ہیں ہم صرف ان میں سے ایک گرامی قدر شخصیت کا ذکر کرتے ہیں جن کا خارجہ سے استفادہ اور خارجہ کے علوم پھیلانے میں وافر حصہ ہے۔

سالم بن عبداللہ

یہ فاروق اعظمؓ کے پوتے ہیں اپنے والد حضرت عبداللہؓ کے بہت چہیتے تھے اتنے کہ خالد بن ابی بکر کہتے ہیں کہ:

عبداللہ بن عمرؓ پر ان سے بے حد شفقتگی کے بارے میں لوگ چہ میگوئیاں کرتے تو عبداللہؓ کہتے:

یلومو ننی فی سالم والومهم　　وجبرة بین الا لف والعین سالم

(طبقات ج۵ صفحہ ۱۹۶)

عبداللہ ابن المبارک ان کو ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی بجائے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۳ صفحہ ۴۳۷) حافظ ذہبی نے ان کا چہرہ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ:۔الفقیہ، الحجہ، ہونے کے ساتھ وہ نادرۃ الوجود اور یگانہ روزگار ہستی ہے جو علم، عمل، زہد اور شرف کا سنگم ہے۔

اگرچہ اس موضوع پر محدثین کا بہت بڑا اختلاف ہے کہ روائتی سلسلوں میں سب سے زیادہ صحیح طریق کیا ہے لیکن اختلاف کے اسی جھگڑے میں امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کی رائے یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح طریق "الزہری عن سالم عن ابیہ" ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ج　صفحہ ۸۳)

امام نووی کہتے ہیں کہ: " اجمعوا علی امامته وجلالته وزهادته وعلو مرتبته "

امام مالک فرماتے ہیں کہ زید میانہ روی میں اور پوری زندگی میں سالم سے زیادہ اسلاف کے مشابہہ کوئی نہیں ہے۔ (تہذیب الاسماء ج صفحہ ۲۰۷)

ہشام بن عبدالملک مدینہ کا گورنر تھا سالم حج سے واپس آئے تو بخار میں مبتلا تھے اسی بخار میں ماہ ذی الحجہ کی آخری تاریخوں میں ۱۰۶ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔

(طبقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۲۰۱)

خارجہ کی وفات

خارجہ ابن زید عمر کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۰۰ھ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں اس دارفانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ (تہذیب الاسماء ج ا صفحہ ۱۷۲) نماز جنازہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم نے پڑھائی۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۶۳)

ابن خلکان رقمطراز ہے کہ خارجہ کہتے ہیں کہ:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے ستر سیڑھیاں بنائی ہیں بنا کر فارغ ہوا تو ساری گر گئیں فرمایا کہ یہ میری عمر کا سترہواں سال ہے جسے میں پورا کر رہا ہوں۔"

(وفیات الاعیان ج ا صفحہ ۱۸۵)

صفی الدین خزرجی نے لکھا ہے کہ:

"خارجہ کی وفات کی خبر جب عمر بن عبدالعزیز کو ملی فرمایا واللہ! خارجہ کی موت اسلام میں رخنہ ہے۔" (خلاصہ تہذیب الکمال ج ا صفحہ ۸۴)

اولاد وامجاد

خارجہ نے اپنے بعد چار لڑکے اور چار لڑکیاں اولاد چھوڑی ہیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں:۔ زید، عمر، عبداللہ، محمد۔۔۔۔ لڑکیوں کے نام یہ ہیں: حبیبہ، حمیدہ، ام یحییٰ، ام سلیمان ان کی والدہ قبیلہ نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔۔۔۔ ام عمر بنت حزم نام ہے۔

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۲۶۲)

=============

7

سلیمان ابن یسار

فہم وفراست میں مثال
صاحب حسن وجمال
(۳۴ھ تا ۱۰۷ھ)

نام وکنیت

ان کا نام سلیمان ہے ان کی کنیت میں قدرے اختلاف ہے ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب ج ۱ صفحہ ۱۳۴ میں، ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۹۲ میں، خیرالدین زرکلی نے الاعلام ج ۳ صفحہ ۲۰۱ میں، ابواسحاق شیرازی نے طبقات الفقہاء صفحہ ۳۰ میں ان کی کنیت ابوایوب بتائی ہے لیکن ابن خلکان نے وفیات الاعیان صفحہ ۲۲۹ میں، امام نووی نے تہذیب الاسماء واللغات ج ۱ صفحہ ۲۳۴ میں ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن اور ابوعبداللہ بھی لکھی ہے اور ابن سعد نے طبقات ج ۵ صفحہ ۱۷۵ میں محمد بن عمر کا یہ بیان نقل کر کے سلیمان کی ایک اور کنیت ابوتراب کا انکشاف کیا ہے فرماتے ہیں:

"لم ار اختلافاً بین اصحابنا ان سلیمان کان یکنی ابا تراب".

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۷۵)

الذہبی نے تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۸۵ میں ان کو "الفقیہ العلم" ابن سعد نے طبقات ج ۵، میں "عالم رفیع" کے معزز القاب سے یاد کیا ہے۔

خاندان اورنسب

ان کے والد کا نام یسار ہے احمد امین نے فجر الاسلام صفحہ ۱۵۳ میں ان کو حضرت میمونہؓ کا غلام قرار دیا ہے۔

یسار کے چار لڑکے ہیں عطاء بن یسار، عبدالملک بن یسار، عبداللہ بن یسار، ور سلیمان بن یسار چاروں حضرت میمونہؓ کے موالی ہیں اور نسبت ولاء کی وجہ سے ان کو ہلالی کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت میمونہؓ بنت الحارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن عبداللہ بن ہلال بن عامر ہونے کی وجہ سے ہلالیہ ہیں۔ (جمہرۃ انساب العرب صفحہ ۲۷۴)

اگر چہ سلیمان کو خیرالدین زرکلی نے الاعلام صفحہ ۲۰۱ میں مولیٰ ام المومنینؓ کہا ہے اس کے علاوہ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۲۲۸، نووی نے تہذیب الاسماء صفحہ ۲۳۵ میں اس کی تائید کی ہے لیکن ابن سعد نے ایک رائے میں ان کو حضرت میمونہؓ کا مکاتب قرار دیا ہے اور اس کی تائید کی ہے خود سلیمان کا یہ بیان لکھا ہے کہ۔

”میں نے حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی عائشہؓ نے میری آواز پہچان لی بولیں کہ کیا سلیمان ہیں؟ عرض کی جی ہاں سلیمان ہوں فرمایا کہ کیا تم نے بدل کتابت کی ادائیگی کردی ہے؟ عرض کیا تھوڑا سا باقی ہے فرمایا اگر باقی ہے تو اندر آجاؤ تم مملوک ہو۔“

(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۷۴)

حافظ ابن حبان نے ”کتاب الثقات“ میں یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ حضرت میمونہؓ نے سلیمان کی ولاء عبداللہ بن عباسؓ کو ہبہ کردی تھی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تائید میں ابن ابی شیبہ کے حوالے سے عمرو بن دینار کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:

”میمونہؓ نے سلیمان بن یسار کی ولاء ابن عباسؓ کو دے دی تھی۔“

(تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۲۲۹)

تعلیم وتربیت

سلیمان نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں وہ تعلیم وتربیت کا دور ہے سلیمان کی ولادت اگرچہ ۲۴ھ میں ہوئی ہے جیسا کہ حافظ ابن حبان نے تصریح کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خلافت عثمانؓ کے دوسرے سال پیدا ہوئے اور حضرت عثمانؓ کی وفات کے وقت

ان کی عمر دس سال تھی اس وقت مدینہ میں علم کی بہار آئی ہوئی تھی لوگ چل چل کر مدینہ طیبہ علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے سلیمان کو حسن اتفاق سے تربیت میں حضرت میمونہؓ کا سایہ عاطفت ملا تھا اور پھر اس وقت مدینے میں گھر گھر میں قرآن وحدیث اور فقہ کی درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں عائشہؓ، زید بن ثابتؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ اس کام پر لگے ہوئے تھے ایک ایک ارشاد کیلئے لوگ دور دور کے سفر کر رہے تھے امام بخاری نے "باب الخروج فی طلب العلم" کا عنوان قائم کر کے جابر بن عبداللہؓ کے بارے میں لکھا ہے:

" رحل جابر بن عبدالله مسيرة شهر الىٰ عبدالله بن انيس فى حديث واحد " . (بخاری شریف باب الخروج فی طلب العلم)

تعلیم کے اس عموم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب موالی بھی تعلیم یافتہ ہو گئے احمد امین نے لکھا ہے کہ:

" جب صحابہ کرامؓ نے مفتوحہ ممالک میں تعلیم کی مہم شرع کی تو عرب اور عجم استفادے میں یکساں شریک تھے تاآنکہ دور تابعین میں علماء کی اکثریت موالی سے تعلق رکھتی تھی۔" (فجر الاسلام صفحہ ۲۵۲)

یہ مسلمانوں کی تاریخ کا زریں دور ہے اس کا نتیجہ ہے کہ حفاظ حدیث، مفسرین، شعراء، ادباء اور علماء کی اکثریت موالی پر مشتمل ہے جرجی زیدان نے درست لکھا ہے کہ:۔

" للموالى فضل كبير فى الاسلام لان معظم الحفاظ واهل التفسير واللغة والشعر " وسائر العلماء واكثر التابعين منهم " (تاریخ التمدن الاسلامی ج۴ صفحہ ۵۰)

سلیمان کی تربیت میں حضرت میمونہؓ کا ہاتھ اور سلیمان کی تعلیم میں کن لوگوں کا ہاتھ تھا اس کا اندازہ ان کے اساتذہ سے ہو سکتا ہے صرف سلیمان ہی نہیں بلکہ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ یہ سارے بھائی فقیہہ ہیں۔ (معارف صفحہ ۲۰۲)

مواہب شخصی

سلیمان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ ایسی صفات موہبت ہوئی تھیں جو سلیمان کی ہر دلعزیزی اور شہرت کا ذریعہ بن گئیں ـــــ منجملہ ان کے اللہ تعالیٰ نے ان کو حسن وجمال کی نعمت سے مالا مال کیا تھا قدرت کی جانب سے ان کو شکل وشباہت کی ایسی

خوبصورتی ارزانی ہوئی تھی کہ ان کو دیکھ کر ان کی طرف کشش ہوتی تھی مصعب بن عثمان کا بیان ہے:

"کان سلیمان بن یسار من احسن الناس وجھاً" (صفۃ الصفوہ ج۲ صفحہ ۴۵)

اس حسن و جمال کیساتھ ان کی دوسری خصوصیت ان کی ذکاوت تھی اللہ نے ان کو بے حد فہیم بنایا تھا حتیٰ کہ فہم وفراست میں ان کا بعض بزرگوں نے سعید ابن المسیب سے موازنہ کیا ہے اور اس موازنہ میں سلیمان کو ترجیح دی ہے — چنانچہ مشہور امام الحسن بن محمد بن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ:

"سلیمان بن یسار افھم عندنا من سعید بن المسیب"

(تہذیب التہذیب ج۴ صفحہ ۲۲۹)

فہم وفراست اور حسن و جمال کے ساتھ ان کا سب سے بڑا وصف ان کی استقامت تھی اور اپنے اس وصف میں یگانہ روزگار تھے۔

ان کی استقامت کا اندازہ کرنا ہو تو ان کا وہ واقعہ پڑھئے جو حافظ ابو نعیم نے نقل کیا ہے اس واقعہ میں سلیمان کی سیرت کے سارے خد وخال نمایاں ہیں اور صرف استقامت ہی نہیں بلکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلیمان میں کس قدر عزت نفس، خشیت، تقویٰ، پارسائی جیسے اوصاف کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے۔

ابو حازم کا بیان ہے کہ:

"سلیمان بن یسار حج کے ارادے سے مدینہ سے چلے ان کے ساتھ ایک ساتھی بھی تھا مقام ابواء میں انہوں نے پڑاؤ کیا ان کا رفیق سفر کچھ خرید وفروخت کیلئے بازار گیا سلیمان خیمہ میں تنہا رہ گئے دو خوبیوں کے مالک تھے خوبصورت بھی بے حد اور خوب سیرت بھی — پہاڑ کی چوٹی پر ایک دیہاتی لڑکی کی ان پر نظر پڑ گئی ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر بے قرار ہو گئی برقع اوڑھے نیچے آئی اور سیدھی ان کے خیمہ میں پہنچ گئی چہرے سے نقاب ہٹا کر بولی مجھے دیجئے سلیمان سمجھے کہ بھوکی ہے کھانا مانگ رہی ہے اٹھے اور توشہ دان کو ٹٹولنے لگے بولی میں یہ نہیں چاہتی ہوں مجھے تو وہ کچھ چاہیے جو ایک عورت مرد سے چاہتی ہے فرمایا یہ تو شیطان کے پاس ہے یہ کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور روتے ہی رہے عورت نے یہ تماشا دیکھا تو اٹھ کر چل دی ان کے رفیق خرید وفروخت کے بعد واپس آئے دیکھا

کہ آنکھیں رو رو کر ابلی ہوئی ہیں پوچھا برادر! کیوں رو رہے ہو؟ فرمایا کچھ نہیں بڑے اصرار اور ردوکد کے بعد ماجرا سنایا رفیق نے توشہ دان رکھ دیا اور وہ بھی رونے لگا سلیمان نے دریافت کیا کہ تم کیوں رو رہے ہو؟ بولا رونا تو مجھے چاہئے فرمایا کیوں؟ رفیق نے بتایا اس لئے کہ مجھے اپنے تئیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو شاید بچنے میں کامیاب نہ ہوتا جب سلیمان مکہ پہنچے عمرہ کے ارکان ادا کئے سعی کے بعد حجر اسماعیل میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئے اسی دوران میں ان کو اونگھ آ گئی تو خواب میں ایک خوبرو، سروقد، شکیل، عمدہ پوشاک اور خوشبو میں بسا ہوا نوجوان دیکھا بولے تم کون ہو؟ خواب والے نوجوان نے بتایا کہ میں یوسفؑ بن یعقوبؑ ہوں بولے کیا یوسف الصدیقؑ ہو؟ فرمایا کہ ہاں سلیمان نے کہا کہ تمہاری اور عزیز مصر کی داستان تو بڑی عجیب ہے یوسف علیہ السلام نے جواب دیا تمہاری اور مقام ابواء والی عورت کی داستان اس سے بھی عجیب ہے۔" (حلیتہ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۹۱)

اس واقعہ میں ورع وتقویٰ، عفت وپارسائی اور سیرت واخلاق کی کس قدر کہانیاں مستور ہیں جن سے سلیمان کی اخلاقی قدروں اور متقیانہ سیرت کی بلندیوں کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

شیوخ واساتذہ

حافظ ابن حجر نے ان کے اساتذہ کی جو فہرست دی ہے وہ یہ اندازہ کرنے کیلئے کافی ہے کہ سلیمان نے کن لوگوں میں رہ کر اپنے فقہی ذوق کو پروان چڑھایا ہے۔ حافظ ابن حجر نے سلیمان بن یسار کے اساتذہ یہ لکھے ہیں :۔۔۔ میمونہؓ، ام سلمہؓ، عائشہ صدیقہؓ، فاطمہ بنت قیسؓ، حمزہ بن عمر الاسلمیؓ، زید بن ثابتؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، مقدادؓ، ابورافعؓ، ابوسعیدؓ، ابوہریرہؓ، ربیع بنت معوذؓ، سلیمہ بن صخرؓ، الفضل بن عباسؓ، عبداللہ بن حذافہؓ، جعفر بن امیہؓ، عبداللہ بن الحارثؓ، عبدالرحمٰن بن جابرؓ، عراک بن مالکؓ، مالک بن ابی عمرؓ، عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ۔ (تہذیب التہذیب ج ۴ صفحہ ۲۲۹)

ابن سعد نے ان کے اساتذہ میں عبداللہ بن عباسؓ کو بھی شمار کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد ج صفحہ ۱۷۵) ان اساتذہ میں سے ہر ایک کے حالات رجال کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے سلیمان کی حیات علمی میں اگرچہ سب ہی نے شوق حدیث کی نشوونما اور فقہ

کا ذوق پیدا کرنے میں محنت کی ہے ہم یہاں سرراہے صرف عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ پر تبصرہ کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سلیمان میں فقہی ذوق کیونکر پروان چڑھا ہے۔

عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ

عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ قاضی ابوبکر حزم کی والدہ کبشہ بنت عبدالرحمٰنؒ کی ہمشیرہ ہیں اسلئے قاضی صاحب کی خالہ ہوتی ہیں یہ بہت بڑی فقیہہ تھیں امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خلیفہ ثالث کے خاتمہ پر جہاں اس عہد کے مشاہیر علمائے تابعین کے نام گنائے ہیں ان کا ذکر فقیہہ کے لقب سے کیا ہے ابن سعد نے طبقات میں جہاں ان اکبر تابعین کا ذکر کیا جو صحابہؓ کے بعد مدینہ میں افتاء کا کام کرتے تھے وہاں مدینہ میں فتویٰ کا کام کرنے والوں میں حضرت عمرہؒ کا شاندار عنوان قائم کر کے ذکر کیا ہے۔ ان کا شمار ان اکابر میں ہے جن کا علم اس دور کے علماء کے یہاں استدلالی تھا اور جس کے ذریعے بعد کو اسلامی علوم کی تشکیل ہوئی عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت میں جب تدوین علوم کیلئے آئینی اقدامات کئے اور حضور انور ﷺ کے ارشادات سمیٹنے کیلئے تمام اطراف مملکت میں فرامین جاری کئے مدینہ کے قاضی ابوبکر حزمی کے نام بھی فرمان جاری کیا تھا ——— ابن سعد رقمطراز ہے کہ اس فرمان میں قاضی ابوبکر کو خاص طور پر ہدایت دی گئی تھی کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ کے پاس جو حدیثیں ہیں ان کو قلمبند کیا جائے چنانچہ لکھا ہے کہ:

"عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ حضور انور ﷺ کی حدیث، سنت ماضیہ یا عمرہ بنت عبدالرحمٰنؒ کی حدیثیں جلدی قلمبند کرو کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور اہل علم کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے۔" (طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۳۸۷)

عمر بن عبدالعزیز نے قاضی ابوبکر کو خاص طور پر عمرہ کی حدیثیں لکھنے کی کیوں ہدایت کی ہے اس کی وجہ بھی خود عمر بن عبدالعزیز نے جو بتائی ہے وہ محمد بن عبدالرحمٰن کی زبانی یہ ہے کہ:

"میرے سے عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ حدیث عائشہؓ کا عمرہ سے زیادہ عالم اب کوئی نہیں رہا۔" (طبقات ابن سعد ج۲ صفحہ ۳۸۷)

ان کی علمی وسعتوں کا یہ عالم تھا کہ امام زہری فرماتے ہیں:

مجھ سے قاسم بن محمد نے کہا کہ میں تمہیں علم کا شوقین پاتا ہوں کیا میں تمہیں علم کا خزانہ نہ بتا دوں؟ میں نے کہا کیوں نہیں فرمایا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کا آستانہ پکڑ لو کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کی آغوش تربیت میں پلی بڑھی ہیں چنانچہ جب میں انکی خدمت میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ تو علم کا نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں۔" (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۴۸)

ابن سعد نے قاسم کے بارے میں عبدالرحمٰن بن القاسم کا یہ بیان لکھا ہے کہ:

" ان القاسم یسئال عمرۃ " یعنی قاسم بھی ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۷) عمرہ کی وفات باختلاف اقوال ۹۸ھ، ۱۰۳ھ، ۱۰۶ھ میں ہوئی ہے۔

سلیمان بن یسار کا علم

حضرت سلیمان اپنے زمانے کے اہل علم طبقے میں فقاہت، فضیلت علمی اور صلاح وتقویٰ کے لحاظ سے ممتاز تھے اور اس درجہ ان کو امتیازی مقام حاصل تھا کہ ان کے ہم چشم ان کی علمی شخصیت کا لوہا مانتے تھے ابن سعد نے عبداللہ بن یزید کا بیان لکھا ہے کہ سعید ابن المسیب جیسی علمی شخصیت بھی ان کی علمیت ہی نہیں بلکہ علم میں انکی شخصیت کے استدلالی ہونے کی معترف تھی ان کا معمول تھا کہ جب ان کے پاس کوئی شخص مسئلہ دریافت کرنے آتا تو فرماتے:

" سلیمان کے پاس جاؤ وہ آج باقی ماندگان میں سب سے زیادہ عالم ہیں:"

(طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۸۴)

الحسن بن محمد جو حضرت علیؓ کے پوتے ہیں اور جن کو الشہر ستانی نے ارباب علم میں شمار کیا ہے انہوں نے سلیمان اور سعید ابن المسیب کے مابین موازنہ کیا ہے اور اس موازنہ میں انہوں نے سلیمان کو سعید کے مقابلے میں فہیم قرار دیا ہے ابن حجر عسقلانی نے تہذیب ج ۴ صفحہ ۲۲۹ میں، ابن سعد نے طبقات ج ۵ صفحہ ۱۷۴ اور ج ۲ صفحہ ۲۷۴ میں اس کی تصریح کی ہے الفاظ یہ ہیں:

" سلیمان بن یسار عندنا الفھم من سعید بن المسیب "

امام بخاری نے تاریخ کبیر ج ۲ صفحہ ۴۲ میں " الفھم " کی جگہ ' اقیس " پر زور دیا ہے اور لکھا ہے کہ الحسن نے " اعلم " اور " افقہ " نہیں کہا بلکہ ' اقیس " کہا ہے خبر نہیں کہ امام بخاری

نے اس موازنہ میں کیا دیکھا کہ جس کی وجہ سے ان کو "اقیس" پر زور دینا پڑا۔ دراصل دو چیزیں الگ الگ ہیں احفظ ہونا اور بات ہے اور افہم وافقہ ہونا اور بات ہے اور دونوں فن الگ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کیلئے مردان کار پیدا فرمائے ہیں سلیمان بے شک حفظ روایت میں سعید کے ہم پلہ نہیں ہیں لیکن فقہ وفہم میں سلیمان اپنے دور میں خاص ممتاز ہیں اور سعید کے بعد سلیمان بے مثال علمیت کے مالک ہیں چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں کہ:

"کان سلیمان بن یسار من علماء الناس بعد المسیب"

(تہذیب التہذیب ج۴ صفحہ ۲۲۹)

ابن سعد نے طبقات میں اعتراف کیا ہے کہ:

"کان ثقة عالماً رفیعاً فقیهاً کثیر الحدیث" (بقات ابن سعد ج۵ صفحہ ۱۷۵)

فقہاء سبعہ میں شمار ہونے کے بعد انکی فقاہت میں تو دورائیں ہو نہیں سکتیں اگر کچھ کہا جاسکتا ہے تو صرف یہ کہ ان فقہاء میں اگر موازنہ ہو تو فقاہت میں کس کا پلڑا بھاری ہے الحسن کی رائے آپ سن چکے ہیں۔

سلیمان اور حدیث

حافظ ابن کثیر نے ان کے بارے میں "له روایات کثیرة" کہہ کر ان کی محدثانہ شان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج۹ صفحہ ۲۴۴) ابن سعد نے طبقات ج۵ صفحہ ۱۸۳ میں کثیر الحدیث لکھا ہے امام نسائی نے ان کو علم حدیث میں احد الائمة اور حافظ زرعہ رازی نے ان کی حدیث دانی کو "ثقة مامون فاضل عابد" کہہ کر سراہا ہے۔ تہذیب التہذیب ج۴ صفحہ ۲۲۹ میں ابن خلکان نے ان کو "کان عالماً ثقة ورعاً حجة" کے القاب سے نوازا ہے انہوں نے جن اساتذہ کے سامنے علم حدیث میں زانوئے ادب طے کیا ہے ان میں ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ روایت وحدیث کے اساطین شمار کئے جاتے ہیں۔

سلیمان کی احادیث

ویسے تو حدیث کی کتابوں میں ان کے حوالہ سے آئی ہوئی حدیثوں کا کافی ذخیرہ

ہے ہم صرف تین حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں جو حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ان کے مسانید کے عنوان سے پیش کی ہیں:

۱:. عن سليمان بن يسار قال تفرق الناس عن ابی هريرة فقال له ناقل اخو اهل الشام يااباهريرة حدثنا حديثا سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:. " اول الناس يقضى فيه يوم القيامة ثلاثة رجال :. رجل استشهد فاتى به الله وعرفه نعمه فعرفها قال ماعلمت فيها قال :. قاتلت فى سبيلک حتى استشهدت قال كذبت انما اردت ان يقال فلان جرى فقد قيل فامربه فسحب على وجهه حتىٰ القى فى النار ورجل تعلم العلم وقرا القرآن فاتى به فعرفه نعمه فعرفها فقال :. ما عملت فيها قال تعلمت العلم وقرات القرآن وعلمته فيک قال كذبت انما اردت ان يقال فلان عالم وفلان قارى فقد قيل فامربه فسحب على وجهه الى النار ورجل اتاه الله من انواع المال فاتى به فعر فه نعمه فعرفها فقال ما علمت ما فيها فقال ماتركت من شئيى تحب ان ينفق فيه الا انفقت فيه لک قال كذبت انما اردت ان يقال فلان جواد فقد قيل مامربه فسحب على وجهه حتى القي فى النار " .

۲:. عن سليمان بن يسار عن ابى هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم" ما عند الله بشيى افضل من فقه فى دين"قال فقال ابوهريرةؓ لان الفقه ساعة احب الى من ان احى ليلة اصليها حتى اصبح ولفقيه (واحد) اشد على الشيطٰن من الف عابد ولكل شئيى دعامة ودعامة الدين الفقه ".

۳:. عن سليمان بن يسار عن ابى هريرةؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " الايمان ثلاثة والايمان ثلاث من آمن بالله العظيم وصدق المرسلين اولهم وآخرهم وعلم انه مبعوث والامانة ائتمن الله عزوجل العبد علٰى الصلوة ان شاء قال صليت ولم يصل وائتمنه على الوضوء ان شاء قال توضئات ولم يتوضا وائتمنه على الصيام فان شاء قال صمت ولم يصم ". (حلیۃ الاولیاء ج ۲ صفحہ ۱۹۲)

سلیمان بن یسار اور فقہ

فقہ علوم شرعیہ کا آخری درجہ ہے اور اس میں ان کی امامت مسلم تھی ابن حبان رقمطراز ہے:
" و کان فقیه المدینة و قرّائهم " (تہذیب التہذیب ج۲ صفحہ ۲۲۹)
حافظ نووی رقمطراز ہیں :. " واتفقوا علیٰ وصفه بالجلالة و کثرة العلم وهو احد الفقهاء المدینة " (تہذیب الاسماء ج صفحہ ۲۳۵) حافظ ذہبی نے الکو " کان من ائمة الاجتهاد " لکھا ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ ۸۵) ابن سعد نے مسائل میں ان کی امامت پر قتادہ کی شہادت پیش کی ہے قتادہ کہتے ہیں :
" میں مدینہ آیا میں نے وہاں لوگوں سے دریافت کیا یہ بتاؤ کہ مدینہ میں سب سے زیادہ طلاق و نکاح کے مسائل کا عالم کون ہے؟ سب کا متفقہ جواب یہ تھا کہ سلیمان بن یسار۔" (طبقات ج۲ صفحہ ۳۸۴)

الغرض ان کی فقاہت اور فقہ میں انکی امامت پر سب متفق ہیں۔

سلیمان بن یسار کے عام حالات زندگی

سلیمان بن یسار عام حالات زندگی میں زہد و پارسائی کی صاف ستھری زندگی رکھتے تھے ابوالزناد ان کے شاگرد کا بیان ہے کہ:
" سلیمان بن یسار ہمیشہ روزہ رکھتے تھے جبکہ ان کے بھائی عطاء بن یسار صوم داؤدؑ کے عادی تھے یعنی ایک روز افطار اور ایک دن روزہ۔" (صفۃ الصفوہ ج ۲ صفحہ ۴۷)
جب عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے اور مملکت کی سربراہی ولید بن عبدالملک کر رہا تھا اس عرصہ میں مدینہ کے بازار کا احتساب بھی سلیمان کے پاس تھا اور یہ سرکاری طور پر بازار کی ولائت ان کو ملی تھی۔
امام زہری فرماتے ہیں :
" سلیمان بن یسار مدینہ کے بازار پر عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے مقرر تھے۔"
(طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۷۵)
یہ وہی زمانہ ہے جب عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے دس فقہاء پر مشتمل مشاورتی کونسل بنائی تھی اس میں بھی سلیمان بن یسار شامل تھے اس زمانے میں ان کو بازار کی دیکھ

بحال پر محتسب کے طور پر لگایا گیا تھا۔

سلیمان کے تلامذہ

جن لوگوں کو سلیمان کے سامنے زانوئے شاگردی طے کرنیکا موقعہ ملا ہے ان میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے مندرجہ ذیل تلامذہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے " وجماعة" یعنی ان کے علاوہ ایک بہت بڑے انبوہ کو بھی ان سے استفادے کا موقعہ ملا ہے:

" عمرو بن دینار، عبداللہ بن دینار، عبدالرحمٰن بن الفضل الہاشمی، ابوالزناد، بکر بن الاشج، جعفر بن عبداللہ، سالم ابوالنضر، صالح بن کیسان، عمرو بن میمون، محمد بن ابی حرملہ، الزہری، مکحول، نافع، یحییٰ بن سعید الانصاری، یعلی بن حکیم، یونس بن یوسف۔"

(تہذیب التہذیب ج صفحہ ۲۲۹)

یہاں ان تلامذہ کو سمیٹنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ سلیمان کے علوم سے استفادہ کرنے والوں میں کونسی گرامی قدر شخصیت موجود ہے۔ ان تلامذہ میں سے ہر ایک کے حالات پر تبصرہ کرنا ازبس دشوار ہے ہم ان میں سے صرف ایک پر مشتے ازخروارے تبصرہ کرتے ہیں۔

یحییٰ ابن سعید الانصاری

ان کے تفصیلی حالات تو محدثین نے رجال کی کتابوں میں لکھے ہیں ہم یہاں اولاً ان کے بارے میں ارباب حدیث کی آراء پیش کرتے ہیں:

حافظ نووی فرماتے ہیں:

" اجمعوا علی توثیقه وجلالته وامامته " (تہذیب الاسماء ج۲ صفحہ۱۵۴)

ابن عتبہ کہتے ہیں کہ:

" محدثین حجاز تو صرف تین ہیں یحییٰ بن سعید، ابن شہاب اور ابن جریج یہ لکابر حدیث کو باللفظ پیش کرتے ہیں۔"

جریر بن عبدالحمید فرماتے ہیں:

" میں نے یحییٰ بن سعید سے زیادہ قابل کوئی نہیں دیکھا۔"

ابن المبارک کی رائے ہے کہ یحییٰ بن سعید حفاظ حدیث میں سے ہیں امام ابوحاتم ان کو امام زہری کا ہم پلہ بتاتے تھے احمد بن حنبل نے ان کو "اثبت الناس" اور ایوب السختیانی کی رائے ان کے متعلق یہ تھی کہ میرے خیال میں مدینہ کی پوری آبادی میں یحییٰ سے زیادہ فقیہہ کوئی نہیں ہے ابن سعد نے ان کو "کثیر الحدیث" اور "حجة" بتایا ہے۔ (تہذیب الاسماء واللغات ج۲ صفحہ ۱۵۴) امام سفیان ثوری فرماتے تھے کہ:

"مجھے حفاظ حدیث تو تین ہی ملے ہیں اسماعیل بن خالد، عبدالملک بن ابی سلیمان، ادر یحییٰ بن سعید" ہشام بن عروہ جب ان کے حوالہ سے کوئی حدیث بیان کرتے تو فرماتے کہ یہ حدیث میں نے اپنے والد سے نہیں سنی ہے لیکن "حدثنی العدل الرضی الامین یحییٰ بن سعید" یحییٰ بن سعید کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ صفحہ ۱۳۳)

سلیمان کی وفات

ابن سعد رقمطراز ہے کہ سلیمان عمر کی ۷۳ بہاریں گزارنے کے بعد ۱۰۷ھ میں رحلت فرمائے داربقا ہو گئے ان کی عمر ۷۳ سال ہونے پر مورخین کا اتفاق ہے لیکن ابن خلکان نے ان کی تاریخ وفات کے بارے میں کچھ اختلاف نقل کیا ہے مذکورہ بالا تاریخ کے علاوہ ۱۰۰ھ اور ۹۴ھ بھی لوگوں نے بتائی ہے۔ (وفیات الاعیان ج۱ صفحہ ۲۲۹) ابن سعد نے محمد بن عمر کی زبانی ۱۰۳ھ بھی لکھی ہے۔ (طبقات ج ۵ صفحہ ۱۷۵) ابن کثیر نے یہ بتاتے ہوئے کہ سلیمان کی وفات مدینہ میں ہوئی، پہلی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ (البدایہ ج۹ صفحہ ۲۴۴) ابو اسحاق الشیر ازی نے واقدی کے حوالہ سے بھی ۱۰۷ھ ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ (طبقات الفقہاء صفحہ ۳۰) ابن العماد حنبلی کا میلان بھی یہی ہے۔ (شذرات الذہب ج۱ صفحہ ۱۳۴) خیرالدین زرکلی نے بھی اسی کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ ان کی تاریخ ولادت ۳۴ھ مطابق ۶۵۴ء ہے۔ (الاعلام ج۳ صفحہ ۲۰۱)

============

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
		الف	
۱	احمد بن علی ابوالفضل العسقلانی	تہذیب التہذیب	حیدر آباد ۱۳۲۵ھ
۲		فتح الباری	مصر ۱۳۴۸ھ
۳		الاصابہ فی تمییز الصحابہ	مصر ۱۳۳۹ھ
۴		تقریب التہذیب	ہند ۱۳۰۸ھ
۵	احمد قاضی الشہیر بابن خلکان	وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان	
۶	احمد بن داؤد ابوحنیفہ الدینوری	الاخبار الطوال	مصر ۱۳۶۰ھ
۷	حاشیہ ابن عابدین	رد المختار علی الدر المختار	مصر ۱۳۲۴ھ
۸	ابراہیم بن موسیٰ اللخمی الشاطبی	الموافقات فی اصول الشریعہ	مصر ۱۳۴۸ھ
۹	ابوبکر الجصاص الرازی	احکام القرآن	مصر ۱۳۴۷ھ
۱۰	ابوبکر ابن العربی	احکام القرآن	مصر ۱۳۳۱ھ
۱۱	ابوبکر احمد بن حسین البیہقی	احکام القرآن	مصر
۱۲		السنن الکبریٰ	حیدر آباد ۱۳۴۴ھ

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
۱۳	ابن تیمیہ ابوالعباس تقی الدین حافظ	منہاج السنۃ	مصر
۱۴	احمد امین	فجر الاسلام	مصر ۳۷۰ھ
۱۵	احمد فرید رفاعی	عصر المامون	مصر ۳۴۶ھ
۱۶	ابن عبدربہ	العقد الفرید	ہند ۳۶۰ھ
۱۷	ابن الاثیر محمد بن محمد عبدالکریم	الکامل	مصر ۳۴۸ھ
۱۸	احمد بن حنبل	مسند امام احمد	مصر
۱۹	احمد بن عبداللہ ابونعیم اصفہانی	حلیۃ الاولیاء	مصر
۲۰	احمد بن یحییٰ بن جابر بغدادی البلاذری	انساب الاشراف	مصر
۲۱		فتوح البلدان	مصر ۱۳۳۹ھ
۲۲	محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری	الریاض النضرہ فی فضائل العشرۃ	مصر ۱۳۲۷ھ
۲۳	اسماعیل بن کثیر الدمشقی	تفسیر القرآن العظیم (البابی الحلبی)	مصر
۲۴		البدایہ والنہایہ	مصر ۱۳۵۱ھ
۲۵	ابوالفرج الاصفہانی	کتاب الاغانی	مصر ۱۳۸۵ھ
	ب		
۲۶	بروکلمان	تاریخ الادب العربی	بیروت
۲۷	بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بہادر زرکشی	البرہان فی علوم القرآن	مصر ۱۹۶۰ء
۲۸		الاجابہ	دمشق ۱۳۵۸ھ

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
۲۹	ترمذی ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	سنن ترمذی	مصر ۱۳۴۲ھ
		ج	
۳۰	جرجی زیدان	تاریخ التمدن الاسلامی	بیروت ۱۹۲۲ء
۳۱		تاریخ آداب اللغۃ العربیہ	بیروت ۱۹۲۳ء
۳۲	جار اللہ ابوالقاسم محمود بن عمر الزمخشری	کتاب الفائق	حیدرآباد ۱۳۲۴ھ
۳۳	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	تدریب الراوی	مدینہ منورہ ۱۳۷۹ھ
۳۴		الاتقان فی علوم القرآن	مصر ۱۳۵۴ھ
۳۵		تاریخ الخلفاء	دہلی ۱۳۴۵ھ
۳۶		حسن المحاضرہ فی احوال مصر والقاہرہ	مصر ۱۳۲۷ھ
۳۷		عین الاصابہ	مصر
۳۸		مقدمہ تنویر الحوالک	مصر ۱۳۶۹ھ
		ح	
۳۹	حاکم محمد بن عبداللہ	المستدرک	حیدرآباد ۱۳۴۲ھ
۴۰		معرفۃ علوم الحدیث	مصر ۱۳۵۶ھ
۴۱	حسن ابراہیم حسن	تاریخ الاسلامی السیاسی	مصر ۱۹۴۸ء
۴۲	حمید اللہ ڈاکٹر	صحیفہ ہمام بن منبہ	حیدرآباد ۱۳۷۵ھ

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ	
۴۳	حسین ابن محمد ابوالقاسم الراغب	المفرادت فی غریب القرآن	مصر	۱۳۲۴ھ
	خ			
۴۴	خطیب ابوبکر بغدادی	تاریخ بغداد	بغداد	۱۳۴۹ھ
۴۵	خیرالدین زرکلی	الاعلام		
۴۶	خضری محمد بک	تاریخ التشریع الاسلامی	مصر	۱۳۵۳ھ
۴۷	خطابی ابوسلیمان	معالم السنن شرح سنن ابی داؤد	مصر	۱۳۶۷ھ
	ز			
۴۸	زین الدین ابن نجیم	البحر الرائق	مصر	۱۳۳۴ھ
۴۹	گولڈزیہر	العقیدہ والشریعۃ	قاہرہ	۱۹۴۶ء
	س			
۵۰	سلیمان بن الاشعث	الرسالۃ	کانپور	۱۳۵۲ھ
۵۱		سنن ابی داؤد	کانپور	۱۳۵۲ھ

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
		ط	
۶۵	طاہر الفتنی	مجمع البحار	لکھنو ۱۳۸۳ھ
۶۶	الطبری محمد بن جریر ابو جعفر	تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک)	قاہرہ ۱۳۲۶ھ
۶۷	محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری	الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ	
		ع	
۶۸	عبدالقادر قرشی حافظ	الجواہر المضیئہ	حیدرآباد ۱۳۳۶ھ
۶۹	عبدالحی ابن العماد حنبلی	شذرات الذہب	قاہرہ
۷۰	علی بن احمد بن حزم	الاحکام فی اصول الاحکام	مصر ۱۳۴۷ھ
۷۱		جمہرۃ انساب العرب	مصر ۱۳۸۲ھ
۷۲	المقرّی	نفح الطیب	
۷۳	عبدالقاہر بغدادی	اصول الدین	استنبول ۱۳۴۶ھ
۷۴	علاؤالدین الحصفکی	درالمختار شرح تنویر الابصار	ہند ۱۳۴۰ھ
۷۵	عبدالنبی احمد نگری قاضی	دستور العلماء	ہند ۱۳۲۹ھ
۷۶	عبدالحی لکھنوی	التعلیق الممجد	ہند ۱۸۹۸ء
۷۷	عبدالقادر المقریزی	کتاب الخطط	قاہرہ ۱۲۷۰ھ
۷۸	عبدالرحمان بن خلدون	مقدمہ ابن خلدون	مصر
۷۹	عبدالرحمان بن علی بن الجوزی	صفۃ الصفوہ	حیدرآباد ۱۳۵۵ھ

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
۵۲	سعید شرتونی	اقرب الموارد	بیروت سنہ ۱۸۹۳ء
	ش		
۵۳	شمس الدین ابوعبداللہ محمد الذہبی	تذکرۃ الحفاظ	حیدرآباد سنہ ۱۳۳۳ھ
۵۴		سیر اعلام النبلاء	مصر
۵۵	الشیرازی ابراہیم بن علی ابواسحاق	طبقات الفقہاء	
۵۶	شمس الدین الحافظ السخاوی	فتح المغیث	ہند سنہ ۱۳۰۲ھ
۵۷		الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ	دمشق سنہ ۱۳۴۹ھ
۵۸	ابن قیم الجوزیہ	اعلام الموقعین عن رب العالمین	دہلی سنہ ۱۳۱۳ھ
۵۹		الوابل الصیب	مصر سنہ ۱۳۷۸ھ
۶۰		تہذیب سنن ابی داؤد	مصر سنہ ۱۳۶۷ھ
۶۱		زاد المعاد فی ہدی خیر العباد	مصر سنہ ۱۳۶۹ھ
۶۲	الشافعی محمد بن ادریس الامام	کتاب الام	مصر سنہ ۱۳۲۱ھ
۶۳	الشیبانی محمد بن حسن الامام	الموطا	لکھنو سنہ ۱۳۱۵ھ
	ص		
۶۴	صفی الدین الخزرجی	خلاصہ تہذیب الکمال	

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
۸۰	عبدالرحمان ابن علی ابن الجوزی	سیرۃ عمر بن عبدالعزیز	
۸۱	عبدالکریم محمد بن محمد ابن الاثیر	اسد الغابہ	طہران ۱۳۴۲ھ
۸۲	عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الدینوری	المعارف	مصر ۱۳۵۳ھ
۸۳	عبداللہ ابن مصعب الزبیری	کتاب نسب قریش	قاہرہ
۸۴	عمرو بن بحر بن محبوب الجاحظ	البیان والتبیین	مصر ۱۳۶۶ھ
۸۵	عبدالعزیز المیمن راجکوٹی الاستاذ	سمط اللآلی	
۸۶	عبدالکریم الشہرستانی	الملل والنحل	مصر ۱۳۷۵ھ
	م		
۸۷	محی الدین ابن شرف النووی	تہذیب الاسماء واللغات	قاہرہ ۱۳۴۹ھ
۸۸	محمود ابن احمد بدرالدین العینی	عمدۃ القادری	قاہرہ ۱۳۴۸ھ
۸۹	مجدالدین فیروز آبادی	القاموس	لکھنو ۱۳۲۴ھ
۹۰	محمد ابن محمد الغزالی	المستصفیٰ	مصر ۱۳۵۶ھ
۹۱		احیاء العلوم	مصر ۱۳۳۸ھ
۹۲	محمد اعلیٰ الشیخ التہانوی	کشاف اصطلاحات الفنون	مصر ۱۳۸۲ھ
۹۳	محمد بن اسماعیل الیمانی	توضیح الافکار	مصر ۱۳۶۶ھ

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
۹۴	محمد یوسف ڈاکٹر	تاریخ الفقہ الاسلامی	قاہرہ ۱۳۷۸ھ
۹۵	محمد بن اسماعیل البخاری الامام	الجامع الصحیح	مصر ۱۳۴۵ھ
۹۶	محمد ابن سعد کاتب الواقدی	الطبقات	بیروت ۱۳۸۰ھ
۹۷	مالک بن انس	الموطآ	مصر ۱۳۶۹ھ
۹۸		المدونہ	مصر ۱۳۲۴ھ
۹۹	محمد ابوزہرہ	مالک	مصر ۱۹۶۰
۱۰۰		ابوحنیفہ	مصر ۱۹۵۵
۱۰۱	محمد بن عبدالرحمان دارمی	السنن	ہند ۱۲۹۲ھ
۱۰۲	محمد عظیم فواد	مناہل العرفان	مصر ۱۳۷۲ھ
۱۰۳	محمد محمد ابوزھو	الحدیث والمحدثون	مصر ۱۳۷۸ھ
۱۰۴	موفق الدین ابوالموید	مناقب ابی حنیفہ	حیدرآباد ۱۳۲۱ھ
۱۰۵	محمد بن اسحاق ابن الندیم	الفہرست	مصر ۱۲۴۸ھ
۱۰۶	الحسن بن رشیق	العمدہ	مصر
۱۰۷	محمد رجب البیومی الاستاذ	مجلۃ المجمع العلمی	دمشق
۱۰۸	محمد بن ابراہیم الوزیر	تنقیح الانظار	مصر ۱۳۶۶ھ
۱۰۹	محمد بن اسماعیل البخاری الامام	التاریخ الکبیر	حیدرآباد ۱۳۶۱ھ
۱۱۰	مسلم بن الحجاج القشیری	الجامع الصحیح	مصر ۱۳۲۹ھ

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
۱۱۱	محمد زکریا شیخ الحدیث	اوجز المسالک	۱۳۲۳ھ
۱۱۲	محمد بن طاہر المقدسی	کتاب الجمع بین رجال الصحیحین	حیدر آباد ۱۳۲۳ھ
۱۱۳	محمد علی السائس	تاریخ الفقہ الاسلامی	مصر ۱۳۶۵ھ
	و		
۱۱۴	ولی اللہ حکیم الامت	الفوز الکبیر	دہلی ۱۳۶۲ھ
۱۱۵		المسوّٰی	مصر ۱۳۵۱ھ
۱۱۶		ازالۃ الخفاء	کراچی ۱۹۶۰ء
۱۱۷		حجۃ اللہ البالغہ	مصر ۱۳۵۵ھ
۱۱۸		الانصاف	دہلی ۱۹۰۹ء
	ی		
۱۱۹	یوسف ابن عبدالبر ابو عمر القرطبی	جامع بیان العلم وفضلہ	قاہرہ
۱۲۰		الاستذکار	
۱۲۱		الاستیعاب	حیدر آباد ۱۳۱۸ھ
۱۲۲	یوسف بن تغری بردی جمال الدین	النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ	

مراجع و مصادر

شمار	مصنف	کتاب	مطبوعہ
۱۲۳	یافعی الامام ابوعبداللہ	مراۃ الجنان	حیدر آباد
◎	◎	◎	◎

- سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم
- سیرت حضرت عمر فاروقؓ
- سیرت حضرت عثمان غنیؓ
- سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ
- امیر المومنین سیدنا علیؓ
- امہات المومنینؓ
- اسلام کی دعوتی قوت
- خلفائے راشدینؓ

علی پلازہ، 3۔مزنگ روڈ، لاہور۔فون: 042-7238014
Email: takhleeqat@yahoo.com
Web Site: http://www.takhleeqat.com